چہارم

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائل النبی المختار

علامہ محمد یوسف بن اسمعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد چہارم

ترجمہ

جواہر البحار فی فضائلِ النبی المختار

تالیف

علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

اُستاذ العلماء حضرت مولانا غلام رسول شیخ الحدیث فیصل آباد

رئیس التحریر علامہ محمد عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	فضائل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
	ترجمہ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار (جلد چہارم)
مصنف	علامہ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	استاذ العلماء حضرت مولانا غلام رسول شیخ الحدیث فیصل آباد
	رئیس التحریر علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	مارچ 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST46
قیمت	-/3300 روپے کامل سیٹ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

انتساب

احقر اپنی اس ناچیز کاوش کو سیدی وسندی، مرشدی ومولائی

حضرت مفتی اعظم دہلی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی جانب منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے

کیونکہ یہ اس سرکار ہی کی نظر کرم کا کرشمہ ہے

کہ میرے جیسے علمی لحاظ سے بے مایہ اور کوتاہ اندیش سے ایسا علمی کام لے لیا گیا۔

ذرے کو جس نے اختر کامل بنا دیا

مرشد مرے پہ رحمت پروردگار ہو

اختر شاہجہان پوری مظہری عفی عنہ

پیش لفظ

مری انتہائے نگارش یہی ہے　　ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۵ھ، ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن فلسطین ہے نبہان اہلِ عرب کے ایک خاندان کا نام ہے، اسی وجہ سے آپ نبہانی کہلاتے تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے:
علامہ یوسف بن اسمٰعیل بن یوسف بن اسمٰعیل بن محمد ناصر الدین نبہانی رحمۃ اللہ علیہم۔ آپ کے والد ماجد ایک جید عالمِ دین، صاحبِ تقویٰ وطہارت اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔

علامہ موصوف نے ناظرہ قرآنِ کریم اپنے والدِ ماجد سے پڑھا۔ ۱۲۸۳ھ میں جبکہ آپ عمر کی سترہ منزلیں طے کر چکے تھے تو مزید تحصیلِ علم کی خاطر مصر کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامع ازہر میں داخل کروا دیئے گئے۔ یہاں ساڑھے چھ برس محنتِ شاقہ کی اور پورے انہاک سے علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف رہے۔ آخر علومِ عقلیہ ونقلیہ میں درجہ کمال تک پہنچے تو رجب ۱۲۸۹ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ یوں تو آپ کے جملہ اساتذہ ہی لائق و فائق تھے لیکن شیخ ابراہیم سقا شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) یگانہ روزگار تھے۔ موصوف استاذ الاساتذہ اور مرجعِ علماء شمار کیے جاتے تھے۔

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالمِ دین اور یگانہ روزگار کے بطور منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ زبردست اہلِ قلم، صاحبِ تحریر وتقریر، بے بدل مصنف، مایہ ناز ادیب وشاعر اور ماحی سنت و قاطع بدعت تھے۔ ان مذکورہ کمالات پر طرہ یہ کہ سچے عاشقِ رسول تھے۔ موصوف کی جملہ تصانیف اس امر کا زندہ ثبوت ہیں۔ علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ کافی عرصہ بیروت میں عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے اور وہاں کی سرکاری لائبریری کے منتظمِ اعلیٰ بھی رہے اس درجہ مصروفیت کے باوجود بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہونے کی سعادت اکثر حاصل کرتے رہتے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے عاشقِ صادق تھے کہ اپنے دل کو ہمیشہ محبوب کی قیام گاہ بنائے رکھتے تھے۔

مولانا ابو النور محمد بشیر مدظلہ مدیر ''ماہِ طیبہ'' کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے والدِ ماجد فقیہِ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ اعلحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کے خلیفہ تھے۔ مولانا نے حضرت فقیہِ اعظم کی زبانی علامہ نبہانی کے متعلق ایک

حالیہ مکتوب میں یوں لکھا ہے:۔

''میرے والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں جب حج کرنے گیا (حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ شریفِ مکہ کے دور میں حج کرنے گئے تھے) تو مدینہ منورہ کی حاضری اور زیارتِ گنبدِ خضراء کے شرف سے مشرف ہوتے وقت میں نے باب السلام کے قریب اور گنبدِ خضراء کے سامنے ایک سفید ریش اور انتہائی نورانی چہرہ والے بزرگ کو دیکھا جو قبرِ انور کی جانب منہ کرکے دوزانو بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ میں ان کی وجاہت اور چہرے کی نورانیت دیکھ کر بہت متأثر ہوا اور ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور ان سے گفتگو شروع کی۔ وہ میری جانب متوجہ نہ ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں ہندوستان سے آیا ہوں اور آپ کی کتابیں حجۃ اللہ علی العالمین اور جواہر البحار وغیرہ میں نے پڑھی ہیں جن سے میرے دل میں آپ کی بڑی عقیدت ہے انہوں نے یہ بات سن کر سمجھا کہ یہ کوئی خوش عقیدہ اور عالم ہے تو میری طرف محبت سے ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ فرمایا۔ والدِ ماجد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے ان سے عرض کیا، حضور! آپ قبرِ انور سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہیں؟ تو رو پڑے اور کہا ''میں اس لائق نہیں کہ قریب جاؤں'' اس کے بعد میں اکثر ان کی جائے قیام پر حاضر ہوتا رہا اور ان سے سندِ حدیث بھی حاصل کی''۔

وہ مجسم عشقِ رسول، بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہوکر، سراپا التجا بن کر، زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہوگا:

تیرے سوا خیالِ نبی میں تیرے نثار　　　سمجھا نہ کوئی دیدۂ گریاں کی گفتگو

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی عدیم النظیر تصنیف ''الدولۃ المکیہ'' پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا عبدالقادر محمد بن سورہ القرشی نے امام احمد رضا خاں بریلوی اور علامہ یوسف بن اسمٰعیل مبہانی رحمۃ اللہ علیہما کے متعلق اپنی رائے جن عربی الفاظ میں بیان فرمائی، ان کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

''ہم عصر حسانِ زماں، زندہ کنِ سنتِ سردارِ اولادِ عدنان، محفوظ بہ نبی عدنانی، معروف شیخ یوسف نبہانی کہ انہوں نے اپنی کتاب ''شواہد الحق'' میں وہ تنبیہات ذکر فرمائیں کہ ان کے اندر دلوں میں زجر کرنے والے شہاب ہیں تو درحقیقت بلاریب وہ (علامہ نبہانی) اور مصنف رسالہ ہذا (اعلحضرت) ادائے واجب کے لئے کھڑے ہوئے اور حکمِ صائب لائے''(1)۔

1۔ الدولۃ المکیۃ، مطبوعہ کراچی، صفحہ 131

اسی طرح مذکورۃ الصدر کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا حسین بن محمد علیہ الرحمۃ نے اپنے وقت کی ان دونوں یگانۂ روزگار اور سرمایہ افتخار ہستیوں کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

''اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے مؤلف (اعلیٰ حضرت) اور شیخ یوسف نبہانی (رحمۃ اللہ علیہما) کو جنہوں نے ہماری احتیاج کو پورا کیا'' (1)۔

خود علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ نے مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ کی تصنیفِ لطیف ''الدولۃ المکیہ'' پر زوردار تقریظ لکھی۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت کے بارے میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا:۔

''اس دفعہ سید عبدالباری سلمہ اللہ تعالیٰ (ابنِ علامہ سید امین رضوان مدنی علیہ الرحمۃ) نے یہ کتاب میرے پاس بھیجی تو میں نے اس (الدولۃ المکیہ) کو شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں، جو ایک امامِ کبیر، علامہ اجل کی طرف سے ظاہر ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ راضی رہے اس رسالے کے مصنف سے، اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے......... نبی کریم ﷺ کے توسل سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے مصنف جیسے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا کرے جو ائمہ اعلام ہوں، اسلام کے حامی ہوں، کفار اور ذلیل بدعتیوں کی تردید میں مشغول رہیں۔ ایسے علماء بزرگ تر مجاہد اور دین کی حدود کے محافظ ہیں'' (2)۔

بقول اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ نامدار حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی مدظلہ العالی، علامہ حضرتِ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ کی اہلیہ محترمہ کو چوراسی مرتبہ سرورِ کون و مکان ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا (رحمۃ اللہ علیہما) علامہ موصوف جو شمعِ رسالت پر پروانہ وار نثار تھے، ان کی حالت و کیفیت کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ علامہ کی وفات حسرت آیات کے متعلق حضرت مدنی ہی کا بیان ہے کہ ''جواہر البحار'' کی تصنیف کے کچھ عرصہ بعد موصوف کو سرکارِ مدینہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی سرکار نے ''جواہر البحار'' کو بہت پسند فرمایا اور ازراہِ لطف و کرم علامہ کو سینے سے لگایا۔ علامہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ حضور! ''اب جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی تاب نہیں رہی''۔ آخر اسی حالت میں وصال ہوگیا۔

1۔ الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص ۴۷۹

2۔ الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص ۴۷۷

ایک شاگردِ رشید کو علامہ کی زیارت نصیب ہوئی جن سے موصوف نے اپنی وفات کا واقعہ بیان کیا جو اسی طرح عوام وخواص میں مشہور ہوا۔ حضرت نبہانی علیہ الرحمۃ نے مجدد مأتیہ حاضرہ قدس سرہٗ کے دس سال بعد ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں وفات پائی اور اپنے آبائی گاؤں اجزام میں ہمیشہ کے لئے محوِ خواب اور آسودۂ استراحت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

اسلام کے اس مایۂ ناز فرزند، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق اور چودھویں صدی کی نادرِ روزگار ہستی نے قلمی میدان میں ایسی بیش بہا تصانیف چھوڑی ہیں جن کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مجددِ مأتیہ حاضرہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کے بعد دنیائے اسلام میں علامہ موصوف اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی تصانیف علومِ دینیہ کا قابلِ قدر اور مایۂ افتخار ذخیرے ہیں۔ اگر علامہ کی قلمی نگارشات کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تجدیدی کارنامے کا تکملہ کہہ لیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ فہرست تصانیف حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ الفتح الکبیر فی الضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر (چودہ ہزار احادیث کا عظیم ذخیرہ جو تصانیفِ علامہ میں اعظم وانفع ہے۔)

۲۔ قرۃ العینین علیٰ منتخب الصحیحین (تین ہزار احادیث کا مجموعہ اور ان پر فاضلانہ حواشی)

۳۔ جواھر البحار فی فضائل نبی المختار (چار ضخیم جلدوں میں فضائل مصطفوی کا عظیم الشان مجموعہ)

۴۔ وسائل الاصول الی شمائل الرسول (اردو ترجمہ آج کل دستیاب ہے)

۵۔ قرۃ العین من البیضاوی والجلالین۔

۶۔ شواھد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق۔

۷۔ حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین۔

۸۔ انوار المحمدیہ مختصر المواھب اللدنیہ۔

۹۔ افضل الصلوٰت علیٰ سید السادات۔

۱۰۔ الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المؤمنین۔

۱۱۔ النظم البدیع فی مولد النبی الشفیع۔

۱۲۔ الھمزۃ الالفیہ فی مدح سید الانبیاء۔

۱۳۔الاحادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین۔

۱۴۔الاحادیث الاربعین فی امثالِ افصحِ العالمین۔

۱۵۔قصیدۃ سعادۃ المعاد فی موازنۃ بانت سعاد۔

۱۶۔مثال نعلہ الشریف۔

۱۷۔سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علیٰ سید الکونین۔

۱۸۔السابقات الجیاد فی مدح سید العباد۔

۱۹۔خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام۔

۲۰۔ھادی المرید الیٰ طرق الاسانید۔

۲۱۔الفضائل المحمدیۃ۔

۲۲۔الورد الشافی۔

۲۳۔المزدوجۃ الغرا فی الاستغاثۃ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۲۴۔المجموعۃ النبھانیۃ فی المدائح النبویۃ۔

۲۵۔نجوم المھتدین فی معجزاتہ والرد علی اعدائہ اخوان الشیاطین۔

۲۶۔ارشاد الحیاریٰ فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاریٰ۔

۲۷۔جامع الثناء۔

۲۸۔مفرح الکروب۔

۲۹۔جذب الاستغاثات۔

۳۰۔احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل۔

۳۱۔کتاب الاسماء فیما لسیدنا محمد من الاسماء۔

۳۲۔البرھان المسدّد فی اثبات نبوۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۳۔دلیل التجار الیٰ اخلاق الاخیار۔

۳۴۔الرحمۃ المھداۃ فی فضل الصلوٰۃ۔

۳۵۔حسن الشرعۃ فی مشروعیۃ صلوٰۃ الظھر بعد الجمعۃ۔

۳۶۔التحذیر من اتخاذ الصدر والتقدیر۔

۳۷۔تنبیہ الافکار لحکمہ اقبال الدنیا علی الکفار۔

۳۸۔سبیل النجاۃ۔

۳۹۔سعادۃ الانام فی اتباع دین الاسلام۔

۴۰۔القصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ۔

۴۱۔الرائیۃ الصغریٰ فی ذم البدعۃ و مدح السنۃ الغرا۔

۴۲۔اتحاف المسلم۔

۴۳۔تھذیب النفوس فی ترتیب دروس۔

۴۴۔جامع کرامات الاولیاء۔

۴۵۔اللعقود اللولویۃ فی المدائح النبویۃ۔

۴۶۔الاربعین من احادیث سید المرسلین۔

۴۷۔الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات۔

۴۸۔المبشرات۔

۴۹۔صلوٰت الثناء علیٰ سید الانبیاء۔

۵۰۔القول الحق فی مدح سید الخلق۔

۵۱۔الصلوات الالفیۃ فی الکمالات المحمدیہ۔

۵۲۔ریاض الجنہ فی اذکار الکتاب والسنہ۔

۵۳۔الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۵۴۔جامع الصلوات علی سید السادات۔

۵۵۔الشرف المؤبد لآل محمد۔

۵۶۔صلوات الاخیار علی النبی المختار۔

۵۷۔البشائر الایمانیۃ فی المبشرات المنامیۃ۔

۵۸۔کتاب البرزخ ۵۹۔کتاب الاذکار۔

علامہ موصوف کی تصانیف اکثر و بیشتر ارشاداتِ نبوی کے مجموعے اور فضائل و کمالاتِ مصطفوی کے ذخیرے ہیں۔ علمِ حدیث میں آپ کی نظر بہت وسیع ہے۔ بعض تصانیف ایسی بالغ نظری اور محققانہ شان سے مرتب فرمائی ہیں جن کی نظیر علمائے متاخرین کی تصانیف میں نظر نہیں آتی۔ یہ زورِ تحریر، وسعتِ نظر اور عشقِ رسول کے منہ بولتے لعل و گہر ہیں۔ قلمی نگارشات میں جامی کا سوز و گداز، سعدی کی

فصاحت و بلاغت، رومی کا فلسفہ حیات، سیوطی کی علمی جلالت، شیخ سرہندی کی جرأتِ رندانہ اور محقق دہلوی کا علمی تبحر اپنی جھلکیاں دکھا رہا ہے (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

یہاں ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ چودھویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء) کو رئیس المؤرخین منوانے کی مہم بڑے زور شور سے جاری ہوگئی تھی۔ بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے بعد بھی یہ ستم ظریفی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا کیونکہ اسکولوں اور کالجوں کے فیض یافتہ حضرات اس پروپیگنڈے کے مبلغ ہیں اور یہی حضرات حکومت کی مشینری کے پرزے بنا کرتے ہیں۔ موصوف کے دینی نظریات کی معمولی سی وضاحت پیشِ نظر کر کے قارئینِ کرام سے انصاف کا طلبگار ہوں۔

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں صاحب نعمانی (مولانا شبلی اعظم گڑھی) یہ بھی سر سید احمد خاں کے قدم بقدم ہی ہیں، سیرتِ نبوی لکھی ہے جس پر آج کل نیچری فریفتہ ہے" (1)۔

موصوف نے کتاب "سیرۃ النبی" کو نیچری حضرات کی پسندیدہ لکھا اور علامہ شبلی نعمانی کو سر سید احمد خاں صاحب (المتوفیٰ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء) کا مقلد بتایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ نیچریت اور سر سید کے بارے میں عالی جناب تھانوی صاحب کی رائے کیا ہے؟ اس امر کی انہوں نے یوں وضاحت فرمائی:۔

"یہ سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد، اعمال، صورت، سیرت سب بدل گئے اور دین بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ ان کی رفتار، گفتار، نشست و برخاست، خورد و نوش سب میں دہریت و نیچریت کا رنگ جھلکتا ہے اور ہندوستان میں نیچریت کا بیج سر سید کا بویا ہوا ہے" (2)۔

دوسرے مقام پر اسی سلسلے میں موصوف نے یوں اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے:۔

"اس شخص (سر سید احمد خاں) کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے، ایک بڑا گمراہی کا پھاٹک کھول گیا۔ اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوتے ہیں" (3)۔

1۔ الافاضات الیومیہ، جلد پنجم ص ۱۵۲
2۔ الافاضات الیومیہ جلد ششم ص ۹۸
3۔ الافاضات الیومیہ جلد پنجم ص ۸۴

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر اور دیوبندی جماعت کی ممتاز علمی ہستی، علامہ انور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء) نے علامہ شبلی نعمانی کے بارے میں یوں حکم شرع بیان کیا ہے:۔

وَاِنَّمَا اَرُدُّ عَلٰی اَعْیُنِ النَّاس اِذْ لَیْسَ مِنَ الدِّیْنِ اَنْ یُغْمَضَ عَنْ کَافِرٍ (1)۔

''میں اس (شبلی) کی بے دینی کا لوگوں کے سامنے رد اس لئے کرتا ہوں کہ دین میں کسی کافر کے کفر کو چھپانا جائز نہیں ہے''۔

جمعیۃ العلمائے ہند کے سابق صدر اور دیوبندی حضرات کے مفتی اعظم جناب مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوری دہلوی (المتوفی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء) نے علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) کے رد میں ایک طویل فتویٰ جاری کیا تھا جو پہلی دفعہ (۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء) میں تحفہ ہند پریس دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مذکورہ فتوے میں مفتی صاحب نے علامہ شبلی نعمانی کی مذہبی پوزیشن یوں واضح کی:۔

''جس باخبر شخص نے علامہ شبلی نعمانی کی تصانیف پڑھی ہیں، اس پر علامہ کے عقائد و خیالات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں............اصل یہ ہے کہ علامہ نے ''الکلام'' میں جن عقائد و خیالات کو صراحتہً یا کنایۃً حق مانا ہے وہ زیادہ تر معتزلہ اور فرقِ باطلہ اور ملحدین کے عقائد اور خیالات ہیں اس لئے ان کی تصنیفات کو دیکھ کر اہلِ اسلام کے ہر طبقہ کی مذہبی غیرت میں تموّج پیدا ہوا اور چاروں طرف سے علامہ کے خلاف صدا بلند ہوئی کہ علامہ اہلِ سنت و جماعت سے خارج اور معتزلہ اور ملاحدہ کے ہمنوا بلکہ چودھویں صدی میں ان کی یادگار ہیں لیکن (مولنا شبلی نعمانی) کو کبھی اس دارو گیر کی کچھ پرواہ نہ ہوئی اور وہ برابر اپنے خیالات و عقائد پر جمے رہے اور ان کی اشاعت کرتے رہے'' (2)۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور تصنیف ''الکلام'' میں عالم کے قدیم ہونے کی تصریح ان لفظوں میں کی ہے:۔

''ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عالم اجزائے ذی مقراطیسی سے بنا ہے۔ ہم کو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانوں کے ایک فرقہ معتزلہ اور حکمائے اسلام یعنی فارابی، ابن سینا اور ابنِ رشد کی رائے ہے'' (3)۔

1۔ مقدمہ مشکلات القرآن ص ۳۲

2۔ تواریخ مجددین حزب وہابیہ، مطبوعہ آرمی پریس کانپور، ص ۲۳ 3۔ الکلام، ص ۵۴

مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے موصوف کی مذکورہ عبارت پر اپنے فتوے میں یوں تنقید کی ہے:۔

''ناظرین غور فرمائیں کہ علامہ ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے عالم کے قدیم ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کو مسلمانوں کے فرقہ معتزلہ اور حکمائے اسلام (جن کو علامہ کا فتویٰ ملحد و زندیق بتا چکا ہے) فارابی، ابنِ سینا اور ابنِ رشد کی رائے بتاتے ہیں اور اس جہت سے عالم کو خالق کی ضرورت نہ ہونا مان کر صفحہ ۵۵ میں صرف نظامِ عالم قائم رکھنے اور قوانینِ فطرت کا باہمی ارتباط باقی رہنے کے لئے خدا کا وجود مانتے ہیں تو اس میں کیا شبہ رہا کہ علامہ کے نزدیک عالم اور مادہ قدیم ہے، خود علامہ کی تصریح سے بڑھ کر کس دلیل کی حاجت ہے؟ اب ان مقدمات کو اس طرح ترتیب دیجئے، علامہ قِدمِ عالم کو تسلیم کرتے ہیں اور جو قدمِ عالم کو تسلیم کرے وہ ملحد و زندیق ہے'' (1)۔

اس فتوے میں مفتی صاحب موصوف نے آگے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:۔

''رہا وجودِ باری کا اقرار، وہ بھی جیسا آگے چل کر معلوم ہوگا۔ علامہ صرف اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ اسے فطری بتاتے ہیں کہ نظامِ عالم میں ترتیب اور باہمی ارتباط قائم رہے نہ اس طور پر کہ خدا عالم کا خالق ہے اور عالم اس کی مخلوق ہے'' (2)۔

علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) کے عقائد و نظریات پر تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے جناب مفتی صاحب نے ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے چنانچہ موصوف یوں رقمطراز ہیں:۔

''ناظرین کو معلوم ہو چکا کہ علامہ کے نزدیک ابنِ رشد، ابنِ سینا، قفال، جو ان کے فتوے کے بموجب ملحد و زندیق قرار پا چکے ہیں، حکمائے اسلام ہیں اور یہی لوگ ان (علامہ شبلی نعمانی) کے علمِ کلام کے ماخذ ہیں اور یہ سب اہلِ سنت و جماعت سے خارج اور مدِ مقابل ہیں۔ علامہ ان کے عقائد میں متبع اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ باوجود اس کے اہلسنت و جماعت کی تعریف معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہے یا دانستہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا ہے اور دونوں صورتوں میں ان کی علمی قابلیت پر نہایت سخت دھبہ آتا ہے۔ پہلی صورت میں تو ظاہر ہے اور دوسری صورت میں اس لئے کہ جس کا علم اس کو دھوکہ بازی اور غلط بیانی سے نہ روکے وہ علمِ جہل سے بدتر ہے'' (3)۔

1۔ تواریخ مجددین حزب وہابیہ ص ۲۸، ۲۹

2۔ تواریخ مجددین حزب وہابیہ، ص ۳۱

3۔ تواریخ مجددین حزب وہابیہ ص ۳۱، ۳۲

علامہ شبلی نعمانی مصنفِ ''سیرۃ النبی'' کے عقائد ونظریات کیسے تھے؟ موصوف علمِ کلام میں کیسے لوگوں کی تقلید کرتے تھے اور علامہ کے بارے میں اکابرِ دیوبند کی رائے کیا ہے، یہ قارئینِ کرام نے گذشتہ سطور میں ملاحظہ فرمالیا لیکن اس کے برعکس اسلام کے اس بطلِ جلیل خلد آشیانی علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے امتِ محمدیہ کے مایہ ناز اکابر اور مسلم بزرگانِ دین کی تحقیقاتِ جلیلہ اور بیانات عالیہ سے اپنی مقبولِ بارگاہِ رسالت تصنیف ''جواہر البحار'' کی چاروں ضخیم جلدوں کو مزین کیا ہے، سرورِ کون ومکان ﷺ کے فضائل وکمالات سے متعلق جن بزرگوں کی نگارشات پر ''جواہر البحار'' کی جلد اول مشتمل ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ	المتوفی ۵۴۴ھ
۲۔ حکیم ترمذی علیہ الرحمۃ	المتوفی ۲۵۵ھ
۳۔ حافظ ابونعیم اصفہانی علیہ الرحمۃ	المتوفی ۴۳۰ھ
۴۔ امام ماوردی علیہ الرحمۃ	المتوفی ۴۵۰ھ
۵۔ امام محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ	المتوفی ۶۳۸ھ
۶۔ امام فخر الدین عمر الرازی علیہ الرحمۃ	المتوفی ۶۰۶ھ
۷۔ حضرت عمر بن فارض علیہ الرحمۃ	المتوفی ۶۳۲ھ
۸۔ سلطان العلماء عز بن عبد السلام علیہ الرحمۃ	المتوفی ۶۶۰ھ

حالات کا تقاضا ہے کہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)، امامِ ربانی حضرتِ مجددِ الفِ ثانی سرہندی (المتوفی ۱۰۳۴ھ)، خاتم المحققین حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ)، اعلحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) اور خلد مکانی علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم کی ان تصانیفِ عالیہ کو خاص طور پر زیورِ طباعت سے آراستہ کرکے منصۂ شہود پر لایا جائے جو فخرِ دو عالم ﷺ کے فضائل وکمالات کی ترجمان ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں برٹش گورنمنٹ کی شطرنج کے مہروں اور خارجیت کے جدید علمبرداروں کی بظاہر خوشنما، دلفریب اور جدید تصانیف کے ذریعے جو غیر اسلامی اور ایمان سوز جراثیم سرایت کرچکے ہیں ان کا کسی حد تک ازالہ ہوسکے یہ دینِ متین کی بیش بہا خدمت برادرانِ اسلام کی خیر خواہی اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حالات کی ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ ایک اسلامی ملک میں خارجیت کی علمبردار حکومت نے علامہ

بہانی کی تصانیف پر پابندی عائد کی ہوئی ہے کیونکہ یہ کتابیں محبتِ رسول کا درس دیتی ہیں۔ یہ نبی آخرالزمان ﷺ کے فضائل و کمالات بیان کرکے مسلمانوں کے ایمانوں کو تازگی، آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور پہنچاتی ہیں لیکن وہاں کے حکمران طبقے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ان حضرات کے دلوں کو توہین و تنقیصِ رسالت ہی سے تسکین ہوتی ہے۔ اس کے برعکس پاکستان میں بدمذہبوں کی کسی گندی سے گندی ایمان سوز اور دلآزار کتاب پر بھی پابندی نہیں۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ جن حضرات سے برٹش گورنمنٹ تخریب دین اور افتراقِ مسلمین کا منحوس کام لیتی رہی اور انہیں مسلمانوں کے خیرخواہ اور پیشوا منوانے کی مہم چلاتی رہی۔ آزاد ہونے کے بعد بھی ہم نے ایسے کھوٹے سکوں کو پہچاننے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ آج تک سکولوں اور کالجوں میں نونہالانِ وطن کو ایسے ہی لوگوں کی تصانیف پڑھاتے اور انہیں گرویدہ بلکہ والا وشیدا بنانے میں دنیا و آخرت کی بہتری کا کونسا راز سمجھا ہوا ہے؟ کیا ہمارے مسلم بزرگوں کی تصانیف نونہالانِ وطن کی تعلیم و تربیت اور ان کے دلوں اور دماغوں کی نشوونما کے لئے کافی نہیں ہیں؟ بزرگانِ دین کی عقیدت یہی ہے کہ تعظیم و توقیر کے ساتھ ان حضرات کا اتباع بھی کیا جائے، ان کی سچی تعلیمات سے استفادہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے اسی لئے تو باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾

"اے ایمان والو.................سچوں کے ساتھ رہو۔"

دوسرے مقام پر یہی حکم ان لفظوں میں دہرایا گیا ہے:۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

"اور اس کے طریقے پر چلو جو میری جانب رجوع لایا"۔

مالکِ حقیقی نے اپنی عنایتِ بے پایاں سے ہمیں حکم دیا ہے کہ تلاوت و وظائف کے علاوہ ہر نماز میں بھی معبود برحق سے یوں دعا مانگا کریں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

"چلا ہمیں سیدھے راستے پر، ان لوگوں کے راستے جن پر تیرا انعام ہوا"۔

اگر مسلمانوں کی نظر اس حکمِ خداوندی پر رہتی اور اپنے مسلم بزرگوں سے منسلک رہتے تو علمائے سوء کبھی اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہو سکتے اور وہ فرقہ بازی کا چکر چلا کر قوم کو اتنے گروہوں میں کبھی نہ بانٹ سکتے۔

جواہر البحار چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وکمالات پر عدیم النظیر تصنیف ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ یہ اس موضوع پر امت محمدیہ کے مایہ ناز اکابر کی تحقیقاتِ جلیلہ پر مشتمل ہے، عربی زبان میں ہونے کے باعث عوام الناس اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا انوار الاسلام صاحب قادری رضوی لائق تحسین ہیں جنہیں محبتِ رسول نے اس کی اشاعت پر آمادہ کیا اور انہوں نے اس ایمان افروز، باطل سوز تصنیف کے اردو ترجمے کا کام مولانا غلام رسول قادری رضوی مدظلہ العالی اور اس ناچیز سے لیا۔ احقر نے اس صحیفہ محبت کی روح کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام فروگزاشتوں سے ضرور مطلع فرمائیں گے۔ باری تعالیٰ شانہ اپنے عاجز بندوں کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور اسے ہمارے لئے توشہِ آخرت اور سرمایہ نجات بنائے، امین

يَا اِلٰهَ الْعٰلَمِيْنَ بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

خاکپائے علماء: عبدالحکیم خاں اختر
شاہجہانپوری، مجددی، مظہری
دارالمصنفین لاہور

یکم رجب المرجب ۱۳۹۴ھ / ۲۲ جولائی ۱۹۷۴ء

حرفِ آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o الَّذِیْ اِخْتَارَ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ وَاَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَجَعَلَ مِنْ جُمْلَۃِ اُمَّتِہِ الْاَنْبِیَاءَ وَالْمُرْسَلِیْنَ اِذَا اَخَذَ عَلَیْہِمُ الْمِیْثَاقَ بِالْاِیْمَانِ بِہٖ وَبِنُصْرَتِہٖ وَقَالَ اَشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشَّاہِدِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَہُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

''سب تعریفیں ایک اللہ کے لئے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے جس نے ساری مخلوق میں سے ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو برگزیدہ کیا اور انہیں سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور انبیاء و مرسلین تک کو ان کی امت کے زمرے میں شامل فرمایا کیونکہ جملہ انبیاء کرام سے ان پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا پکا وعدہ لیا اور فرمایا کہ ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ اور میں تم پر گواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر قیامت تک درود وسلام بھیجے اور سارے انبیاء پر اور ان کے بعد جملہ آل واصحاب پر اور جنہوں نے بخوبی ان کی پیروی کی''۔

امابعد شفاعت کے علمبردار، نبی آخر الزمان ﷺ کے فضائل و کمالات اور ان کے عظیم الشان منصب کی تشہیر میں یہ مجموعہ نادرِ روزگار ہے۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے محامد و محاسن جو کچھ کتاب و سنت اور ائمہ شریعت کی تصانیف عالیہ میں وارد ہوئے میں نے ان کا اکثر حصہ اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ یہاں آپ کے کتنے ہی معجزات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ شمار سے باہر ہیں۔ علاوہ بریں میں نے اپنی دوسری تصنیف (1) میں معجزات پر شرح وبسط سے لکھا ہے بایں ہمہ اس کتاب کو معجزات کے بیان سے بالکل خالی بھی نہیں رکھا کیونکہ ذکرِ معجزات سے نبوت کے دلائل واضح ہوتے ہیں اور یہ کتنی مفید بات ہے۔ اس مجموعے میں اکابر عارفین اور ائمہ دین کے اہم فوائد نقل کر کے اسے جواہر البحار فی فضائل النبی المختار کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

1۔ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کا اشارہ اپنی تصنیفِ لطیف ''حجۃ اللہ علی العالمین'' کی طرف ہے ۱۲ اختر شاہجہانپوری

اس لحاظ سے یہ کتنا مبارک مجموعہ ہے کہ اس میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتنے فضائل و کمالات بیان کئے ہیں جو اس شرح وبسط سے آج تک کسی تصنیف میں نہیں لکھے جا سکے۔ دریں ایام ایمان والوں کے لئے یہ بہت بڑا تحفہ ہے۔ علم وعرفان کے سمندروں سے بہترین جواہرات حاصل کر کے اس میں جمع کر دیئے ہیں جو اکابرِ امت نے آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور اپنے مشاہداتِ عرفانیہ سے حاصل کئے تھے۔ بزرگانِ دین نے آپ کے فضائل وکمالات کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی صحت وحقانیت میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ انہوں نے قرآن وحدیث اور کشفِ صریح کو ماخذ اور سند بنایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین کے بعد منصبِ رسالت کو حضرات اولیاء کرام زیادہ جانتے پہچانتے ہیں اُسی طرح جیسے وہ باقی کائنات سے بڑھ کر عارف باللہ ہوتے ہیں حالانکہ باری تعالیٰ شانہٗ کے مخصوص کمالات سے تو کوئی بھی متصف نہیں ہو سکتا۔

بزرگانِ دین کی غیر متعلق اور کتاب کے مزاج سے مناسبت نہ رکھنے والی عبارت کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ تصوف کی اصطلاحات پر مبنی ہیں اور ان کا سمجھنا ہم جیسے لوگوں کے بس کا روگ نہیں، نیز ان عبارتوں کو بھی چھوڑ دیا ہے جو اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے دقیق ہیں اور بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہیں اگرچہ حقیقت میں مخالف نہیں ہیں۔ ایسی اکثر عبارتیں فتوحاتِ مکیہ میں ہیں اور ان سے بھی زیادہ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ''انسانِ کامل'' اور کمالاتِ الٰہیہ میں موجود ہیں۔ ان کی بعض عبارتیں صوفیہ کے اس کلام سے بھی عجیب وغریب ہیں جن پر فقیر مطلع ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان پر اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور یہ گمان رکھیں کہ ان عبارتوں کا ظاہر مفہوم جو مخالفِ شرع معلوم ہوتا ہے وہ ہرگز ان کی مراد نہیں کیونکہ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام مناوی اور عارفِ نابلسی رحمۃ اللہ علیہما جیسے اکابر کی شہادتیں موجود ہیں کہ وہ منفرد عارف تھے۔

ایمان والوں کو یہ تصنیف (جواہر البحار) مبارک ہو یہ مجموعہ اپنی شان کے لحاظ سے عدیم النظیر ہے کیونکہ محاسن پر مشتمل اور ہر خیر وخوبی سے مزین ہے۔ اس میں فضائل نبویہ کے ایسے جواہر جمع کئے ہیں جو خوبصورت ہاروں کے موتیوں کو شرمندہ کرتے ہیں۔ حقائق وعرفان کے زخار سمندروں سے فضائلِ نبویہ کے روشن جواہر کا استخراج کیا ہے۔ اکابرینِ امت نے جو کچھ آپ کی تعریف وتوصیف میں لکھا اس کے عقلی ونقلی دلائل پیش کر کے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جو دل ودماغ کو روشن اور منور کرتے ہیں۔ ان حضرات نے فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وتوصیف اپنی اپنی معلومات کے تحت کی ہے حالانکہ

آپ کے فضائل وکمالات کی حقیقت کا ادراک کوئی انسان نہیں کرسکتا۔

اے طالبِ حقیقت! تیرے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے حبیب اور خلاصہ کائنات ہیں ان کے بارے میں جمیع منقولات کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اس کے بعد نبی آخر الزمان ﷺ کی تعریف وتوصیف میں جتنا تو چاہے مبالغہ کرسکتا ہے کیونکہ جتنے اوصافِ حسنہ سے وہ متصف ہیں تو مبالغے کے باوجود بھی انہیں بیان نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ امامِ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو غریقِ رحمت کرے جنہوں نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِي نَبِيِّهِمِ   وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

وَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ   وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ   حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

"نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعویٰ (الوہیت) کیا اسے چھوڑ کر جو چاہے حضور کی مدح وثنا کر اور سن۔

جس شرف کی چاہے ان کی ذات کی طرف نسبت کر اور ان کی شان کو جس عظمت سے چاہے منسوب کر کیونکہ فضائلِ سید المرسلین کی ایسی حد نہیں ہے جسے کوئی بیان کرسکے"۔ (اختر شاہجہانپوری)

جاننا چاہیے کہ بزرگانِ دین کی بعض عبارتوں میں آیات واحادیث اور معانی مذکورہ کا تکرار ہے۔ میں نے ایسی عبارتوں کو دو یا اس سے زیادہ مقامات پر اسی طرح رکھا ہے مثلاً ایک عبارت یہ ہے:

رُوْحُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ اُمُّ الْاَرْوَاحِ وَحَقِيْقَتُهٗ اَصْلُ الْحَقَائِقِ وَهُوَ اَبُوْ آدَمَ مِنْ حَيْثُ الرُّوْحِ وَآدَمُ اَبُوْهُ مِنْ حَيْثُ الْجِسْمِ وَهُوَ اَوَّلُ النَّبِيِّيْنَ فِي الْبُطُوْنِ وَخَاتَمُهُمْ فِي الظُّهُوْرِ وَهُوَ سُلْطَانُهُمُ الْاَعْظَمُ وَهُمْ نَوَابُهٗ فِيْمَنْ بُعِثُوْا اِلَيْهِمْ مِنَ الْاُمَمِ وَكُلُّهُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ لَوْ وَجَدُوْا فِيْ مُدَّتِهٖ لَكَانُوْا مِنْ جُمْلَةِ اُمَّتِهٖ (ص ۳)

"فخرِ دوعالم ﷺ کی روح مقدس ام الارواح اور آپ کی حقیقت جملہ حقائق کی اصل ہے۔ وہ روح کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کے بھی باپ ہیں اور جسم کے لحاظ سے آدم علیہ السلام آپ کے باپ ہیں آپ باطن کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے آخری، آپ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سلطانِ اعظم ہیں اور وہ آپ

کی ماتحتی میں گویا نواب ہیں جو اپنی اپنی امتوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اگر انبیائے کرام اپنے اپنے دورِ تبلیغ میں آپ کو ظاہری لحاظ سے پاتے تو امتِ وسطیٰ کے زمرے میں شامل ہوتے صلوات اللّٰہ علیہ و علیہم اجمعین''۔

یہ معانی ان لفظوں میں یا دوسرے الفاظ میں بار بار مذکور ہوئے ہیں تکرار کے باوجود میں نے ایسے مکررات کو حذف نہیں کیا کیونکہ ایسی حسین و جمیل عبارتوں کی صورت کو مسخ کرنا میں نے پسند نہ کیا اور ایسا کیونکر کرتا جب کہ یہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ کی حامل ہیں۔ ان میں شرف والے معانی اور مقدس اوصاف ہیں جن کا جتنا تکرار کیا جائے میٹھا اور خوشبودار معلوم ہوتا ہے جیسا کہ کسی ماہرِ فن شاعر نے کہا ہے ؎

اَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِكْرَهٗ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ

''امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بار بار ذکر کرو وہ مشک کی مانند ہے اسے جتنا بکھیریں خوشبو آتی ہے۔ (اختر)

اسی طرح جب اس کتاب میں جمع شدہ تمام جواہر حسن و خوبی والے ہیں، جو علم و عرفان کے سب سے بڑے سمندروں سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جن کا رنگ ایک جیسا ہے اور بعض کا موتیوں اور مرجان کے رنگوں کی مانند مختلف رنگ ہے، میں نے انہیں بغیر کسی ردوبدل کے شایانِ شان طریقے سے سجا دیا اور یہ پسند نہ کیا کہ ان میں میری جانب سے کوئی نقصان واقع ہو۔ اب وہ قارئین کے سامنے مختلف اسالیبِ بیان اور متعدد انداز سے صادر ہوں گے جو مختلف علمائے کرام اور اولیائے عظام کی زبانوں سے ظاہر ہوئے ہیں اس سے ایک دوسرے کی تصدیق ہو گی جس سے ایمان اور یقین کی زیادتی حاصل ہوتی ہے۔

علاوہ بریں یہ کتاب رسائل کا مجموعہ ہے اس میں ہر امام کا کلام جمع کیا ہے یا جو کچھ انہوں نے کسی دوسرے امام سے ذکر کیا ہو۔ اس طرح مختلف حضرات کا کلام ایک کتاب میں جمع ہو جانے سے عاشقِ رسول کی مراد پوری ہو جائے گی۔

اس کتاب میں بعض مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک بزرگ کا کلام نقل کرتے ہوئے مناسبت کے لحاظ سے کسی دوسرے بزرگ کی کوئی عبارت بھی نقل کر دی۔ اس اعتبار سے ہر ایک کی نگارشات مل کر ایک مستقل تصنیف بن گئی، یوں ایک کے کلام کو دوسرے کے لفظوں میں ادا کرنا تکرار نہیں کہلائے گا۔

ہاں بعض حضرات کے کلام میں تکرار ضرور ہے جیسے محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے کلام

میں نظر آئے گی، یہ ان کی نگارشات کا ایک باب کے تحت جمع ہونے کے باعث ہوا حالانکہ اس کتاب میں وہ متفرق ہیں، ایسا ابواب کی مناسبت سے کیا گیا ہے پس حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اس سے بری الذمہ ہیں اور یہ اعتراض مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

اے صاحبِ ایمان! حبیبِ خدا (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو بارگاہِ خداوندی میں جو اعلیٰ مقام حاصل ہے اور جس کا اولیاء اللہ نے علیٰ قدرِ مراتب مشاہدہ کیا ہے اس کے حسب حال اوصافِ عظیمہ کو مبالغہ نہ سمجھنا کیونکہ جو ہستی ساری کائنات سے ممتاز ہو یہ اوصاف اس کے منصب سے بڑھ کر نہیں ہیں حالانکہ وہ فخرِ آدم و بنی آدم ہیں۔ جملہ بندگانِ خدا کے سردار اور اللہ رب العزت کو سب سے پیارے ہیں(1)۔ اللہ جل شانہٗ کے سوا ان سے اوپر کوئی باکمال نہیں۔ ایسے اوصافِ عظیمہ اور کمالاتِ عالیہ کے باوجود وہ باری تعالیٰ شانہ کے مقدورات سے خارج نہیں ہیں۔ جملہ اہلِ ایمان کے نزدیک جو آپ کا مسلم مقام ہے۔ یہ سارے بیانات اسی رفعت کی تفصیلات و شروح ہیں۔ ان کی بنیاد ان مکاشفات اور مشاہدات پر بھی ہے جس کا ان اکابر نے مشاہدہ کیا جن کی ارواح دنیوی آلائش سے پاک ہو چکی تھیں پس انہوں نے چشمِ بصیرت سے ایسے بعض اسرار و انوار دیکھے جن کا ظاہری آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں اگرچہ ہم نے ان حضرات کو مشاہدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن اپنے مشاہدات کی بناء پر انہوں نے جو اعتقاد رکھا ہم بھی اسے درست تسلیم کر کے دولتِ ایمان میں ان کے برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔ شانِ رسالت کے بارے میں اکابر اولیاء اللہ کے معتقدات یہ ہیں:-

اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ خَلْقِ اللّٰهِ وَاَعْلَا هُمْ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّهُ النُّوْرُ الْاَعْظَمُ السَّارِیْ فِیْ جَمِيْعِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَالْاَصْلُ الْمُقَدَّمُ الَّذِیْ تَفَرَّعَتْ عَنْهُ جَمِيْعُ الْكَائِنَاتِ۔ (ص ۴)

''فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام سب سے بلند ہے آپ کا نور سارے انوار سے ممتاز اور جملہ موجودات میں جاری وساری ہے جو تمام افرادِ عالم کی اصل اور سب سے مقدم ہے جس سے ساری کائنات نے وجود کا لباس پہنا ہے''۔

ان مطالب پر عنقریب ان حضرات کے کلام میں عقلی و نقلی دلائل بیان ہوں گے جن سے دل باغ

1۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جتنا میرے خدا کو ہے میرا نبی عزیز
کونین میں کسی کو نہ ہو گا کوئی عزیز

باغ ہو جاتے ہیں اور جن کی نورانیت شمس وقمر سے بھی فائق ہے۔ جن حضرات کا کلام اس مجموعے میں منقول ہے وہ معرفت کے ماہتاب ہیں اور آفتابِ کمال سے اقتباس کرنے والے ہیں۔ احسان کے ایسے سمندر ہیں جو افضالِ نبوی کے فیض اور آپ کے محیط فضل سے استمداد کرتے رہتے ہیں پس ان بزرگوں نے جو کچھ فخر دوعالم ﷺ کی تعریف وتوصیف کی ہے چونکہ وہ آپ ہی کے فیضان سے ہے جو آپ کی جانب لوٹائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان حضرات کا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے مثلاً

كَالْبَحْرِ يَمْطُرُهُ السَّحَابُ وَمَا لَهُ مَنٌّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مِنْ مَائِهِ

"جیسے سمندر پر بادل برستا ہے لیکن بادل کا سمندر پر کوئی احسان نہیں کیونکہ یہ پانی تو اس کا اپنا ہے"۔ (۱۲اختر)

اکابر کے فرمودات جو اس مجموعے میں نقل کئے گئے ہیں ان کی ابتداء میں نے امام، محدث، محقق ابو الفضل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگارشات سے کی ہے جنہوں نے اپنی کتاب "کتاب الشفاء" تصنیف کے ذریعے بیماروں کو شفائے کاملہ سے ہمکنار کیا ہے اور اس میں اہلِ ایمان کے لئے حبیبِ پروردگار ﷺ کے محاسن ومحامد کے باغیچے لگائے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ فضائلِ رسول بیان کرنے میں یکتا اور ان کی تصنیف اپنے فن میں بے مثال ہے اور اس کے باعث انہیں اپنے بعد والوں پر فضیلت وفوقیت ہے غالباً انہیں بلحاظِ زمانہ بھی اولیت حاصل ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے علم وعرفان کی شہرت میں انگشت نمائی کی ہو۔ اکابر کے فرمودات نقل کرتے وقت میں نے فوائدِ حسنہ کی قلت وکثرت کا لحاظ نہیں رکھا اگر میں اس کا لحاظ رکھتا تو شیخِ اکبر و غوثِ زماں حضرت عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کو ان جملہ ائمہ کرام پر فوقیت دیتا حالانکہ ان تمام حضرات نے حبیب خدا ﷺ کے فضائل وکمالات بیان کرنے کی خدمت کا وافر حصہ پایا ہے۔ یہ علم کے سمندروں کے جواہرات سے اہلِ ایمان کے گوشِ ہوش مزین کرنے اور سید المرسلین علیہ افضل الصلاۃ واکمل التحیۃ کے محبین کی ارواح کو معطر کرنے کا وقت ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ فضائل و کمالاتِ محمدیہ کو زیادہ سے زیادہ نشر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان صاحبانِ علم وفضل پر بارانِ رحمت نازل فرمائے جو اسے قبولیت کی نظر سے دیکھیں نیز مجھے اور انہیں نام نہاد مدعیانِ اسلام کے شر سے مامون رکھے۔ اب میں اپنی منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہوتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ سرورِ کون ومکان ﷺ کے فضلِ اعظم سے استمداد کرنے والے سمندروں سے ایک، قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ) ہیں۔

امامِ کبیر و محدثِ شہیر

ابوالفضل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرمودات گرامی

مقامِ مصطفیٰ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ) کے جواہرِ فرمودات سے ان کی تصنیف ''کتاب الشفاء'' ہے۔اس کی القسم الاول نبی مصطفیٰ ﷺ کی سب سے بڑھ کر تعظیم وتوقیر اور آپ کی قولی وفعلی قدر ومنزلت پر مشتمل ہے، جس شخص کو علم وفہم سے تھوڑا سا بھی حصہ ملا ہو اس پر یہ امر مخفی نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس درجہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قابلِ تعظیم وتوقیر ٹھہرایا ہے اور ایسے بیشمار فضائل و کمالات اور محامد ومحاسن سے سرفراز فرمایا ہے جو صرف آپ ہی کا حصہ ہیں اور اس عظیم الشان منصب کے لحاظ سے آپ کی قدر ومنزلت بیان کرنے سے زبانیں اور قلمیں تھک کر رہ جاتی ہیں۔

فضائل مصطفیٰ سے بعض وہ امور جن کی باری تعالیٰ شانہ نے اپنی کتاب میں تصریح فرمائی ہے اور اس جلیل نصاب میں جن پر متنبہ فرمایا ہے اور جن آداب واخلاق پر آپ کی تعریف وتوصیف کی ہے اور اپنے بندوں کو ان کے التزام واتباع پر ابھارا ہے۔اللہ جل جلالہٗ نے اپنے اس فضل وکرم کے باعث ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری مخلوق سے مقدم وممتاز کیا۔پاک صاف فرمایا پھر آپ کی مدح وثناء کی اور کامل جزاء عنایت فرمائی کیونکہ باری تعالیٰ شانہ ہی اول وآخر فضل وکمال کا مالک ہے اور دنیا، آخرت میں اسی کی حمد وثنائے حقیقی ہے اور اسی نے اپنی مخلوق میں سے آپ کو جلالت وکمال کے انتہائی مقام پر فائز کیا اور محاسنِ جمیلہ واخلاقِ حمیدہ اور کرامت والے دین اور بے انتہاء فضائل سے آپ کو [illegible]یت بخشی۔ ظاہر معجزات، واضح براہین اور روشن کرامات سے آپ کی تائید فرمائی جس کا معاصرین نے مشاہدہ اور اہلِ علم نے ادراک کیا اور بعد والوں تک ان کا یقینی علم پہنچا جس کے باعث ان کی حقیقت پر مطلع ہو کر آپ کے انوار سے ہم بھی فائز ہوئے۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ شبِ اسریٰ میں نبی کریم ﷺ کے پاس لگام اور زین سمیت براق لایا گیا جو سواری کے وقت اچھلنے لگا تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ تو سرورِ کائنات ﷺ کے حضور میں ایسی حرکت کرتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو باری تعالیٰ شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہو۔یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب الشفاء کی القسم الاول کے پہلے باب میں اس امر کا تذکرہ

کیا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی مدح وثنا میں فرمایا اور باری تعالیٰ شانہ کے نزدیک جو سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت ہے اس کا اظہار کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ کلامِ الٰہی میں ایسی آیاتِ کثیرہ ہیں جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ جمیل پر مشتمل اور آپ کے محاسن ومحامد، تعظیمِ امر اور قدر ومنزلت کو بیان کرتی ہیں ہم ان کے ظاہری مفہوم ومطلب پر اعتماد رکھتے ہیں جو سباق وسیاق سے ظاہر ہے۔ ہم نے اس بیان کو دس فصلوں میں جمع کر دیا ہے، ہر فصل کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ پھر جو اس کے مناسب تھی وہ تفسیر اور مزید فوائد کا اضافہ کر دیا ہے۔ میں ان بیانات کو مفید اقتصار کے ساتھ مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔ سب سے پہلے اس آیت کا ذکر ہے جو باری تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ (توبہ:128)

”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان“۔

بعض نے اس اَنْفُسِكُمْ کی ”فا“ کو مفتوح پڑھا ہے جب کہ جمہور کی قرأت ضمہ کے ساتھ ہے۔

اس آیہ کریمہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو بتایا ہے کہ اس نے اپنے اس عظیم الشان رسول کو ان نفوس ہی میں مبعوث فرمایا ہے جسے وہ اچھی طرح جانتے اور اس کا مرتبہ پہچانتے ہیں۔ اس کی صداقت و امانت سے واقف ہیں اور اسے جھوٹ سے متہم نہیں کر سکتے، علاوہ بریں عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ولادت یا قرابت کا تعلق نہ ہو۔

اَنْفُسِكُمْ کی دوسری قرأت یعنی بفتح الفاء کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں شرف ورفعت وفضیلت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہیں، بھلا اس سے بڑھ کر خوبی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اوصافِ حمیدہ اور محامدِ کثیرہ کے ساتھ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کی جن میں سے ایک وصف یہ ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ لوگ رشد وہدایت سے بہرہ مند ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں اور ہر وہ بات آپ پر گراں گزرتی تھی جس میں ان کے لیے دنیا وآخرت میں خسارہ ہو، ایسی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور مسلمانوں پر آپ کی چشمِ عنایت اور نگاہِ مرحمت رہتی تھی۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ باری تعالیٰ شانہ نے اپنے

اسمائے حسنیٰ میں سے دو اسم یعنی ''رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' بھی اپنے محبوب ﷺ کو عنایت فرمائے ہیں مثلاً ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

(آل عمران:164)

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا''۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ:2)

''وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا''۔

ایک اور مقام پر ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ (بقرہ:151)

''جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول''۔

امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ نے من انفسکم کی تفسیر میں (1) حسب ونسب اور صہر یعنی سسرال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میرے آباء واجداد میں سے کوئی بھی زنا سے پیدا نہیں ہوا بلکہ سب نکاح کے ذریعے پیدا ہوئے۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی پانچ سو امہات کے حالات معلوم کیے لیکن کسی میں زنا اور جاہلیت کا کوئی اثر نہیں پایا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشادِ خداوندی و تقلبک فی الساجدین کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سرورِ کون و مکان ﷺ کا نور ایک نبی سے دوسرے نبی کی جانب منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ نبی مبعوث ہوئے۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر اپنی مخلوق کا اطاعت میں عجز ظاہر ہے، انہیں ان پر مطلع کرنا منظور تھا کہ وہ براہِ راست بارگاہِ خداوندی سے کسبِ کمال نہیں کر سکتے اس لئے باری تعالیٰ شانہ نے خالق ومخلوق کے درمیان ایک ایسی ہستی کو رکھا جو برزخِ کبریٰ کا کام دے۔ اسے انسانی شکل وصورت میں پیدا فرمایا لیکن اپنی حکمتِ کاملہ سے اسے رأفت ورحمت کا لباس پہنا کر مخلوق کی جانب اتے ابر ا کامل ومکمل نمائندہ بنا کر بھیجا کہ اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی موافقت کو اپنی موافقت ٹھہرایا، جیسا کہ خود فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (نساء:80)

1۔ پہلی تفسیر کے لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ میرا محبوب بلحاظ حسب ونسب اور صہر تم میں سے ہے لیکن دوسری تفسیر کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا محبوب حسب ونسب اور صہر کے اعتبار سے تم میں سب سے فضل وشرف والا۔ ۱۲

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیئے''۔

ابوبکر بن طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمت کی زینت سے مزین فرمایا اور آپ کو رحمت کا ایسا پتلا بنایا ہے جس کی جملہ عادات وصفات مخلوقِ خدا کے لئے بارانِ رحمتِ خداوندی ہیں۔ جسے اس سرکار سے تھوڑی سی بھی رحمت کی بھیک مل گئی وہ دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہوا یعنی ہر مصیبت سے نجات پا گیا اور دارین میں اپنی مراد کو پہنچے گا۔

جانِ برادر! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ باری تعالیٰ شانہ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾۔ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات وممات دونوں ہی رحمت ہیں۔ فرمانِ نبوی ہے کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا وصال فرمانا بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اسی کے مطابق فرمانِ رسالت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت فرمانا چاہتا تو اس کے ختم ہونے سے پہلے نبی کو قبض کر لیتا ہے تا کہ وہ امت کی بخشش کے لئے مقدمہ اور ذخیرہ بن جائے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ جنوں اور انسانوں کے لئے رحمت ہیں۔ کتنے ہی بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ آپ ساری مخلوق کے لئے رحمت ہیں۔ مؤمنوں کے لئے اس لحاظ سے رحمت ہیں کہ انہیں ہدایت آپ ہی کے سبب سے ملی، منافقوں کے لئے بایں وجہ رحمت ہیں کہ انہیں قتل سے امان ملی۔ کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں کہ آپ کے باعث ان سے عذاب مؤخر ہو گیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جملہ مومنوں اور کافروں کے لئے رحمت ہیں۔ قرونِ سابقہ میں اپنے انبیاء کو جھٹلانے والی امتوں پر جس طرح کے عذاب آئے اگر اسے پیشِ نظر رکھا جائے تو آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

حکایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے سوال کیا، کیا تمہیں بھی اس رحمت سے کوئی حصہ ملا ہے؟ جبریل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں اپنی عاقبت کے بارے میں بڑا خائف تھا لیکن اب میں مطمئن ہو گیا ہوں کیوں کہ باری تعالیٰ شانہ نے اپنے آخری پیغام میں میرے متعلق یوں فرمایا ہے:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ (التکویر)

B

"جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا، وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانتدار ہے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے"۔ (النور:35)

اَلْمَرَادُ بِالنُّوْرِ الثَّانِیْ هٰهُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَوْلُهٗ مَثَلُ نُوْرِهٖ اَیْ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ سَمَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِی الْقُرْاٰنِ فِیْ غَيْرِ هٰذِهِ الْمُوَاضِعِ نُوْرًا وَسِرَاجًا مُنِيْرًا۔ (ص ٦۔٧)

"مذکورہ آیت میں دوسرے نور سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ یعنی نورِ محمد ﷺ، اور اس آیت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر اپنے محبوب کو نور اور سراجِ منیر جیسے ناموں سے موسوم کیا ہے"۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ (مائدہ)

"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب"۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ (احزاب:46)

"بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر، خوشخبری اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب"۔

ایک مقام پر اسی سلسلے میں یوں فرمایا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ الی اخر السورۃ (الم نشرح:1)

"کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا"۔

یہاں سینے سے مراد قلب ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ کا شرحِ صدر اسلام کے ساتھ ہوا ہے۔ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نورِ رسالت کے ساتھ اور حضرتِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ

کے قلبِ اطہر کو علم و حکمت سے بھر دیا گیا۔

مذکورہ تقریر کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عظیم نعمتوں سے نوازا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کو بڑی قدر و منزلت حاصل ہے کیونکہ آپ کے قلبِ اطہر کو ایمان و ہدایت کے لئے کھول دیا، نیز علم کو محفوظ رکھنے اور حکمت کا متحمل ہونے کے لئے وسیع کر دیا گیا اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے امورِ جاہلیت وغیرہ کا بوجھ آپ سے دور کر دیا اور منصبِ نبوت و رسالت کی ذمہ داری سے آپ کو بخیر و خوبی عہدہ برآ کر دیا کیونکہ آپ نے احکاماتِ الٰہیہ پوری طرح لوگوں تک پہنچا دیئے تھے۔ اسی کے ساتھ باری تعالیٰ شانہٗ نے فخرِ دو عالم ﷺ کو عظیم منصب اور جلیل رتبے کے ساتھ ممتاز فرمایا اور آپ کے ذکر کو اس درجہ بلند کیا کہ آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔

حضرتِ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں ﷺ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں اس طرح بلند فرمایا کہ کوئی خطیب، شہادت دینے والا اور نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو یہ نہ کہے کہ: ”میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں۔“

حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، ارشادِ خداوندی ہے کہ جہاں میرا ذکر ہوگا وہیں تمہارا ذکر بھی ہوگا۔ یعنی پروردگارِ عالم نے اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو، اپنی اطاعت کے ساتھ آپ کی اطاعت کو اور اپنے نام کے ساتھ آپ کے نامِ نامی و اسمِ گرامی کو ملایا ہے“ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (محمد:33)

”اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو“۔

وَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء:136)

”اور ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر“۔

پس اِن دونوں اسمائے گرامی (اللہ و رسول) کو واوٴ عاطفہ سے ملایا ہے جو اشتراک کو چاہتی ہے اور

ایسا کلام حبیب خدا ﷺ کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (احزاب:45)

''اے غیب کی خبریں دینے والے نبی بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا''۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے رتبہ عالیہ کے نشانات اور کثیر اوصافِ مدح جمع فرما دیئے ہیں۔ امت تک احکاماتِ الٰہیہ پہنچانے کے باعث آپ کو ''شاہد'' ٹھہرایا اور یہ سرکارِ ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے، فرمانبرداروں کے لئے آپ ''مبشر'' اور نافرمانوں کے لئے ''نذیر'' بنائے گئے۔ توحید کا پرچار کرنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کا لوگوں کو درس دینے کے باعث ''داعی'' ہوئے اور دنیا والوں کو باطل کے اندھیرے سے حق کے اجالے میں لے جانے کے سبب ''سراجاً منیراً'' کہلانے کے حقدار ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتِ عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے شانِ مصطفیٰ ﷺ سے مطلع فرمائیں۔ بہت خوب، آپ کی صفات توریتِ مقدس میں مذکور ہوئیں جیسے قرآنِ کریم میں بعض اوصاف کا ذکر ہے مثلاً:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللَّهُ حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُفْتَحُ بِهِ أَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَقُلُوبًا غُلْفًا (ص ۷)

''اے غیب کی خبریں دینے والے نبی بیشک ہم نے تمہیں حاضر وناظر، جنت کی بشارت دینے والا، دوزخ کے عذاب سے ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم ان پڑھوں کی حفاظت کرنے والے میرے بندے اور رسول ہو۔ ہم نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے جو بد خلق، سخت اور بازاری آدمی نہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس وقت تک نہ اٹھائے گا جب تک کہ بگڑی ہوئی قوم میں تمہارے ذریعے سیدھی نہ ہو جائیں اور یہ اقرار نہ کرلیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور

اس کے ذریعے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور غافل دلوں کو کھول دیا جائے گا''۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ ابن اسحاق رضی اللہ عنہ مزید یوں فرماتے ہیں:

وَلَا صَخَبٌ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَامُتَزَیِّنٌ بِالْفُحْشِ وَلَا قَوَّالٌ لِلْغِنَاءِ اُسَدِّدُهٗ بِكُلِّ جَمِیْلٍ وَاَهِبُ لَهٗ كُلَّ خُلُقٍ كَرِیْمٍ وَاجْعَلُ السَّكِیْنَةَ لِبَاسَهٗ وَالْبِرَّ شِعَارَهٗ وَالتَّقْوٰی سَمِیْرَهٗ وَالْحِكْمَةَ مَقُوْلَهٗ اَلصِّدْقَ وَالْوِفَاءَ طَبِیْعَتَهٗ وَالْعَفْوَ وَالْمَعْرُوْفَ خُلُقَهٗ وَالْحَقَّ شَرِیْعَتَهٗ وَالْهُدٰی اِمَامَهٗ وَالْاِسْلَامَ مِلَّتَهٗ وَاَحْمَدَ اِسْمَهٗ اُهْدِیْ بِهٖ بَعْدَ الضَّلَالَةِ وَاُعَلِّمُ بِهٖ بَعْدَ جِهَالَةٍ وَاَرْفَعُ بِهٖ بَعْدَ الْجُمَالَةِ وَاُسْمِیْ بِهٖ بَعْدَ النَّكْرَةِ وَاُكْثِرُ بِهٖ بَعْدَ الْقِلَّةِ وَاُغْنِیْ بِهٖ بَعْدَ الْعَیْلَةِ وَاُجْمِعُ بِهٖ بَعْدَ الْفُرْقَةِ وَاُؤَلِّفُ بِهٖ بَیْنَ الْقُلُوْبِ مُخْتَلِفَةٍ وَاَهْوَاءٍ مُتَشَتِّتَةٍ وَاُمَمٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَاَجْعَلُ اُمَّتَهٗ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔

''نبی آخر الزمان ایسا نہیں ہوگا کہ بازاروں میں آوازیں بلند کرے اور فواحش کو طبعًا ناپسند فرمائے گا، یا وہ گوئی سے متنفر ہوگا۔ میں انہیں ہر خوبی سے آراستہ کروں گا اور انہیں اخلاقِ جمیلہ سے مزین کردوں گا۔ ان کا لباس سکینہ، ان کا طرزِ عمل بھلائی، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، صدق و وفا ان کی طبیعت، معاف کرنا اور حسنِ سلوک ان کی عادت، حق ان کی شریعت، ہدایت ان کا امام، اسلام ان کی ملت اور احمد ان کا نامِ نامی واسمِ گرامی ہوگا۔ میں ان کے ذریعے گمراہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم پستی کے بعد رفعت و ترقی، نکارت کے بعد شہرت، قلت کے بعد کثرت، کنگالی کے بعد غناء، جدائی کے بعد ملاپ پیدا کروں گا۔ ان کے ذریعہ مخالف دلوں، متفرق خواہشوں اور بکھری ہوئی قوموں کو اکٹھا کروں گا۔ ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر پیدا کروں گا جو بنی نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے ظاہر ہوگی''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان اوصافِ عالیہ کی خبر دی جو توریت میں مذکور تھے۔ اس میں ارشادِ خداوندی ہے کہ میرے اس بندے کا اسمِ گرامی احمدِ مختار ہے۔ ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ اور جائے ہجرت مدینہ منورہ ہے یا فرمایا طیبہ، ان کی امت ہر حال میں

اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد وثناء کرنے والی ہوگی جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آیہ کریمہ

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ (النساء:157) الآیۃ

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی''۔

میں خبر دی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ (آل عمران:159)

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے''۔

علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان جتلایا کہ اس نے ایمان والوں کے لئے اپنے آخری رسول کو سراپا رحیم بنایا جو ان کے ساتھ رحمدلی سے برتاؤ کرتے ہیں اور فرمایا کہ وہ اگر بدخلق اور سخت زبان ہوتے تو لوگ ان سے دور بھاگتے، کہ پروردگارِ عالم نے انہیں تو چشم پوشی کرنے والا، نرم، خندہ پیشانی والا نیک اور لطف وکرم فرمانے والا بنایا ہے۔ جن آیات میں باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے محبوب کی شانِ محبوبی دکھائی، لطف وکرم اور محبت بھرے لہجے میں ان سے خطاب فرمایا۔ ایسی بعض آیات پیش کی جاتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (توبہ:43)

''اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دیا''۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اکابر کا ارشاد ہے، جس طرح بزرگ اپنے عقیدت مندوں سے کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تیری اصلاح کرے، خدا تجھے عزت دے، باری تعالیٰ شانہٗ نے بھی اسی انداز میں اپنے محبوب ﷺ سے خطاب فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دیگر اقوال بھی نقل فرمائے ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ

''ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے''۔ (انعام:33)

فخرِ دوعالم ﷺ کے بعض خصائص اور باری تعالیٰ شانہٗ کی آپ پر خاص کرم نوازیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو نام لے کر پکارا مثلاً فرمایا اے آدم! اے نوح! اے

ابراہیم! اے داؤد! اے زکریا! اے یحییٰ! اے عیسیٰ! لیکن اپنے حبیب ﷺ کو یا ایھا الرسول، یاایھا النبی، یا ایھاالمزمل، یا ایھا المدثر جیسے پیارے پیارے القاب ہی سے مخاطب فرمایا، باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب کی عظیم قدرومنزلت کا اظہار فرمانے کی خاطر ان کی قسم یاد فرمائی چنانچہ قرانِ کریم میں ہے:۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ (الحجر:72)

"اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے میں بھٹک رہے ہیں"۔

جملہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں باری تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کی مدتِ حیات کی قسم یاد فرمائی ہے اس میں آپ کی بے نہایت تعظیم اور غایت درجہ شرف ومحبت کا اظہار ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے مکرم ومعزز اللہ تعالیٰ نے کوئی پیدا نہیں فرمایا۔ حضرت ابو الجوزاء فرماتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ چونکہ ساری کائنات میں سب سے بلند ہیں اسی لئے مالک حقیقی نے آپ کے سوا کسی دوسرے کی عمر کی قسم یاد نہیں فرمائی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ﴿۲﴾ (یٰسین)

"حکمت والے قرآن کی قسم"۔

علامہ نقاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنی کتاب میں کسی رسول کی رسالت پر قسم یاد نہیں فرمائی، ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ (الضحیٰ)

"چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کو جو کرامت ورفعت وعظمت عطا فرمائی ہے اس سورۂ مبارکہ میں اس کا چھ (1) وجہ سے اظہار فرمایا ہے جو حسبِ ذیل ہیں:۔

پہلی وجہ

اللہ تعالیٰ نے حالتِ محبوب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ یعنی دوپہر

1۔ اسی لئے مجددِ مأتہ حاضرہ مولانا الامام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے منکرینِ شانِ رسالت کی گوشمالی کے بارے میں یوں تلقین فرمائی ہے:

والضحیٰ، حجرات، الم نشرح سے پھر مومنو اتمامِ حجت کیجئے

جیسے روشن چہرے والے اور رات جیسی زلفوں والے محبوب کے رب کی قسم! اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت و کرامت غایت درجہ کی ہے۔

دوسری وجہ

دربارِ خداوندی میں جو آپ کا عالی منصب اور اعلیٰ درجہ ہے اسے بیان فرمادیا گیا کہ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۞ یعنی تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ بعض علمائے کرام نے اس کی تفسیر یوں بھی کی ہے کہ آپ کو ساری مخلوق میں سے چن لینے کے بعد بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔

تیسری وجہ

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۞ ابنِ اسحاق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ آخرت میں آپ کا مقام دنیاوی منصب سے اظہارِ کرامت و بزرگی کے سبب زیادہ معظم ہوگا۔ حضرتِ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شفاعت اور مقامِ محمود جو آپ کے لئے مخصوص فرمادیئے گئے ہیں، ان کے سبب دنیوی زندگی سے آپ کی اخروی زندگی زیادہ بہتر ہوگی۔

چوتھی وجہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۞ یہ آیتِ کریمہ وجوہِ کرامت، انواعِ سعادت اور دونوں جہانوں میں مختلف قسم کے انعاماتِ کثیرہ کی جامع ہے۔

ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ شانہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں کامیابی اور آخرت میں ثواب سے خوش کر دے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو حوضِ کوثر اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض شہزادوں سے روایت ہے کہ قرآنِ کریم کی اس آیت سے بڑھ کر دوسری کوئی آیت ڈھارس بندھانے والی نہیں ہے کیونکہ رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی بھی اگر دوزخ میں داخل کیا گیا تو آپ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔

پانچویں وجہ

اس سورت میں باری تعالیٰ شانہ نے اپنے ان انعامات اور لطف و کرم کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کئے، یہاں تک ان کا بیان ہے، اس سے آگے آپ کو اس عظیم الشان منصب تک پہنچانے اور آپ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دینے کا بیان ہے۔ نیز آپ کے پاس بظاہر مال نہ تھا (جیسا کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال دے کر یا آپ کے دل

کو اپنے ماسوائی سے مستغنی کر کے غنی بنا دیا۔ آپ کے والدین انتقال فرما گئے تو چچا (ابو طالب) کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مہربان کر دیا اور ان کے پاس جگہ دی۔

مقامِ غور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بچپن میں، ان کی بظاہر کس مپرسی اور یتیمی کے زمانے میں بے یار و مددگار نہ چھوڑا تو ساری مخلوق میں سے انہیں چن لینے اور اپنا حبیب ٹھہرا لینے کے بعد کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے؟

چھٹی وجہ

پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ جن انعامات سے تمہیں نوازا گیا ہے ان کا اظہار کرو اور جس عالی منصب پر تمہیں فائز کیا ہے لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت کر کے شکر گزاری کرو۔ اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞ فرمایا ہے کیونکہ تحدیثِ نعمت بھی شکر گزاری ہے اور یہ امر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص اور آپ کی امت کے لیے عام ہے۔

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کے اظہار میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۞ ...... لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۞ (النجم)

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے .... بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں"۔

یہ آیات فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے فضائل و کمالات بیان کر رہی ہیں جن کا تفصیلی شمار زبان و بیان کی طاقت سے باہر (1) ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کے ہادی ہونے کی قسم یاد فرمائی نیز نفسانی خواہشات سے پاک اور صدق و امانت سے مالا مال ہونے کا ذکر فرمایا جس کا خصوصی تعلق وحی الٰہی سے ہے جو جبریل علیہ السلام بارگاہِ خداوندی سے لاتے اور بتایا کہ وحی لانے والا جبریل امین بھی زبردست طاقت والا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فضیلت کا ذکر فرمایا جو آپ کو معراج و اسریٰ کے ذریعے عطا فرمائی اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا ذکر فرمایا اور دست قدرت کے جن کمالات و نشانات کا نگاہِ مصطفیٰ نے معائنہ کیا۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

اس واقعہ (معراج) کے ابتدائی حالات سورۃ اسرا کے شروع میں مذکور ہیں لیکن جو کچھ جبروت سے آپ پر منکشف ہوا اور عالم ملکوت کے جن عجائبات کا آپ نے مشاہدہ فرمایا، زبان و قلم ان کے

1۔ اسی لیے تو حضرت اختر الحامدی نے لکھا ہے

جب سورۂ والنجم کی ہوتی ہے تلاوت　　　آجاتی ہے محبوب مدینہ کی ادا یاد

احاطے سے قاصر ہے اور عقلیں ان کے ادنیٰ حال کو سننے اور سمجھنے سے عاجز ہیں اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا ذکر اشارے اور کنائے کے طور پر فرمایا، علاوہ بریں اس لیے کہ یہ تعظیم پر دلالت کرے بایں وجہ ارشادِ خداوندی ہوا:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ (النجم)

''اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی''۔

اس قسم کے کلام کو اہلِ زبان اور بلغاء، وحی اور اشارے سے موسوم کرتے ہیں اور ان کے نزدیک ایسا کلام ایجاز کے ابواب میں سب سے بلیغ شمار ہوتا ہے۔

ارشادِ خداوندی:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم)

''بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

اس وحیِ الٰہی کی تفصیل کو سمجھنے سے فہم عاجز اور آیات کبریٰ کی تعیین سے عقلیں حیران ہیں۔

ان آیات میں باری تعالیٰ شانہٗ نے بتایا ہے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کی ذاتِ مقدس کا علیٰ وجہ الکمال تزکیہ فرمایا اور اس سیر کی جملہ آفات سے آپ کو محفوظ و مامون رکھا، چنانچہ آپ کے دل، زبان اور دیگر اعضاء کے تزکیئے کا بھی ذکر بھی فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ (النجم)

''دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا''۔

اور زبانِ مصطفیٰ کے بارے میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ (النجم)

''وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے''۔

نگاہِ مصطفیٰ کا یوں تذکرہ فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (النجم)

''آنکھ نہ کسی طرف پھری، نہ حد سے بڑھی''۔

نیز فرمایا:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ ...... وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ (النجم)

''تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں .... قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں''۔

لَا اُقْسِمُ سے مراد ہے کہ میں قسم یاد فرماتا ہوں کہ یہ ممتاز پیغام رساں ہی کا کلام ہے جو باری تعالیٰ کے نزدیک منصب رفیع پر فائز ہے۔ وہ وحی الٰہی کو پہنچانے کی ذمہ داری کا بار اٹھانے کی پوری پوری طاقت رکھتا ہے اور اپنے رب کے حکم سے ایک اعلیٰ مقام پر رہتا ہے، سماوی مخلوق اس کی اطاعت گزار اور وحی کے معاملہ میں وہ انتہائی ذمہ دار اور امین ہے۔

علی بن عیسیٰ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ سے محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس ہی مراد ہے کیونکہ جتنے اوصاف کا یہاں بیان ہے وہ آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں، اس صورت میں یہ تمام اوصاف روح الامین کی طرف مراجعت کریں گے۔ وَلَقَدْ رَاٰہُ کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور دوسرا قول یہ کہ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل و صورت میں دیکھا۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِينٍ سے مراد یہ ہے کہ علومِ غیبیہ کے بارے میں آپ متہم نہیں ہیں۔ اگر اسے ضاد کی قرأت سے بِضَنِينٍ پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ احکامِ الٰہیہ کی تعلیم وتذکیر اور اپنے خداداد علومِ غیبیہ کے سلسلے میں بخل سے قطعاً کام نہیں لیتے اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ میں فخرِ دو عالم ﷺ کی صفت بیان فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ (قلم)

”قلم اور ان کے لکھے کی قسم“۔

ان آیات میں باری تعالیٰ شانہٗ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی پاک دامنی پر عظیم قسم یاد فرمائی ہے کیونکہ کفار آپ کی طرف ایسے عیوب کی نسبت کر کے تکذیب وتحقیر کیا کرتے تھے۔ رضائے محبوب کی خاطر یہاں حسنِ خطاب اور کمال محبت کا اظہار کرتے ہوئے ارشادِ خداوندی ہوا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم)

”تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہو“۔

یہ کلام بلحاظ مخاطبہ محبت سے انتہائی لبریز اور محاورے کی رو سے ادب و احترام کا آخری درجہ ہے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے ان دائمی نعمتوں اور غیر منقطع ثواب کا ذکر فرمایا جن سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ممتاز فرمایا ہے جو شمار سے باہر ہیں لیکن اس کے باوجود منعمِ حقیقی نے ان کے باعث اپنے محبوب پر احسان نہیں جتلایا بلکہ مزید مژدہ سنایا:

وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ (القلم)

''اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔''

پھر ان انعامات کے ذریعے آپ کی تعریف وتوصیف فرمائی جو آپ کو عطا کئے ہیں، اور عظمتِ محبوب کا مکمل اظہار فرمانے کی وجہ سے اسے دو حرفوں سے مؤکد کر کے فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴

''بے شک تمہاری خو بو (اخلاق) بڑی شان کی ہے''۔

اس کی تفسیر میں بعض فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم آپ کا اخلاق ہے جبکہ بعض نے اس کی تفسیر فطرتِ سلیمہ سے کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی منزلِ مقصود و مقصدِ حیات صرف معرفتِ الٰہی ہے واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے جس طرح انعاماتِ الٰہیہ کی قدر کی، اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی تعریف فرمائی اور اس کی شکر گزاری کے سبب آپ کو دوسروں پر فضیلت دی اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خلقِ عظیم کو آپ کی سرشت بنا دیا گیا۔

پاکی ہے اس محسنِ حقیقی کے لئے جو خود ہی لطف وکرم فرماتا ہے، احسان اور بخشش سے نوازتا، نیکی کو اپنے بندے کیلئے آسان کر کے اس کی جانب راغب کرتا ہے پھر نیکی کو اختیار کر لینے پر اپنے بندے کو بہتر جزاء عطا فرماتا ہے اور تعریف کرتا ہے۔ پاک اور قابلِ حمد وستائش ہے وہ ذات جس نے ان نعمتوں کو اتنا عام اور فضل وکرم کو اس درجہ وسیع کر دیا ہے۔ اس کے بعد ایفائے عہد کی آپ کو تسلی دی جیسا کہ وعدہ فرمایا ہے جو انجامِ کار آپ کی کامیابی اور کفار کے عذاب پر مبنی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۝۵ (القلم)

''عنقریب تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے''۔

یہ تین آیات ہیں جن کے متصل ہی آپ کی تعریف وتوصیف کے بعد دشمنِ مصطفیٰ کی مذمت اور اس کی بد خلقی مذکور ہوئی۔ بارگاہِ رسالت کے گستاخ کے عیوب بیان کر کے باری تعالیٰ شانہ نے اپنے محبوب کی مدد فرمائی اور آپ کے فضل وکمال کا اظہار فرمایا۔ اس مقام پر دس سے زیادہ بری عادتوں کے ساتھ اس گستاخ کی مذمت کی ہے۔ اس بیان کی ابتداء فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ سے ہوتی ہے اور انتہاء اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پر، پھر اس سلسلے کو اس کی بد بختی اور برے خاتمے کی سچی وعید پر ختم کیا چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے:۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶ (القلم)

''قریب ہے ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے''۔

باری تعالیٰ شانہ کا اپنے حبیب کی مدد کرنا، آپ کی خود مدد کرنے سے اہم واتم ہے اور اللہ رب العزت کا گستاخِ رسول کی تردید فرمانا خود آپ کے رد کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس سے آپ کے فضل وکمال کے دیوان میں ایک نرالے باب کا اضافہ ہوتا ہے، جن آیات سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کمال شفقت ومہربانی ثابت ہوتی ہے ان سے ایک آیت یہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ﴿٢﴾ (طٰہٰ)

''اے محبوب! ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑو''۔

اس آیتِ کریمہ کا نزول اس وقت ہوا جب فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری ساری رات قیام فرماتے اور شب بیداری کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے لکھا ہے کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پاؤں پر قیام فرماتے اور دوسرا اٹھالیا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے وحی نازل فرمائی کہ اے محبوب! زمین پر پوری طرح قرار پکڑو میں نے قرآنِ کریم کو اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

اس ارشادِ باری تعالیٰ سے اظہر من الشمس ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کا اعزاز وکرام کیسا ہے اور آپ کے حال پر ذاتِ باری تعالیٰ کا کس درجہ لطف وکرم ہے۔ اگر بقولِ بعض لفظِ طٰہٰ کو اسمائے مصطفیٰ سے شمار کیا جائے تو اس سے آپ کے حق میں ایک قسم کی فضیلت اور ثابت ہوتی ہے، اسی طرح کی شفقت ومہربانی فرمانے کے باب سے یہ آیت ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ...... الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ﴿٦﴾ (کہف)

''تو کہیں تم اپنی جان پر .... پر ایمان نہ لائیں''۔

بَاخِعٌ سے مراد قتل کرنا اور ہلاک کر ڈالنا ہے۔ مذکورۃ الصدر قسم کی آیات سے ایک آیتِ کریمہ یہ بھی ہے:

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ...... صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ﴿٩٧﴾ (الحجر) الی آخر السورۃ

''تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے...... دل تنگ ہوتے ہیں''۔ (آخر سورت تک)

یہ اس قسم کی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کمال شفقت کا

اظہار فرمایا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک آیتِ کریمہ یہ ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ....(انعام:10)

"اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ضرور ٹھٹھا کیا گیا..........."۔

امام مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے اور مشرکین کی جانب سے پہنچی ہوئی تکالیف کا بوجھ ہلکا کیا ہے آپ کو خبر دی ہے کہ جو تمہیں تکلیف پہنچانے سے باز نہیں آئے گا اسکے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو اگلی امتوں کے ساتھ کیا تھا اس قسم کی تسلی دوسری آیت میں یوں دی:۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ (فاطر:4)

"اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بے شک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے"۔

اسی کی مانند یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ ....سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ الذاریات)

"یونہی جب ان سے.....................جادوگر ہے یا دیوانہ"۔

امم سابقہ کا اپنے انبیاء کے ساتھ بدکلامی کرنا اور انہیں تکالیف دینا، یاد دلا کر باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب کو تسلی دی کہ کفارِ مکہ کی طرح سابقہ انبیاء کی قوموں نے بھی انہیں ایسی ہی تکالیف پہنچائی تھیں لہٰذا تمہارا ایسے مصائب و آلام سے دوچار ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد اپنے حبیب کو خوش کرنے اور عذر کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾ الذاریات)

"اے محبوب! تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ الزام نہیں"۔

یعنی ان سے اعراض فرمالیجئے اور احکامات کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ پر کسی کوتاہی کا الزام عائد نہیں ہوتا اسی کی مثل ایک آیتِ کریمہ اور ملاحظہ ہو:۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا..........(الطور:48)

"اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو"۔

یعنی کفار کی ایذا رسانی پر اپنے رب کے حکم سے صبر کرو کیونکہ تم اس عالی منصب پر فائز ہو کہ تمہاری دیکھ بھال اور مکمل حفاظت باری تعالیٰ شانہٗ کے ذمے ہے۔ ایسے مفہوم و مطالب پر مشتمل کتنی ہی آیات

ہیں اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری رسول کو ایذا رسانی کے حوصلہ شکن موقع پر تسلی دی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انبیائے ماسبق علیہم السلام سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب کی بلندی اور بلحاظ قدر و منزلت بزرگی کا متعدد مقامات پر اظہار فرمایا ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ .... مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ آل عمران)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا........ساتھ گواہوں میں ہوں''۔

ابوالحسن قالسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس فضیلت عظمیٰ سے ممتاز فرمایا ہے دیگر انبیائے کرام کو اس سے نہیں نوازا(1) جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے اور آپ کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے عہد لے کہ اگر وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پائے تو ان پر ایمان لانا ہوگا۔ بعض کہتے کہ انبیائے کرام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کر کے ان سے اس بات کا عہد لیتے رہا کریں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائل مصطفیٰ سے آگاہ کرتے اور حبیب پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے۔

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ کے مخاطب زمانہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ کتاب ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیائے کرام سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پائیں تو انہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور ان کی مدد کرنی ہوگی نیز اپنی اپنی امت سے بھی اس بات کا عہد لینا ہوگا۔ امام سدی اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسرے انبیائے کرام پر کئی وجہ سے فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (احزاب:7)

''اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے''۔

1۔ اسی لیے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

خلق سے انبیاء ، انبیاء سے رسل　　　اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ (النساء:163)

''ہم نے وحی کی نوح کی طرف''۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ گفتگو گریہ فرمایا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں گریہ وزاری کیسی جبکہ باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں آپ کو ایسا مقام رفیع حاصل ہے کہ اس نے آپ کو جملہ انبیاء سے بعد میں مبعوث فرمایا لیکن آپ کا ذکرِ خیر سب سے پہلے نشر فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (الآیۃ) میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی فضیلت اس درجہ ہے کہ جہنم میں عذاب پانے والے دوزخی بھی یہ خواہش کریں گے کہ انہوں نے فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہوتی(1) اور یوں پکاریں گے: يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں پیدائش میں جملہ انبیاء سے مقدم اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری ہوں''۔ اسی لیے مذکورہ بالا آیت میں آپ کا ذکر نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے پہلے فرمایا گیا ہے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ہمارے آقا کی دیگر انبیائے کرام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، اسی لیے تو آخری نبی ہونے کے باوجود آپ کا ذکر سب سے پہلے فرمایا گیا یعنی یہاں تقدیم بلحاظ تفضیل ہے بلحاظ زمانہ نہیں۔ یہ عہد باری تعالیٰ شانہٗ نے جملہ انبیائے کرام کو آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے چھوٹے چھوٹے ذروں کی شکل میں نکال کر لیا تھا۔ فضیلتِ مصطفیٰ کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا''۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ میں لفظ بَعْضَ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کیونکہ گروہِ انبیاء میں آپ ہی ایک ایسے فرد ہیں جو ساری بنی نوع

1۔ اسی لیے تو امام احمد رضا خاں بریلوی نے منکرینِ شانِ رسالت کو فہمائش کی ہے کہ:

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے ۔۔۔ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

انسان کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں۔ غنیمت صرف آپ کے لیے حلال قرار دی گئی، آپ کے ہاتھوں بے شمار معجزات کا ظہور ہوا نیز کوئی فضیلت اور کرامت ایسی نہیں کہ جو کسی نبی کو حاصل ہو مگر وہ آپ کو ضرور مرحمت فرمائی گئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں آپ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے اسمائے گرامی لیے گئے لیکن اپنے محبوب کو نبوت و رسالت کے ذریعے مخاطب فرمایا، جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنی سچی کتاب میں جا بجا یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ(1) اور یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ وغیرہ الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔ مزید ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:33)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو"۔

یعنی جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے تو اس شہر کو یہ شرف سب سے زیادہ حاصل تھا کیونکہ یہ برکت صرف آپ کے وجود کی ہے۔ جب وہ پناہِ بے کساں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرما گئے اور مکہ معظمہ میں تھوڑے سے مسلمان رہ گئے تو اپنے محبوب کے دامنِ رحمت سے وابستہ رہنے والوں کی تسکین کی خاطر ارحم الراحمین نے یہ مژدہ سنایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بھی عذاب سے محفوظ و مامون رکھے گا جب تک وہ گناہوں سے تائب ہوتے رہیں گے۔ آپ کے عظیم الشان منصب کی یہ آیت کریمہ بھی واضح نشان دہی کر رہی ہے اسی کے مثل یہ مژدہ جانفزا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سب جہانوں کے لیے"۔

فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں۔ بعض کا قول ہے کہ بدعات سے اور بعض فرماتے ہیں کہ اختلافات اور فتنوں سے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حبیب پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم یہ کائناتِ ارضی و سماوی کی امانِ اعظم ہیں۔ وصال کے بعد آپ کے نقوشِ قدم اصلاحِ عالم کے ضامن ہیں۔ آپ کے اسوۂ حسنہ اور سنتِ قائمہ سے روگردانی ہی مصائب اور فتنوں کو دعوت دینا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب)

- ی سے تو کہا ہے

یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب   یا ایھا النبی خطابِ محمد است

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صلوٰۃ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے ساتھ اپنے آخری نبی کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے بندوں کو آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا مطلق حکم دیا ہے۔ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ حکایتاً بیان کرتے ہیں کہ بعض علمائے کرام نے اس فرمانِ رسالت یعنی قُرَّۃُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوۃُ کی یہ تاویل بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جو مجھ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور یہ کہ قیامت تک میری امت کو مجھ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ فرشتوں کی اور ہماری صلوٰۃ ایک قسم کی دعا ہے اور باری تعالیٰ شانہٗ کی صلوٰۃ اپنے محبوب پر خاص بارانِ رحمت کے نزول کا نام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

"اور اگر ان پر زور باندھو تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے"۔ (تحریم:4)

یہاں مولیٰ کو ولی کے معنی میں سمجھنا چاہیے، یعنی اللہ آپ کا مددگار ہے۔ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ بعض کے نزدیک انبیائے کرام مراد ہیں، بعض کے نزدیک ملائکہ اور بعض کے نزدیک حضرات ابوبکر وعمر وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ...... يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (الفتح)

"بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی...... ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔

ان آیات نے فخرِ دوعالم ﷺ کی ایسی صفت وثنا بیان کی ہے اور بارگاہِ خداوندی میں آپ کا وہ مرتبہ ظاہر کیا گیا ہے نیز ایسی نرالی نوازشات کی خبر دی جن کی حقیقت کو بیان کرنے سے زبان وقلم عاجز ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان خصوصی نوازشات کا ذکر فرمایا جو سرورِ کون ومکاں ﷺ کی بعثت کے ساتھ مخصوص فرما دیے تھے نیز آپ کو دشمنوں پر غلبہ دینے، آپ کے جھنڈے بلند کرنے، آپ کی شریعتِ مطہرہ کو دیگر شرائع پر غالب رکھنے کا تذکرہ کیا نیز یہ کہ نبی آخرالزماں ﷺ ایسے مغفور ہیں جن سے کسی گزشتہ اور آئندہ بات پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ آپ کے ہر قول وفعل پر مغفرت کی مہر لگانا چاہتا ہے جو وقوع پذیر ہوا یا جس کے واقع ہونے کی نوبت آئی ہے نہ کبھی آئے گی۔ امام مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمانے کی خاطر مغفرت کو سبب قرار دے لیا ہے۔ پس ہر وہ شخص جس نے اللہ رب العزت کے سوا کسی دوسرے کو اپنا معبود نہیں ٹھہرایا وہ باری تعالیٰ شانہٗ کے اس دریائے فضل وکرم سے خوب سیراب ہوتا رہے گا۔

اس کے بعد باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا:

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (الفتح:2)

''اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے''۔

کہا جاتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے یہ انعام فرمایا کہ جن مشرکینِ مکہ کی گردنیں اکڑتی ہی جارہی تھیں، ایسے تمام متکبروں کو باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کے قدموں میں جھکا دیا۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مکہ مکرمہ اور طائف کی فتح مراد ہے جبکہ بعض یوں کہتے ہیں کہ اس نعمت سے مراد دنیا میں آپ کے ذکر کو بلند کرنا اور نصرت ومغفرت سے نوازنا ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾ (فتح:8)

''بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے محاسن وخصائص بیان فرمائے ہیں وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (دونوں زا) پڑھتے ہیں یعنی آپ کی غایت درجہ تعظیم وتوقیر کرو۔ بعض مفسرین اسے وُتُعَزِّزُوْهُ (دونوں زا) پڑھتے ہیں یعنی آپ کی سب سے زیادہ عزت کرو اور یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ منصب ومرتبہ صرف نبی آخر الزماں ﷺ ہی کو حاصل ہے اور یہ جو باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ وَتُسَبِّحُوْهُ تو اس کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجح ہے۔

حضرت ابن عطاء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ان بہت سی نعمتوں کا بیان ہے جن سے پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب کو نوازا۔ فتح مبین کا مژدہ سنایا جو اجابتِ دعا کی نشانی ہے۔ اتمامِ نعمت کی خوشخبری سنائی جس سے خاص الخاص منصب کی نشان دہی ہورہی ہے۔ ہدایت کا علمبردار بنایا جو دوستی کی نشانی ہے۔ مغفرت میں گناہوں سے پاکیزگی ہے، اتمامِ نعمت میں درجہ کاملہ تک پہنچانا اور ہدایت کے ذریعے مشاہدے کی جانب بلایا جانا ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتمامِ نعمت سے یہ مراد ہے کہ:

اِنَّ جَعَلَهٗ حَبِيْبَهٗ وَاَقْسَمَ بِحَيَاتِهٖ وَنَسَخَ بِهٖ شَرَائِعَ غَيْرِهٖ وَعُرِجَ بِهٖ اِلَى الْمُحَلِّ الْاَعْلٰى وَحَفِظَهٗ فِى الْمِعْرَاجِ حَتّٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى وَبَعَثَهٗ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ وَاَحَلَّ لَهٗ وَالْاُمَّتِهِ الْغَنَائِمَ وَجَعَلَهٗ شَفِيْعًا

مُشَفَّعًا وَسَيِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ وَقَرَنَ ذِكْرَهٗ بِذِكْرِهٖ وَرِضَاهُ بِرِضَاهِ اَحَدُ رُكْنَيِ التَّوْحِيْدِ۔ (ص ۱۳)

"اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کی حیات مبارک کی قسم کھائی اور آپ کی شریعت مطہرہ سے دیگر شرائع کو منسوخ کر دیا اور آپ کو بلند ترین مقام تک پہنچایا اور معراج میں آپ کی کمال حفاظت فرمائی یہاں تک کہ آپ نے کسی طرف آنکھ بھی نہ پھیری اور نہ آپ کی نظر حد سے بڑھی۔ آپ کو ہر سرخ و سفید یعنی جملہ بنی آدم کا نبی بنایا آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دیا۔ آپ کو گنہگاروں کی شفاعت کرنے والا اور شفاعت کا ماذون و مختار بنایا اور آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا آپ کو سردار بنایا اور آپ کے ذکر کو اپنے ذکر سے اور آپ کی رضا کو اپنی رضا سے ملایا اور آپ کو عقیدۂ توحید کا ایک رکن قرار دیا"۔

اسی سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (فتح:10)

"یعنی ان کا آپ سے بیعت کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے"۔

آگے فرمایا ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (فتح)

ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہونے سے بعض کے نزدیک قوتِ خداوندی، بعض کے نزدیک ثواب، بعض کے نزدیک احسان اور بعض کے نزدیک عہد مراد ہے۔ یہ استعارہ اور تجنیسِ کلام کے طور پر ہے۔ اس سے عقدِ بیعت کو مؤکد کرنا اور بیعت لینے والے کے منصب کی رفعت کا اظہار مقصود ہے۔ اسی قبیل سے باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ .... وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال:17)

"تم نے انہیں قتل نہ کیا .... بلکہ اللہ نے پھینکی"۔

اگرچہ بادی النظر میں یہ مجازی کلام معلوم ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے حقیقت پر مبنی ہے کہ فی الحقیقت قاتل و رامی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے کیونکہ افعالِ عباد کا خالق بھی تو وہی (1) ہے۔ کنکریاں

1۔ اس عقیدے میں مصنف تقویۃ الایمان اور ان کے متبعین نے سخت دھوکا کھایا ہے جو امکانِ کذب کے قائل ہو کر افعالِ عباد اور قدرتِ خداوندی کا باہم موازنہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ (اختر شاہجہان پوری)

اور مٹی پھینکنا بھی تو اسی کی قدرت و مشیت کے باعث ہوا ورنہ کسی انسان میں یہ ذاتی قدرت و طاقت کہاں کہ کنکریوں اور مٹی کو اتنی دور پہنچا دے یہاں تک کہ کوئی مقابلے پر آنے والا کافر ایسا نہ بچے جس کی آنکھیں غبار آلود نہ ہو گئی ہوں۔

اللہ جل شانہٗ نے اپنی کتابِ عزیز میں اپنے حبیب ﷺ کے فضائل و کمالات اور منصب و خصائص کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے جس سے بارگاہِ خداوندی میں آپ کے قرب و منزلت کا پتہ لگتا ہے۔ جن کمالات کے ذریعے باری تعالیٰ شانہٗ نے اس فخرِ آدم و بنی آدم علیہ السلام کو خاص فرمایا ہے ان میں ایک واقعہ معراج و اسرا بھی ہے۔ جس کا سورہ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی اور سورہ وَالنَّجۡم میں بیان فرمایا ہے۔ وہاں آپ کے مرتبے کی بلندی، قربِ الٰہی اور عجیب و غریب مشاہدات کا ذکر ہے۔

فخرِ دو عالم ﷺ کی خصوصیات سے ایک امر یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرما لیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (مائدہ:67)

”اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے“۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے:

وَاِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا (انفال:30)

”اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے“۔

اسی سلسلے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے:

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ.......... (توبہ:40)

”اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی“۔

اس مٹی پھینکنے کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ شانہٗ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے آپ سے اس اذیت کو کیسے دور فرمایا جبکہ مشرکینِ مکہ نے خفیہ مشورہ کر کے اپنے دارالندوہ کے پروگرام کے مطابق ایک رات محبوبِ پروردگار کے دولت خانے کا محاصرہ کر لیا تھا تا کہ اپنی ناپاک پھونکوں سے مشعلِ نورِ الٰہی کو بجھا دیں۔ وہ بانِ جہاں جب درِ دولت سے تشریف لے جاتے ہیں اور جب غارِ ثور میں آرام فرما ہوتے ہیں تو حفاظت کا یہ محیر العقول منظر سامنے آتا ہے کہ دشمن آپ کو دیکھنے سے غافل بلکہ اندھے ہو کر رہ گئے (1) اور مدینہ منورہ کی جانب تشریف لے جاتے وقت آپ سے جن

1۔ دشمنانِ مصطفیٰ کی اس کیفیت کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے یوں بیان فرمایا ہے:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں   دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

معجزات کا ظہور ہوا نیز اس سراپا ناز پر سکینہ کا نازل ہونا، ساتھ ہی سراقہ بن مالک کا واقعہ پیش آنا ایسے واقعات ہیں جنہیں محدثین اور مؤرخ حضرات غار اور ہجرت کے واقعات میں بیان کرتے آئے ہیں۔اپنے حبیب ﷺ کے منصب عالی کی تشہیر میں یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہوا:

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١ .... هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝٣ (الکوثر)

”اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں............وہی ہر خیر سے محروم ہے“۔

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلع فرمایا ہے کہ انہیں کیا کچھ عطا فرمایا گیا ہے۔کوثر جنت میں ایک نہر ہے اور اس لفظ کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔اپنے خاص انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد باری تعالیٰ شانہٗ نے دشمنِ مصطفیٰ کی نازیبا گفتگو کا جواب دیا اور اپنے حبیب کو تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ محبوب! تمہارا دشمن ہی نسل بریدہ ہے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ سے بغض وعداوت رکھنے والے کی نسل منقطع ہو جاتی ہے، وہ ذلت وخواری اور کسمپرسی کی اسی کیفیت میں مبتلا ہو کر رہتا ہے جس میں کوئی خیر وخوبی نہیں ہوتی۔اسی سلسلے میں خالقِ کائنات جل جلالہٗ نے اپنے آخری پیغام میں مخلوق کو مقامِ مصطفیٰ سے یوں مطلع فرمایا ہے:

وَلَقَدْ ءَاتَيْنَٰكَ سَبْعًا مِّنَ ٱلْمَثَانِى وَٱلْقُرْءَانَ ٱلْعَظِيمَ ۝٨٧ (الحجر:87)

”اور بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن“۔

کہا گیا کہ سبع مثانی سے قرآن کریم کی وہ اولین سورتیں مراد ہیں جو طوالِ مفصل کہلاتی ہیں اور یہ بھی قول ہے کہ سبع مثانی سے ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ اور الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ سے باقی قرانِ کریم مراد ہے اسی سلسلے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے:

وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا:28)

”اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا“۔

اپنے حبیب ﷺ کے منصب کی تشہیر میں منعم حقیقی کا فرمان ہے:

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف:158)

”تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں.........“

یہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کی خصوصیات سے ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط (ابراہیم:4)

یعنی دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا لیکن نبی آخر الزمان، امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ساری مخلوق کی جانب مبعوث فرمایا گیا جیسا کہ آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے ہر سرخ و سیاہ یعنی ہر گورے اور کالے کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے فضیلت مصطفیٰ کی نشر و اشاعت میں یہ فرمان الٰہی بھی ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط (احزاب:6)

''یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں''۔

اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ کی تفسیر میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان مسلمانوں میں اسی طرح نافذ العمل ہے جیسے ایک آقا کا حکم غلام پر جاری ہوتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی پیروی کرنا نفس کی مرضی پوری کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو حرمت میں ماؤں کی طرح قرار دیا گیا اور آپ کے پردہ فرمانے کے بعد مسلمانوں پر ان سے نکاح حرام قرار دیا گیا کیونکہ دوسرے کا ان سے نکاح کرنا ناموس مصطفیٰ کے منافی ہے نیز وہ آخرت میں حبیب پروردگار (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی کی بیویاں ہوں گی اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾

''اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فضل عظیم سے منصب نبوت مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جو اول روز آپ کو مرحمت فرمایا گیا وہ مراد ہے۔ علامہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس میں اپنی رؤیت کی جانب اشارہ ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام برداشت نہیں کر سکے تھے۔

فطری محاسن و اخلاقی کمالات

قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضائل و کمالات نبوی کے جواہرات لٹاتے ہوئے اپنی تصنیفِ لطیف کتاب الشفاء کے دوسرے باب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقی اور فطری محاسن و کمالات بیان فرمائے

ہیں، جن کی تکمیل اللہ جل شانہ نے آپ کے ذریعے فرمائی ہے کیونکہ پروردِگار عالم نے تمام دینی اور دنیاوی فضائل وکمالات کو ذاتِ مصطفوی سے منسلک کر دیا ہے(1)۔

نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کی محبت کا دم بھرنے والوں کو معلوم ہونا چاہئے جو اپنے آقا کی اجمالی قدر و منزلت کی تفصیل کے خواہاں ہیں کہ جلال وکمال کے خصائل آدمی میں دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) ضروری و دنیاوی جس کا انسانی جبلت اور دنیوی حیات تقاضا کرتی ہے۔ (۲) اکتسابی دینی، جس کے باعث فاعل کی تعریف کی جاتی ہے اور اسے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ اول الذکر کی مزید دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو دونوں قسم کے اوصاف میں سے ایک کے ساتھ خاص ہو اور دوسری وہ جو دونوں میں مشترک ہو۔ ضروری محض وہ ہے جس میں انسان کے کسب و اختیار کا کوئی دخل نہ ہو۔ جیسے حبیبِ پروردگار کی جبلت کریمہ میں کمال خلقت اور حسن و جمال کے ساتھ قوتِ عقل، صحت فہم، فصاحتِ زبان و بیان، قوتِ حواس و اعضاء، اعتدالِ حرکات، شرافتِ نسب، قومی اعزاز اور وطن عزیز کا عزو شرف وغیرہ اور آپ کی ضروریات زندگی کا شمار بھی کمالاتِ مصطفوی میں ہوتا ہے یعنی آپ کی غذا، نیند، لباس پہننا، سکونت پذیر ہونا، نکاح کرنا نیز مال اور جاہ وجلال کا ہونا۔ ان مؤخر الذکر خصائل کا تعلق اخروی حیات کی بہتری سے ہو جاتا ہے جبکہ سلوک وطریقت کے طور پر ان سے تقویٰ وطہارت اور اعانتِ بدن کا قصد کیا جائے۔ ان میں ضرورت کے مطابق نہیں بڑھا جاتا بلکہ قوانینِ شریعت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

وہ اکتسابی خصائل جو آخرت میں کام آتے ہیں ان کا تعلق اخلاقِ عالیہ حسنہ اور آداب شرعیہ دینیہ سے ہے اور علم، حلم، صبر، شکر، عدل و انصاف، زہد وقناعت، انکساری، عفو ودرگزر، عفت، سخاوت، حیا، مروت، خاموشی، محبت، وقار، مہربانی، حسن ادب، حسنِ معاشرت اور ان جیسے دوسرے کمالات کا پایا جانا حسنِ اخلاق کی دلیل ہے اور ان میں وہ نیک اطوار بھی شامل ہیں جو بعض لوگوں کو پیدائشی طور پر حاصل ہوتے اور ان کی فطرتِ ثانیہ یا جبلت معلوم ہوتے ہیں جبکہ دوسرے کے کسب کو ان کمالات کے حصول میں دخل ہوتا ہے لیکن جبلت کے خمیر میں ان عادات کے بعض اصولوں کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔ ان تمام اخلاق و عادات کو ہمیشہ ہر صاحب عقل ودانش نے محاسن وفضائل شمار کیا ہے لیکن یہ عمدہ عادتیں بھی اس وقت دنیاوی اور غیر مفید ہو کر رہ جاتی ہیں جبکہ انہیں رضائے الٰہی اور آخرت کی بہتری کے لیے اختیار نہ کیا گیا ہو۔

کمال و جمال کے جن خصائل و عادات کا اوپر ذکر ہوا ہے، اگر کسی بھی زمانے میں، ان سے کسی

1۔ اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری! بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

شخص کے اندر ایسی ایک یا دو خوبیاں پائی جائیں مثلاً کسی کو نسب، جمال، قوت، علم، حلم، شجاعت وغیرہ میں کوئی امتیاز حاصل ہو تو ایسا شخص قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کا نام مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور دلوں میں اس کی عزت و عظمت سرایت کر جاتی ہے اور مدتوں اس کا نام روشن رہتا ہے۔ اے صاحبِ عقل و دانش! تیرا اس ہستی کی قدر و منزلت کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے اخلاق کریمہ اور جبلت حسنہ میں پسندیدہ عادتیں اس کثرت سے پائی جائیں کہ انہیں شمار کرنے سے عدد عاجز اور زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں(1)۔ ساتھ ہی وہ کمال کے اس درجے پر ہوں کہ کسب و حیلہ کے ذریعے ان کمالات کا حصول ناممکن ہو، ہاں خدائے بزرگ و بخشندہ کی خاص کرم نوازی کا معاملہ اور ہے۔

مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کے فضائل، خُلت، محبوبیت، اصطفاء، اسراء، رؤیتِ باری تعالیٰ، دنو، وحی، شفاعتِ گنہگاراں، وسیلہ، درجہ رفیع الشان، مقام محمود، براق، معراج، ساری کائنات کی طرف بعثت، انبیاء کے ساتھ (امام بن کر) نماز پڑھنا، انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے درمیان شاہد ہونا، بنی آدم کی سرداری، لواء الحمد، بشارت و نذارت، مالک عرش و فرش کے نزدیک منصب، اطاعت، امانت، ہدایت، ہر فرد مخلوقات کے لئے رحمت، رضا کا عطیہ، سوال، حوضِ کوثر، کلامِ الٰہی کا سننا، اتمامِ نعمت، اگلوں اور پچھلوں کی فروگزاشتوں کی معافی، شرحِ صدر، سہولتِ فرائض، رفعِ ذکر، تائیدِ خداوندی کا اعزاز، نزولِ سکینہ، ملائکہ کی امداد، کتاب و حکمت اور سبع مثانی و القرآن العظیم ملنا، امت کا تزکیہ، مخلوق کو خالق کی طرف بلانا، اللہ اور فرشتوں کا صلوٰۃ بھیجنا، لوگوں کے درمیان حکم الٰہی سے حاکم و منصف ہونا، اگلی امتوں والی سختیوں اور تکلیفوں کو اس امت سے ہٹانا، آپ کے اسم مبارک کی قسم، اجابتِ دعا، آپ کا جمادات سے کلام کرنا حالانکہ وہ زبان سے محروم ہیں، مردوں کو زندہ کرنا، بہروں کو سنانا، انگلیوں کے اندر سے پانی کے چشمے بہا دینا، تھوڑے طعام کو زیادہ کر دینا، چاند کو شق کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، قلبِ اعیان، رعب کے ذریعے مدد کیے گئے، غیوب پر اطلاع، ابر کا سایہ کرنا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، رنج والم کو دور فرمانا، آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنا وغیرہ ایسے کمالات ہیں جن کا کوئی محفل بھی احاطہ نہیں کر سکتی کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ کے سوا کسی میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ

1۔ اسی لیے تو مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی نے کہا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

کمالات مصطفوی کا احاطہ کر سکے (1)۔ علاوہ بریں جو اللہ رب العزت نے اگلے جہان میں شایانِ شان منازل، مقدس درجات اور سعادت و خوبی کے مراتب اس کثرت سے اپنے حبیب ﷺ کے لیے مخصوص فرمائے ہیں جن کا احاطہ عقل کی حد سے باہر ہے بلکہ یہاں تو مُرغانِ وہم وگمان کے بھی پَر جل جاتے ہیں۔

اگر تو کہے، اللہ تعالیٰ تجھے سرفراز فرمائے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ قدر ومنزلت اور عزت وعظمت کے لحاظ سے دارین میں سب سے ممتاز ہیں جیسا کہ اس کے دلائل وشواہد اظہر من الشمس ہیں اور اس امر کا اجمالی بیان بڑے خوب صورت انداز میں ہو چکا اور خواہشمند ہے کہ تفصیلی بیانات (2) پر مطلع ہو کر اپنی کشتِ ایمان کو سیراب اور گلشنِ دین کو بہاروں سے ہم آغوش کرے تو اے طالبِ صادق! اللہ تعالیٰ تیرے اور ہمارے دلوں کو منور فرمائے اور عشقِ مصطفیٰ کی جتنی دولت ہمیں نصیب ہوئی ہے اس سے بدرجہا زیادہ اور عطا فرمائے۔

جاننا چاہیے کہ حبیبِ خدا ﷺ کے محاسن عالیہ ایسے ہیں جن میں کسب کو قطعاً دخل نہیں بلکہ وہ آپ کی جبلت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ مقدسہ میں فطری محاسن وکمالات اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ کوئی کمال اس احاطے سے باہر نہیں رہا۔ بے شمار احادیث میں جو آپ کے حسن وجمال کا چرچا ہے ان کی صحت میں کلام نہیں بلکہ بعض اخبار وآثار تو صحت سے قطعیت اور وہاں سے حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ کے حسن وجمال اور تناسب اعضاء کے بیان میں آثارِ صحیحہ، کثیرہ، مشہورہ وارد ہیں۔ ایسی احادیث حضرت علی اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کا رنگ اجلا تھا، آنکھیں سیاہ، گہری اور قدرے سرخی مائل تھیں۔ رنگ ایسا سفید تھا جو سرخی کی جانب مائل ہو۔ آنکھوں کے بال لمبے تھے۔ دونوں حاجب جدا اور لمبائی میں ان پر باریک بال تھے۔ ناک لمبی اور منور تھی۔ سامنے والے دانت ایک دوسرے سے جدا تھے۔ چہرہ کسی قدر گول، پیشانی کشادہ، ریش مبارک بھاری جو سینہ اقدس کو ڈھانپ لیتی تھی۔ سینہ اور شکم مبارک برابر رہتے تھے۔ صدرِ انور کشادہ، بڑے جوڑ، موٹے بازو، کلائیاں اور پنڈلیاں بھاری، ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں موٹی اور لمبی تھیں۔ جسم پر بال بہت کم تھے۔ سینہ فیض گنجینہ سے ناف تک

1۔ خاتم المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ　　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

2۔ جنت کی بیداری کے ایسے ہی مواقع کے بارے میں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے وضاحت فرمائی ہے کہ: ؎

باغ عرب کا سروِ ناز، دیکھ لیا ہے ورنہ آج　　　قمریٔ جانِ غمزدہ، گونج کے چہچہائی کیوں

بالوں کی ہلکی سی دھاری تھی۔ میانہ قد یعنی نہ زیادہ لمبے نہ بہت چھوٹے۔ لیکن لمبے قد والا آدمی بھی آپ کے برابر چلتا تو اونچے آپ ہی معلوم ہوتے۔ بال شکن دار تھے۔ جب تبسم فرماتے تو بجلی کی روشنی یا بادلوں کی چمک کی طرح دہن مبارک کھلتا اور جب کلام فرماتے تو سامنے والے اوپر اور نیچے کے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ حسین ترین گردن تھی جو زیادہ لمبی یا بہت چھوٹی نہ تھی۔ آپ زیادہ فربہ نہ تھے۔ چہرہ پرنور بالکل گول نہ تھا۔ جسم پھرتیلا اور کم گوشت تھا (صلی اللہ علیک یا صاحب الجمال و الکمال)

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کانوں کی لَو تک بال رکھنے والے کسی شخص کو سرخ لکیروں والی چادر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا خوب صورت نہیں دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے کسی کو تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حسین نہیں دیکھا۔ آپ کی جانب دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا جیسے سورج کی شعاعیں اس چہرہ پرنور میں تیر رہی ہیں (1) اور تبسم فرماتے تو سامنے کے در و دیوار منور ہو جاتے تھے (2)۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ شمس و قمر جیسا نورانی اور گولائی کی جانب مائل تھا۔

حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کے اوصافِ عالیہ کا کیا ٹھکانا؟ اگر آپ کو دور سے یا قریب سے دیکھتے ہر حالت میں حسین و جمیل ہی نظر آتے تھے۔ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ حضرت علی نے آپ کی مدح و ثنا کرتے ہوئے آخری وصف یہ بیان کیا کہ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا وہ ڈر جاتا اور جو ملتا جلتا رہتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور آپ کے اوصاف بیان کرنے والا یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا حسین و جمیل نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں ہی ایسا کوئی نظر آیا ہے۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اطہر کی نظافت، ریح اور پسینے کی خوشبو اور غلاظت سے پاکیزگی اور عوراتِ جسمانی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جو کسی اور کو عطا نہیں فرمائی گئیں

1۔ اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں اے جانِ جاں! میں جانِ تجلی کہوں تجھے

2۔ اسی لیے تو ہر مومن بارگاہِ رسالت میں یوں عرض گزار ہوتا ہے:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے (اعلیٰحضرت)

حالانکہ آپ کی ان خصوصیات کو شرعی نظافت اور پاکیزگی والے دس فطری خصائل عطا فرمانے کے ساتھ کامل و مکمل کر دیا تھا اسی لیے تو آپ نے فرمایا ہے کہ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عنبر، کستوری اور کسی بھی خوشبودار چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریحِ اطہر سے زیادہ خوشبو نہیں سونگھی۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا دستِ اقدس میرے رخسار سے لگایا۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کا دستِ مکرم ٹھنڈا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی عطار کی صندوقچی سے نکالا ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا بیان ہے کہ اگر کوئی خوشبو لگائے یا نہ لگائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مصافحہ کر لیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو محسوس کرتا اور جب وہ نورِ مجسم کسی بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تو ایسا بچہ دوسرے بچوں میں سے پہچان لیا جاتا تھا۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس راستے سے گزر جاتے ادھر آنے جانے والوں کو آپ کی خوشبو کے باعث پتہ لگ جاتا تھا کہ آپ کا اس راستے سے گزر ہوا ہے(1)۔ حضرت اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس درجہ معطر ہونا پیدائشی اور فطری تھا کسی قسم کی خوشبو لگانے کے باعث نہ تھا۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر چند احادیث آپ کے پسینہ مبارک اور فضلاتِ طاہرہ کے خوشبودار ہونے کے بارے میں ذکر کی ہیں نیز امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھیوں سے فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیشاب اور پاخانے کی طہارت نقل کی اور بطور ثبوت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے، جیسا کہ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غسل دیا جیسا کہ میت سے نجاست خارج ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے تو اس موقع پر عین الیقین کی خاطر مجھے اس امر کی جستجو ہوئی، تو ایسی کوئی چیز نہ پا کر بے ساختہ کہنا پڑا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس طرح آپ زندگی میں پاک صاف تھے وصال کے بعد بھی آپ کی طہارت میں سرِ مو فرق نہیں آیا، ساتھ ہی آپ کے جسدِ اطہر سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ اس جیسی خوشبو کبھی سونگھنی نصیب نہ ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کے جسمِ معطر کے بارے میں ایسا ہی منقول ہے جبکہ وصال کے بعد آپ کو بوسے دیئے گئے تھے۔ بعض صحابہ کرام نے آپ کا خون اور کئی حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

1۔ امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

کا پیشاب بھی پیا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی کو آپ نے کلی تک کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ آئندہ ایسا کرنے سے ہی منع فرمایا۔

وہ جانِ جہاں اس حالت میں پیدا ہوئے تھے کہ ختنہ ہو چکا تھا اور پیدائشی ناف بریدہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ بوقتِ پیدائش اس شہکارِ دستِ قدرت کے جسم پر کسی قسم کی کوئی نجاست نہ تھی، بالکل پاک صاف تشریف فرمائے عالم ہوئے تھے۔

حبیبِ پروردگار ﷺ کی وافر عقل، ذکاوت و دانشمندی، قوتِ حواسِ مدرکہ، فصاحتِ زبان و بیان، حرکات کا اعتدال اور حسنِ اخلاق کے بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ تمام انسانوں سے زیادہ عقلمند اور ذہین وفہیم تھے۔ اگر صاحبِ علم ودانش آپ کی ان تدابیر کے ظاہر وباطن میں غور کرے جو آپ نے اصلاحِ نفوس کے لیے اختیار کی، نفعِ عوام وخواص کی خاطر جو سیاست متعین فرمائی نیز اپنے تعجب خیز اخلاق حسنہ اور دنیا کو امن وامان کا گہوارہ بنا دینے والی سیرت مقدسہ پیش فرمائی جس کے سونے پر فیضانِ علم سہاگے کا کام کر رہا ہے اور شرعی قوانین کو جس محیر العقول دانشمندی سے مقرر اور بیان فرمایا ہے حالانکہ ان امور کا پڑھنے، تجربہ کرنے اور مطالعہ کتب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تو ماہر ناظر کو آپ کی عقل کے زاویہ نظر اور فہم وفراست کی روشنی میں کسی قسم کا شک وشبہ پہلی نظر میں بھی لاحق نہیں ہو گا۔ مذکورہ بالا بیان ایسا تحقیق کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور مسلمہ ہے جس کو ثابت کرنے کے لیے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت ہی نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اکہتر آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور سب میں یہی لکھا ہوا پایا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ تمام انسانوں سے عقلمند اور رائے میں افضل ہیں۔ ان کی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مذکورہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کی عقل سے ساری دنیا کی مجموعی عقل کو وہی نسبت ہے جو سارے عالم کے ریگ ہائے ذرات سے ایک ذرے کو ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ ﷺ جس طرح سامنے کی چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کی چیزیں بھی آپ کو نظر آتی تھیں نیز آپ تمام انسانوں سے بڑھ کر طاقتور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے وقت کے نامی گرامی پہلوان رکانہ کو آپ نے ایک لمحہ میں پچھاڑ دیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تیز چلنے والا کوئی نہیں دیکھا، یوں محسوس ہوتا تھا گویا زمین آپ کے سامنے سے سمٹتی جا رہی ہے۔ آپ جب بالکل آرام

سے چل رہے ہوتے اس وقت بھی ہم تیز چلنے کی پوری کوشش کرتے تو ساتھ چل سکتے۔ آپ کا ہنسا صرف تبسم تک محدود تھا۔ جب کسی کی جانب توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے تھے۔ چلتے وقت آگے کو ذرا سا جھکاؤ رکھتے۔ جیسے کسی اونچی جگہ سے اترا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس خلیفہ اعظم کو زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت میں وہ امتیازی شان حاصل تھی کہ آپ کے اس اعلیٰ منصب سے کوئی سلیم الطبع بے خبر نہیں۔ کسی بلند ہمت، کم گو، فصیح البیان، ماہرِ علم و فن، غواصِ معانی اور تکلف سے بچنے والے سے یہ امر مخفی نہیں کہ:

''اُوتِیَ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَ خُصَّ بِبَدَائِعِ الْحِکَمِ وَعُلِّمَ اَلسِنَةَ الْعَرَبِ فَکَانَ صلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلَّمَ یُخَاطِبُ کُلَّ اُمَّةٍ مِّنْهُمْ بِلِسَانِهَا وَیُحَاوِرُ هَا بِلُغَتِهَا وَیُبَارِیُهَا فِیْ منزع بَلَا غتِهَا وَاَمَّا کَلَامُهُ الْمُعْتَادُ وَفَصَاحَتُهُ الْمَعْلُوْمَةُ وَجَوَامِعُ کَلِمِهٖ وَحِکَمِهِ الْمَاثُوْرَةُ صلَّی اللّٰہ علیه وسلَّمَ فَقَدْ اَلَّفَ النَّاسُ فِیْهَا الدَّوَاوِیْنُ وَجُمِعَت فِیْ اَلْفَاظِهَا وَمَعَانِیْهَا الْکُتُبُ وَذُکِرَ جُمْلَةٌ مِنْ حِکَمِهٖ وَجَوَامِعِ کَلِمِهٖ صلَّی اللّٰہ علیه وسلَّمَ۔'' (ص ۱۸)

''آپ کو جامع کلمات دیے گئے اور نرالی حکمتوں کے ساتھ خصوصیت بخشی گئی۔ عرب کی تمام زبانیں سکھائی گئیں اسی لیے آپ عرب کے ہر قبیلے والوں سے ان کی بولی میں کلام فرماتے اور ان کی روزمرہ بول چال کا لحاظ رکھتے۔ ہر زبان میں گفتگو فرماتے ہوئے مخاطب پر بلحاظ بلاغت نمایاں غالب رہتے۔ آپ کی روزمرہ کی گفتگو، معروف فصاحتِ کلام، جامع کلمات اور حکمتِ بالغہ کو خصوصیت سے بیان کرنے کی خاطر کتنے ہی حضرات نے کتابیں مرتب کی ہیں جو آپ کے الفاظ و معانی کی خوبیوں سے مزین ہیں اور ان میں آپ کے تمام حکیمانہ ارشادات و جامع کلمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم''۔

ان حضرات کو آپ کے چند جامع کلمات کا ذکر کرنے کے بعد یہی لکھنا پڑا کہ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار ہیں جیسا کہ ایک گروہ نے آپ کے بعض مقامات، محاضرات، خطبے، دعائیں، مواعظ حسنہ اور معاہدے وغیرہ نقل کیے ہیں لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا بلند ترین منصب و مرتبہ حاصل ہے جس پر کائنات کے کسی دوسرے فرد کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ جملہ افرادِ کائنات سے اس درجہ سبقت لے گئے ہیں کہ آپ کی رفعت کا کسی سے اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ

یارسول اللہ! ہم نے کسی کو آپ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ نہیں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے اس راستے میں کونی چیز حائل بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ خالق و مالک نے قرآن کریم کو عرب کی اسی زبان میں نازل فرمایا ہے جو میری زبان ہے اور جس کو باری تعالیٰ نے عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ قرار دیا ہے۔ دوسرے مواقع پر اسی سلسلے میں فرمایا کہ میرا قریش سے ہونا اور قبیلہ بنی سعد میں پرورش پانا علیحدہ بات ہے۔ نبی اکرم، نور مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کے لیے دیہاتیوں کے ساتھ ان کی زبان میں گفتگو کرنے اور شہریوں سے شستہ الفاظ، اور دل آویز و رونق افروز طریق پر کلام فرمانا اکتسابی نہیں بلکہ تائیدِ الٰہی اور وحی ربانی کی کرشمہ سازی ہے جس کے باعث کوئی بشر آپ کے علم و عرفان کا اندازہ تک نہیں کر سکتا۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا آپ کی توصیف میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شیریں کلام تھے۔ گفتگو کا ہر لفظ دوسرے سے جدا ہوتا اور بغیر ضرورت کلام نہ فرماتے۔ آپ کا ہر بیان ایسا ہوتا جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی۔ آپ کی آواز بلند اور دلکش تھی۔

فخرِ کون و مکاں ﷺ کے نسب کی شرافت اور آپ کے شہر اور جائے پیدائش کی عظمت محتاجِ بیان و دلیل نہیں اور نہ اس میں کوئی اشکال و اخفا ہے کیونکہ وہ سرورِ انس و جاں ﷺ تمام بنی ہاشم و قریش میں آباء و اجداد کے لحاظ سے ممتاز اور سارے عرب میں شریف النسب اور معزز ترین ہیں (1) جیسے کہ آپ کے والدین تھے۔ آپ اہل مکہ سے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک سب سے عظمت والا شہر ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی آدم کے بہتر افراد میں منتقل ہوتا آیا ہوں یہاں تک اب جن میں پیدا ہوا ہوں وہ اس وقت سب سے بہتر ہیں۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے جو بہتر تھے ان میں رکھا۔ پھر قبائل کا انتخاب فرمایا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں پیدا کیا۔ پھر گھروں پر نظرِ انتخاب پڑی تو مجھے سب سے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔ میں ذاتی اور نسبی لحاظ سے تمام انسانوں سے بہتر ہوں (2)۔ حضرت واثلہ بن اسقع

1۔ اس مضمون کو ایک عربی شاعر نے یوں باندھا ہے:۔

قُرَیْشٌ خِیَارُ بَنِیْ اٰدَمَ　　وَخَیْرُ قُرَیْشٍ بَنُوْ هَاشِمٍ
وَخَیْرُ بَنِیْ هَاشِمٍ اَحْمَدٌ　　رَسُوْلُ الْاِلٰهِ اِلَى الْعَالَمِ

2۔ بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ　　کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ　　صَلُّوْا عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ (سعدی علیہ الرحمۃ)

رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے اسمٰعیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کا انتخاب فرمایا۔ بنی کنانہ سے قریش کو ممتاز کیا۔ قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں بلحاظ عزت وعظمت مجھے سرفہرست رکھا۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ کونین کے مختار حبیب پروردگار ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے بنی آدم کو معزز کیا، آدم علیہ السلام کی اولاد سے اہل عرب کو، اہل عرب سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمالیا۔ پس میں ہمیشہ بہترین خاندانوں سے متعلق رہا ہوں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جو بھی اہل عرب سے محبت کرے تو میری وجہ سے محبت کرے اور جو عرب کے کسی فرد سے نفرت کرے تو میرے ساتھ بغض رکھنے کے باعث نفرت کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

اِنَّ قُرَيْشًا كَانَ نُوْرًا بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَبْلَ اَنْ يُخْلَقَ اٰدَمُ بِاَلْفَىْ عَامٍ يُسَبِّحُ ذَالِكَ النُّوْرُ وَتُسَبِّحُ الْمَلٰئِكَةُ بِتَسْبِيْحِهٖ فَلَمَّا خَلَقَ اٰدَمَ اَلْقٰى ذَالِكَ النُّوْرَ فِىْ صُلْبِهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْبَطَنِىَ اللّٰهُ اِلَى الْاَرْضِ فِىْ صُلْبِ اٰدَمَ وَجَعَلَنِىْ فِىْ صُلْبِ نُوْحٍ وَقُذِفَ بِىْ فِىْ صُلْبِ اِبْرَاهِيْمَ ثُمَّ لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى يَنْقُلُنِىْ مِنَ الْاَصْلَابِ الْكَرِيْمَةِ وَالْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ حَتّٰى اَخْرَجَنِىْ مِنْ بَيْنَ اَبَوَىَّ لَمْ يَلْتَقِيَا عَلٰى سِفَاحٍ قَطُّ۔ (ص۱۹)

”بیشک یہ قرشی النسل آقائے کائنات، آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بارگاہِ خداوندی میں بصورتِ نور موجود تھے۔ آپ کا نور باری تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح بیان کرتا اور اس نور کے ساتھ ملائکہ بھی تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو وہ نُور ان کی پشت میں رکھا۔ فرمانِ رسالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صلبِ آدم میں زمین پر اتارا۔ ان سے نوح علیہ السلام اور ان سے ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل کیا۔ یہاں تک کہ نیک اصلاب اور پاکیزہ ارحام سے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی جانب منتقل کرتے ہوئے میرے والدین کریمین سے مجھے پیدا فرمایا۔ یہ حضرات بدکاری کے سائے سے بھی دور رہے“۔

ضروریات زندگی تین قسم کی ہیں: (۱) وہ جن کی قلت بہتر ہے۔ (۲) بعض وہ جن کی کثرت پسندیدہ ہے اور (۳) کئی ایک ضروریات ایسی بھی ہیں جن کے حالات مختلف رہتے ہیں۔ عادت اور شریعت کے لحاظ سے جن کی قلت کمال سمجھی جاتی ہے وہ غذا اور نیند وغیرہ ہیں۔ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم ﷺ نے ان چیزوں میں سے اتنا قلیل حصہ اختیار فرمایا جس سے صرف یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور آپ کی سیرت مبارکہ سے خارج نہیں رہے ہیں(1) اور یہی راستہ اختیار کرنے کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا اور رغبت دلائی۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں متعدد احادیث پیش کر کے اپنے بیان کو مدلل فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ دوسری قسم، جس کی کثرت قابلِ تعریف اور جس کی تکمیل باعثِ فخر ہے، اس سے نکاح اور وجاہت وغیرہ امور مراد ہیں کیونکہ نکاح ایک ایسی چیز ہے جو مکمل مرد ہونے اور صحتِ ذکوریت کی علامت ہے۔ اس کی کثرت کے باعث لوگوں کا ایک دوسرے پر فخر کرنا ایک مشہور عادت ہے اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی تعریف کرنا زمانہ قدیم سے مروج ہے نبی کریم ﷺ اس قوت کے حصّہ وافر سے بہرہ ور تھے کیونکہ واہبِ مطلق نے یہ کمال بھی آپ کو پوری فیاضی سے مرحمت فرمایا تھا۔ اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے علاوہ لونڈیوں کے آپ پر اتنی عورتیں حلال کر دیں جتنی کسی دوسرے کے لیے حلال نہیں فرمائیں۔ ہم تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دن یا رات کے تھوڑے سے وقفے میں اپنی تمام ازواجِ مطہرات کے پاس بھی تشریف فرما ہو جاتے تھے حالانکہ وہ گیارہ تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کو تیس مردوں کی قوت عطا فرمائی گئی تھی، جیسا کہ نسائی شریف میں ہے جبکہ دیگر محدثین نے چالیس آدمیوں کی طاقت نقل کی ہے۔ آپ کی آزاد کردہ لونڈی حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ ایک رات میں اپنی نو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے نیز ایک سے فارغ ہونے اور دوسری تک جانے سے پہلے غسل بھی فرما لیا کرتے تھے اور تلقین فرمایا کرتے کہ اس صورت میں غسل کر لینا اور طہارت پسندی اور انتہائی پاکیزگی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کون و مکان ﷺ نے فرمایا: مجھے بلحاظ عادات دوسرے لوگوں پر چار وجہ سے فضیلت مرحمت فرمائی گئی: (۱) سخاوت (۲) شجاعت (۳) کثرتِ جماع (۴) قوتِ بازو

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا ہے:۔

کل جہاں مِلک اور جو کی روٹی غذا — اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

جہاں تک وجاہت کا تعلق ہے تو عقلاء نے اسے اوصافِ مدح میں ہی شمار کیا ہے کیونکہ وجاہت کے مطابق ہی لوگوں کی نگاہوں میں قدر ومنزلت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ (آل عمران)

''رودار ہوگا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا''۔

لیکن وجاہت کے راستے میں بے شمار آفات ہیں جو بعض لوگوں کے لیے اگلے جہان میں نقصان کا باعث ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کی ضد کو قابلِ تعریف ٹھہرایا ہے۔ شرع میں عاجزی وانکساری کی تعریف کی گئی ہے جبکہ زمین میں اکڑ خانی دکھانے کو مذموم قرار دیا ہے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باری تعالیٰ شانہ نے جاہ وحشمت کی دولت سے مالا مال فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی قدر ومنزلت کا سکہ بٹھایا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے جاہلوں تک کے دلوں میں آپ کی عظمت جاگزین کر دی جبکہ اعلان نبوت کے بعد کافر آپ کی تکذیب کرتے اور اس طرح صحابہ کرام جیسے شمعِ رسالت کے عدیم النظیر پروانوں کو تکلیف پہنچاتے اور اس نازیبا حرکت سے آپ کو پریشان کرنا مقصود ہوتا کیونکہ جب وہ آپ کے روبرو ہوتے تو عزت کیے ہی بنتی تھی اور اگر انہیں کوئی حاجت ہوتی تو آپ بھی اسے پورا کرنے سے دریغ نہیں فرمایا کرتے تھے(1) اور کتب احادیث میں ایسے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

اگر کسی نے فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال جہاں آراء پہلے دیکھا نہ ہوتا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور رعب چھا جاتا تھا۔ چنانچہ قیلہ نے جب آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو مارے خوف کے لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: اے غریب عورت! سکون واطمینان کا دامن تھام۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ آپ کے رعب کی وجہ سے کانپنے لگا۔ ہادیِ برحق نے فرمایا کہ ڈرتے کیوں ہو میں کوئی دنیاوی بادشاہ ہوں؟

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبوت میں آپ کو عدیم المثال قدر ومنزلت اور رسالت میں انتہائی عز و شرف والا منصب حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ کو جو مقامِ اصطفا حاصل ہے، وہ قدر ومنزلت کی انتہا ہے، اس کے باعث آپ دنیا میں سب سے ممتاز اور آخرت میں بھی جملہ اولادِ آدم کے سردار ہوں گے۔

اسی سلسلے کی تیسری قسم کہ جس میں تعریف، افتخار اور فضیلت کی حالت مختلف رہتی ہے مثلاً مال کی

1۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا (حالی)

کثرت ہو لیکن مالک محض اپنی ضروریات میں کھل کر خرچ کرتا ہے تو دنیادار لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ دنیاوی لحاظ سے وہ اسے فضیلت اور برتری شمار کرتے ہیں۔لیکن اگر کوئی شخص راہِ خدا میں دِل کھول کر خرچ کرتا ہے اور اس کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو تو قیامت کی سرخروئی بہرحال اس کا مقدر ہو کر رہے گی اور اس کی فضیلت سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔اگر صاحبِ مال خرچ ہی نہ کرے تو بخل کی ندامت اور کمینگی کے شرمناک گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کیا جائے تو آفتابِ نصف النہار کی طرح آپ کی عادات واضح نظر آئیں گی کیونکہ باوجود اس کے کہ زمین کے جملہ خزانے اور دنیا کی چابیاں باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مرحمت فرما دیں(1)۔غنائم آپ کے لیے حلال کر دیے جبکہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھے،آپ کی حیاتِ طیبہ میں حجاز کا علاقہ،یمن،عرب کے جزائر اور گردونواح میں شام و عراق وغیرہ فتح کر لیے گئے،جہاں سے آپ کے پاس خمس،جزیہ اور صدقات آتے تھے حالانکہ کسی بادشاہ کو اس کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہیں ہو رہا تھا،علاوہ بریں کتنے ہی بادشاہوں نے آپ کی بارگاہ میں ہدایا اور تحفے بھیجے مگر آپ نے دولت کو اپنے پاس جگہ نہ دی بلکہ دوسروں میں تقسیم فرما دیا کرتے۔چاروں طرف سے دولت آتی اور قدم بوسی کرتی لیکن اس کے ذریعے آپ دوسروں کو دولت مند بناتے رہتے تھے اور مسلمانوں کی طاقت کو مضبوط کرتے تھے۔

فرمانِ رسالت ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو اس میں سے مجھے ایک دینار کے برابر سونا اپنے پاس رکھ کر رات گزارنا منظور نہیں ماسوائے اس کے کہ کسی کا قرض ادا کرنا ہو۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ دینار آئے جنہیں آپ نے تقسیم فرمایا لیکن کچھ بچ رہے جو اپنی کسی زوجہ مطہرہ کے پاس رکھ دیے اور ان کے باعث ساری رات بے چینی سے گزاری اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوئے جب تک صبح اٹھتے ہی انہیں تقسیم نہ فرما دیا۔حد تو یہ ہے کہ بوقتِ وصال آپ کی زرہ خانگی ضروریات کے باعث کسی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔آپ گھریلو اخراجات،لباس اور مکان وغیرہ کے بارے میں اتنی مقدار پر اکتفا فرماتے تھے جس کے بغیر چارہٗ کار نہ ہو اور اس کے علاوہ کو زائد از ضرورت سمجھتے اور اس سے اعراض فرماتے تھے۔

اس خواجہ کونین کی یہ حالت تھی کہ جو لباس میسر آ جاتا وہی پہن لیتے۔عموماً دستار،معمولی کمبل اور

1۔ مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے ہے ہاتھ میں (اعلیٰحضرت)

موٹی چادر زیبِ تن فرماتے۔ سونے سے مرصع ریشمی کوٹ حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور جو وقت پر موجود نہ ہوتا اس کا حصہ محفوظ کر دیتے کیونکہ لباس کے ذریعے فخر کرنا یا زینت چاہنا عز و شرف کے خصائل سے نہیں ہے بلکہ یہ تو عورتوں کی عادات میں سے ہے۔ ہاں اچھا لباس وہ ہے جو صاف ستھرا اور عام طور پر پہنا جائے۔

شاندار اور وسیع مکانات اور کثرتِ خدام وغیرہ کو باعثِ فخر سمجھنا بھی غلط ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ایک شخص دنیا و مافیہا کا بادشاہ ہو اس کے باوجود زہد و قناعت اختیار کرے، اپنے پاس رکھنے سے نفرت کرتا ہو اور اسی وجہ سے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا ترک کر دے۔ یہ مال کے سلسلے میں ایسی مقدس عادت ہے جو سب کے نزدیک باعثِ فضیلت ہے اور یہ ہے وہ خصلتِ حمیدہ جو سرمایہ افتخار ہے۔ چنانچہ مال سے اس طرح اعراض کرنا اور فانی ہونے کے باعث اس کی جانب رغبت نہ رکھنا بلکہ دوسرے جن مقامات پر اسے خرچ کر دینا چاہتے وہاں خرچ کر دینا۔ یہ قابل ستائش و لائق تحسین عادتِ مبارکہ انسانی کمال کی معراج ہے۔ بہر حال خصائل مکتسبہ، اخلاقِ حمیدہ اور آدابِ شرعیہ کے لحاظ سے ایسے شخص کے صاحبِ فضل و کمال ہونے پر تمام عقلاً کا اس شخص کی فضیلت پر بھی اتفاق ہے جو ان میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف ہو یا اس میں ایک سے زیادہ اوصاف پائے جائیں۔

شریعت مطہرہ نے ایسے تمام اشخاص کی تعریف کی ہے اور ایسی عادات کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو سارے اوصافِ حسنہ سے متصف ہو اس کے لیے دائمی سعادت کا وعدہ کیا ہے اور بعض نیک عادتوں کو اجزائے نبوت ٹھہرایا ہے جنہیں حسن اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور وہ نفس کے قویٰ و اوصاف میں اعتدال اور میانہ روی یعنی ایسا درمیانی راستہ جس میں کسی جانب انحراف نہ ہو۔

مذکورہ بالا جملہ اوصافِ کمالیہ نبی کریم ﷺ کے خلق کا حصہ ہیں۔ آپ کمال میں ان کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور غایت کے لحاظ سے اعتدال پر تھے۔ اسی لیے تو باری تعالیٰ شانہٗ نے خلقِ محمدی کی توصیف میں وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝ (1) فرمایا یعنی اے محبوب! خلق کے لحاظ سے بھی تم عظیم منصب پر فائز ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن تھا۔ آپ کی رضامندی اور ناراضگی اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کے ساتھ تھی۔ فخرِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے کہا ہے:۔

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا، تری خلق کو رب نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شہا، ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

کہ بلحاظِ خلق آپ سب سے اچھے تھے۔ جیسا کہ محققین نے ذکر کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخلاقِ حسنہ کے زیور سے پیدائشی طور پر مزین کیا گیا تھا اور یہ کمالات آپ کی اصل فطرت میں داخل تھے جن میں کسب کا دخل نہیں تھا اور نہ ریاضت کا۔ یہ جودِ الٰہی اور باری تعالیٰ شانہٗ کی نرالی کرم نوازی ہے، جس سے علٰی قدر مراتب جملہ انبیائے کرام کو نوازا گیا تھا۔ جو شخص انبیائے کرام کے بچپن سے ان کے ادوارِ نبوت تک کی سیرتوں کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت سلیمان اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون بنت وہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خبر دی کہ جب وہ جانِ حیات رونق آرائے گیتی ہوئے تو آپ نے زمین کی جانب ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے اور سرِ اقدس آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میں بڑا ہوا تو دیکھا کہ بتوں اور شاعری سے مجھے پیدائشی طور پر نفرت ہے۔ میں نے کسی ایسے کام کا کبھی ارادہ تک نہیں کیا جو دورِ جاہلیت میں معمول بنے رہے تھے، ہاں دو مرتبہ ایسا ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور میں نے پھر کبھی ان کی جانب توجہ بھی نہ فرمائی۔ ان مذکورہ دونوں مواقع پر آپ نے جہلاً کے غناء اور محفل لہو ولعب میں کسی مصلحت کے تحت جانے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے کو دونوں مواقع پر اللہ تعالیٰ نے پورا نہ ہونے دیا۔

عقلِ مصطفیٰ

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و تحقیقی جواہرات سے مزید جواہر ریزے پیش خدمت ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ محمودہ اور عاداتِ جمیلہ تو شمار سے باہر ہیں لیکن ہم ان کے اصول کا ذکر کریں گے اور اشارے تمام اوصاف کی جانب کر دیے جائیں گے۔ یہ التزام رہے گا کہ آپ کی صفات کو میزانِ تحقیق پر تول کر پیش کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جملہ اوصاف کے فروع کی اصل، ان کا سرچشمہ اور اس سارے دائرے کا مرکزی نقطہ عقل ہے۔ اسی سلسلے علم و معرفت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اسی سے روشن خیالی، ذہن کی تیزی، رائے کی درستی اور گمان کی صداقت حاصل ہوتی ہے۔ اسی کے باعث مستقبل پر نظر رکھنے، اصلاحِ نفس کے طریقے، شہوت سے مجاہدہ، حسنِ سیاست و حسن تدبیر، فضائل کی تحصیل اور رزائل سے اجتناب کی خوبیاں متفرع ہوتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلحاظ علم کے ایسے منصب پر فائز تھے جہاں تک

آپ کے سوا کسی بشر کی رسائی نہیں ہوئی۔ عقلِ مصطفیٰ کی جلالت وعظمت ہر اس شخص پر بخوبی واضح ہے جس نے آپ کے احوال واخلاق کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو، نیز جامع کلمات، شمائل حسنہ، عاداتِ مبارکہ اور ارشادات کی حکمتوں کو چشمِ بصیرت سے دیکھا ہے۔ آپ کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کی خاطر توریت وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کے مندرجات، حکماء کی حکمتیں، گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات، ضرب الامثال، لوگوں کی سیاسیات، شرعی احکام، پسندیدہ آداب، اچھے اطوار جو مختلف علوم و فنون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور جنہیں علمائے کرام سند ٹھہراتے اور آپ کے اشاروں کی عبارت کی طرح حجت قرار دیتے ہیں اور طب، ریاضی، وراثت ومیراث اور انساب وغیرہ ایسے علوم وفنون ہیں جن میں آپ کے لیے بے شمار معجزات ہیں حالانکہ آپ نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا اور نہ گزشتہ امم کی کتابوں ہی کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ان کے علماء سے مجالست رہی کیونکہ آپ تو امی نبی تھے۔ مذکورہ علوم و فنون کے بارے میں آپ نے کسی سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے کو کھول دیا تھا اور آپ کے مقصد کو ظاہر فرمادیا اور آپ کو خود تعلیم دی جو آپ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے پہلی نظر ہی میں ماننا پڑ جاتا ہے اور آپ کی نبوت کا قطعی ثبوت نظر آنے لگتا ہے۔ ہم ایسے جملہ واقعات وقضایا کو کیسے بالتفصیل بیان کریں جبکہ عقلِ انسانی ان کی متحمل نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی ان کا احاطہ کرسکتا ہے۔ علوم ومعارفِ مصطفیٰ کی وسعت بھی آپ کی عقل ہی کے مطابق ہے جیسا کہ مرقوم ہے:

اِلٰی سَائِرِ مَا اطَّلَعَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ مِنْ عِلْمِ مَا یَکُوْنُ وَمَا کَانَ وَعَجَائِبَ قُدْرَتِہٖ وَعَظِیْمِ مَلَکُوْتَہٗ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًاO حَارَتِ الْعُقُوْلُ فِیْ تَقْدِیْرِ فَضْلِہٖ عَلَیْہِ وَخَرِسَتِ الْاَلْسُنُ دُوْنَ وَصْفِ یُحِیْطُ بِذٰلِکَ اَوْیَنْتَہِیْ اِلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۲۲)

''وہ تمام علوم جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا یعنی جو ہوا اور جو کچھ ہوگا نیز اپنی قدرت کے عجائبات اور اپنی عظیم بادشاہی کا علم، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے محبوب! ہم نے تم کو سکھا دیا وہ سب کچھ جو تم نہ جانتے تھے اور تم پر اللہ کا فضلِ عظیم ہے۔ آپ کے فضل وکمال کا اندازہ کرنے میں عقلیں حیران اور آپ کی توصیف کے میدان میں زبانیں گونگی ہیں۔ یہ چیزیں نہ ان کا احاطہ کرسکتی ہیں اور نہ وہاں تک پہنچ سکتی ہیں''۔

حلم، عفو، صبر

حلم اور قدرت کے باوجود درگزر کرنے نیز تکالیف پر صبر کرنے کی باری تعالیٰ شانہ نے آپ کو تعلیم دی جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (اعراف:199)

"اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو"۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو سرورِ کائنات ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس کی تاویل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے عرض کروں گا، اور چلے گئے۔ دوبارہ حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! ﷺ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو تم سے تعلقات منقطع کرنا چاہے اسے ملاؤ، جو محروم رکھے اسے بھی عطا فرماؤ اور جو ظلم کرے اسے بھی معاف کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام حکم بھی دیا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ (لقمان)

"اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر"۔

نیز یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ شانہ ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف:35)

"تو تم صبر کرو، جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا"۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ (النور:22)

"اور چاہیے کہ معاف کردیں اور چاہیے کہ درگزر کریں"۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ (الشوریٰ:43)

"اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا، تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں"۔

سرورِ کونین ﷺ کا حلم جیسا کہ منقول ہے، وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کون سا حلیم اور بردبار ہوگا جس سے ایسے مواقع پر لغزش سرزد نہ ہوئی ہو یا کوئی نامناسب بات کبھی اس کے منہ سے نہ نکلی ہو؟ آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، جہلاء نے زیادتی کرنے اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا لیکن آپ نے صبر اور بردباری کے دامن کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چھوڑا بلکہ خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم ملا، تو آپ نے ان میں سے آسان ہی کو پسند فرمایا، جبکہ اس کے کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، اگر شرعی قباحت ہوتی تو دوسروں کی نسبت آپ اس سے زیادہ دور رہتے تھے۔ اس مجسمہ رحمت نے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہ لیا، ہاں جب کوئی باری تعالیٰ شانہٗ کی متعین کردہ حدود کو پامال کرنے کی کوشش کرتا تو اس پر حد ضرور قائم فرماتے تھے۔

روایت ہے کہ جب غزوۂ احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے والے دندان مبارک کسی کا تیر لگنے سے شہید ہوئے اور چہرہ زخمی ہو گیا، تو صحابہ کرام کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا اور وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ کفار کی تباہی و بربادی کے لیے دعا فرمادیجئے۔ اس سراپا رافت و جانِ رحمت نے فرمایا کہ مجھے لعنت بھیجنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا گیا ہے، بلکہ میں راہِ ہدایت کی طرف بلانے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (1)۔ یہ فرما کر بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار ہوئے: اے اللہ! میری قوم کو راہِ ہدایت دکھادے کیونکہ یہ مجھے جانتے پہچانتے نہیں ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے جس عظیم الشان فضل، غایت درجہ احسان، کریم النفسی اور انتہائی صبر وتحمل کا مظاہرہ فرمایا وہ سب کے لیے دعوتِ غور وفکر ہے۔ ملاحظہ تو فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے جواب میں سکوت پر بھی اکتفا نہ فرمایا بلکہ زبانِ مبارک سے معافی کا اعلان فرمادیا۔ مزید برآں یہ شفقت ورحمت فرمائی کہ بارگاہِ رب العزت میں ان کی بخشش اور ہدایت کے لیے دستِ دعا دراز فرمائے۔ ساتھ ہی اس شفقت ومہربانی کا سبب بھی بارگاہِ خداوندی میں قَوْمِیْ کے لفظ سے بیان کر دیا اور فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کے ذریعے ان کی جانب سے عذر بھی پیش کر دیا۔

جب ایک آدمی نے تقسیم غنائم کے وقت آپ پر اعتراض کیا کہ عدل کیجئے، آپ کی تقسیم اللہ کی رضا کے مطابق نہیں ہے۔ اس کا جواب آپ نے ایسے الفاظ میں دیا، جن سے اس کی جہالت بھی واضح ہو جائے اور نصیحت بھی فرمادی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تجھ پر افسوس ہے، اگر میں بھی عدل نہیں کرتا تو اور کون ہے جو عدل وانصاف کرے گا؟! اگر میں انصاف سے کام نہ لوں تو خسارے میں رہ جاؤں گا۔ بعض صحابہ کرام نے اسے قتل کرنا چاہا تو رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔

ایک غزوہ میں آپ کسی درخت کے نیچے بوقتِ دوپہر تنہا قیلولہ فرما رہے تھے کہ اچانک غورث بن

1۔ دمِ نزع یوں محو دیدار کرنا کہ مشکل ہو آساں مدینے کے والی (اختر شاہجہانپوری)

حارث ارادۂ قتل سے آپ کے پاس آ پہنچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ادھر ادھر قیلولہ فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں ننگی تلوار لیے کھڑا ہے۔ غورث نے کہا میرے وار سے تمہیں کون بچائے گا؟ آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ: اللہ۔ اتنا سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی، نبی کریم ﷺ نے وہ تلوار اٹھالی اور فرمایا: بتا اب تجھے کون بچائے گا؟ وہ عرض گزار ہوا کہ بہتر قابو پانے والا ہی ثابت کیجئے یعنی چھوڑ دیجئے تو آپ نے درگزر کرتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس پہنچا تو کہنے لگا کہ میں بہترین انسان کے پاس سے تمہاری طرف آیا ہوں۔

آپ کے عفو و درگزر کے بارے میں یہ واقعہ کتنا عظیم الشان ہے کہ ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ کو کھلایا۔ یہ بھی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس عورت نے اپنے ارتکابِ جرم کا اقرار بھی کر لیا تھا، اس کے باوجود آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ اسی طرح لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اس واقعے کی ساری تفصیلات سے مطلع کر دیا۔ اس کے باوجود آپ نے اس پر عتاب نہ فرمایا اور نہ کوئی انتقامی سلوک ہی کیا۔ ایسے ہی منافقین کے سرگروہ، عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں سے جو ناروا حرکتیں آپ کے حق میں صادر ہوئیں، ان پر مواخذہ نہ فرمایا بلکہ جس شخص نے بعض منافقین کے قتل کا ارادہ کیا تھا، اسے یہ کہتے ہوئے منع فرمایا کہ ایسا کرنے سے دشمنوں کو یوں طعنہ زنی کا موقع مل جائے گا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا اور آپ کے اوپر ایک موٹی چادر تھی۔ کوئی اعرابی آیا اور اس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ رگڑ سے آپ کی گردن مبارک سرخ ہو گئی۔ اس کے بعد اعرابی کہنے لگا کہ آپ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال ہے، مجھے اس میں سے دو اونٹ عنایت فرمائیے اور یہ اونٹ مجھے آپ اپنے مال سے یا اپنے باپ کے مال سے تو نہیں دیں گے۔ اس پر آپ خاموش رہے اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مال تو واقعی اللہ تعالیٰ کا ہے اور میں تو اس کا بندہ ہوں۔ لیکن اے اعرابی! تو نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اس کا تجھ سے بدلہ لیا جائے گا اعرابی نے عرض کیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وجہ پوچھی کہ بدلہ کیوں نہ لیا جائے گا تو اعرابی نے وضاحت کی آپ برائی کے جواب میں کسی سے برا سلوک کرتے ہی نہیں۔ اتنا سن کر ہادیٔ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے حکم صادر فرمایا کہ اسے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لاد

کر دے دیجئے(1)۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے محارم کا احترام ہوتا ہو۔ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ اور کسی وقت، کسی شخص کو اپنے ہاتھوں نہیں مارا اور نہ میں نے یہ دیکھا کہ کسی خادم یا عورت کو مارا ہو۔ آپ کی بارگاہ میں ایک شخص کو گرفتار کر کے لایا گیا اور بتایا کہ یہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے تھرتھرانے پر آپ نے فرمایا: گھبراؤ مت، اگر تم ایسا ہی ارادہ رکھتے ہو تو مجھے ہرگز قتل نہ کر سکو گے۔

زید بن سعنہ مسلمان ہونے سے پہلے بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہوا اور قرض کا مطالبہ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کے کندھے سے کپڑا پکڑ کر زور سے کھینچنے اور سخت کلامی کرنے لگا۔ اس نے کہا: اے بنی عبد المطلب! تم قرض ادا کرنے میں بہت سست ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ڈانٹا اور سخت الفاظ میں جواب دینا شروع کر دیا تو اس معلمِ کائنات ﷺ نے تبسم ریز لہجے میں فرمایا: اے عمر! اس انتقامی گفتگو کی نسبت ہمیں نصیحت کی زیادہ ضرورت تھی آپ مجھ سے جلدی قرض ادا کرنے کے لیے کہتے اور اسے نصیحت کرتے کہ قرض کا مطالبہ اچھے طریقے سے کرنا چاہئے۔ اس کے بعد آپ نے زید بن سعنہ سے کہا کہ ادائیگی کی مقررہ میعاد میں تو ابھی تین دن باقی ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیجئے اور اسے خوف زدہ کرنے کے عوض بیس صاع زیادہ دیجیے۔ یہی واقعہ زید بن سعنہ کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے نبوت کی تمام نشانیاں نبی آخر الزماں ﷺ میں دیکھیں اور پہچان لی تھیں۔ صرف دو امور باقی رہ گئے تھے جن کی مجھے خبر نہ تھی۔ ایک یہ کہ آپ کے حوصلے اور بردباری کو جہل پر سبقت ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے ساتھ جاہلانہ سلوک کرنا آپ کے صبر و تحمل کو زیادہ ہی کرتا ہے۔ جب میں نے اس طرح امتحان لیا تو آپ کو ویسا ہی پایا جیسے کہ مجھے خبر دی گئی تھی۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ کے حلم، صبر اور عفو کا بیان طاقت سے باہر ہے صحاح اور دیگر کتب احادیث سے بطریق تواتر ثابت ہونے کے باعث یہ امر یقین کا درجہ رکھتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش نے آپ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی لیکن آپ نے ان حوصلہ شکن تکالیف کے

1۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا   دریا بہا دیے ہیں، دُر بے بہا دیے ہیں

مقابلے میں صبر ہی سے کام لیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں آپ کو فتح وظفر سے نوازا اور وہ آپ کے زیر فرمان آگئے حالانکہ وہ اپنی قوت وشوکت اور چہل پہل کی بربادی کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ کامیاب ہونے پر آپ نے بانیانِ ظلم وستم کے ساتھ عفو و درگزر ہی سے کام لیا اور انہیں مخاطب کیا کہ آیا تم بتا سکتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ اب کیسا سلوک کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ایک شریف بھائی اور شرفاء کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تنعیم سے اسی (80) آدمی آئے تا کہ صبح کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ کو شہید کریں۔ وہ سارے گرفتار کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے سب کو چھوڑ دیا۔ اس موقع پر باری تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

هُوَالَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ (الفتح:24)

''وہی (اللہ) ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے''۔

وہ ابوسفیان جو بارہا لشکر جرار لے کر آپ پر حملہ آور ہوتا رہا، آپ کے محترم چچا (امیر حمزہ) اور کتنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کیا، شہادت کے بعد بعض حضرات کے حلیے تک بگاڑ دیے، لیکن جب فتح مکہ کے وقت اسے بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے معاف فرمادیا اور اس کے ساتھ بڑی نرمی سے شفقت آمیز گفتگو کی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابوسفیان! کیا تجھ پر ابھی یہ واضح نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ تو بڑے حلیم وکریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شاذ و نادر ہی کبھی غصے میں آتے تھے اور جب ایسا اتفاق ہوتا تو جلد ہی راضی ہو جاتے تھے۔

جود و کرم

اخلاق کریمہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو آپ جیسا دوسرا نظر نہیں آتا۔ جس نے بھی آپ کو جانا اور پہچانا وہی آپ کا مدح خواں ہو کر رہ گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس چیز کا سوال کیا گیا، آپ نے کبھی اس کا جواب نفی میں نہیں دیا(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ تمام

1۔ مجدد مأۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے تو اعلان کیا تھا:۔

مانگیں گے، مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے   سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

انسانوں سے زیادہ سخی تھے۔رمضان المبارک میں تو آپ بہت ہی خیرات کرتے تھے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو آپ کو چلنے والی ہوا سے زیادہ سخی دیکھتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت اتنی بکریاں تھیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان جگہ بھری ہوئی تھی ،آپ نے وہ ساری بکریاں عطا فرمادیں۔جب وہ اپنے قبیلے میں پہنچا تو اہل قبیلہ سے کہنے لگا: بھائیو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ اتنی سخاوت کرتے ہیں کہ مال کے ختم ہو جانے کا ذرا سا اندیشہ بھی دل میں نہیں لاتے۔کتنے ہی مواقع پر آپ نے سو سو اونٹ تک عطا فرمادیے تھے۔حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ سو اونٹ مرحمت فرمائے ،اتنے ہی دوسری دفعہ اور اتنے ہی تیسری مرتبہ۔اعلانِ نبوت سے پہلے بھی آپ کی سخاوت کا یہی عالم تھا۔

قبیلہ ہوازن کو آپ نے ان کے چھ ہزار جنگی قیدی واپس فرمادیے تھے۔ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا سونا مرحمت فرمادیا جسے وہ اٹھا بھی نہ سکے۔ایک مرتبہ نو ہزار درہم لائے گئے تو آپ نے انہیں چٹائی پر رکھوالیا اور تقسیم فرمانے لگے۔جو بھی مانگنے والا آتا آپ اسے عنایت فرماتے جاتے اور آخر تک کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔تقسیم کے بعد ایک شخص نے آکر سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔تم ہمارے نام مطلوبہ چیزیں خرید لو،جب کسی جانب سے مال آئے گا تو ادائیگی ہم کردیں گے۔اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! جس کام کی آپ میں طاقت نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر لازم تو نہیں ٹھہرایا۔رسول اللہ ﷺ نے یہ مشورہ پسند نہ فرمایا۔کوئی دوسرے صحابی، جو گروہِ انصار سے تعلق رکھتے تھے، بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ راہِ خدا میں سخاوت فرماتے رہیے اور یہ خطرہ بھی دل میں نہ لائیے کہ عرش کا مالک کبھی مال کی قلت سے آپ کو دوچار کردے گا۔سرورِ کون ومکاں ﷺ نے ان کی بات سن کر تبسم فرمایا اور بشاشت کے آثار آپ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہو رہے تھے۔آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک طباق تر کھجوریں اور کچھ چھوٹی چھوٹی ککڑیاں بارگاہِ رسالت میں پیش کیں۔رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہتھیلی کے بھراؤ کے برابر سونا مرحمت فرمادیا۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کبھی آنے والی کل کے لیے ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کسی چیز کا سوال کیا، آپ نے کسی سے آدھا وسق قرض لے کر اسے مرحمت فرما دیا۔ جب وہی آدمی قرض ادا کروانے کی نیت سے حاضرِ بارگاہ ہوا تو آپ نے پورا وسق اسے مزید دے کر فرمایا کہ آدھا تو قرض کے بدلے میں ہے اور باقی نصف انعام۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جود و کرم میں بے شمار روایات ہیں۔

شجاعت و دلیری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شجاعت و دلیری میں جو شہرۂ آفاق مقام ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ آپ انتہائی خطرناک مقامات پر بھی بے دھڑک تشریف لے جاتے اور متعدد نامی گرامی پہلوان آپ سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے جبکہ آپ ثابت قدم رہتے بلکہ آگے ہی بڑھتے چلے جاتے اور پیچھے کبھی نہ ہٹے۔ کوئی ایسا بہادر دیکھا نہ گیا جس نے آپ کے مقابلے پر آ کر شکست نہ کھائی ہو۔ حالانکہ آپ نے کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حنین کی لڑائی میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ڈٹے رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگ کے خچر پر سوار دیکھا، جس کی باگ ابوسفیان بن حارث نے تھام رکھی تھی، آپ اس وقت میدانِ جنگ میں بار بار یہ فرما رہے تھے: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ (میں نبی ہوں، یہ جھوٹی بات نہیں)۔ دوسرے راوی نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ آپ اس وقت یہ بھی فرما رہے تھے: اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)۔ اس روز ہم نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ دلیر نہیں دیکھا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کے مابین لڑائی ہوئی تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت سواری کو ایڑھ لگا کر کفار کی جانب بڑھا رہے تھے۔ میں سواری کی لگام پکڑ کر روک رہا تھا مبادا تیزی سے زیادہ آگے نہ نکل جائے۔ ابوسفیان بن حارث رکاب کو پکڑے ہوئے تھے۔ آپ برابر آگے بڑھتے اور مسلمانوں کو جوش دلانے کی خاطر بار بار للکارتے تھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی غصے کا اظہار فرماتے تو صرف حقوق اللہ کے سلسلے میں اور اپنے کسی ذاتی معاملے کی بنا پر تو کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ بہادر اور سخی نہیں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کا میدان شدت اختیار کر جاتا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پناہ لیا کرتے تھے۔

ایسے مواقع پر تمام مجاہدین کی نسبت آپ دشمنوں کے زیادہ نزدیک ہوتے تھے۔ جنگِ بدر میں ہم آپ کی پناہ میں تھے حالانکہ آپ کفار کے بالکل قریب پہنچے ہوئے تھے۔ اس روز آپ نے سارے مجاہدین سے بڑھ کر جنگ آزمائی کی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب لشکرِ کفار عین سر پر آ پہنچتا تو اس وقت جو مجاہد آپ کے قریب ہوتا اسے بہادر شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے حسین، سب سے بہادر اور سب سے سخی تھے۔ ایک روز اہل مدینہ بہت گھبرائے کیونکہ شہر سے باہر ایک ہولناک آواز سنی گئی تھی۔ کتنے ہی حضرات اس آواز کی جانب بھاگے دوڑے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ گلے میں تلوار لٹکا کر اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر حالات کا جائزہ لینے سب سے پہلے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر آپ نے فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لشکرِ کفار جب نزدیک آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے اس پر حملہ آور ہوتے تھے۔ جنگِ احد میں ابی بن خلف نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ اگر آج وہ بچ کر نکل گئے تو میری خیر نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اس سے پہلے وہ جنگِ بدر میں قید ہوا اور فدیہ لے کر اسے بھی چھوڑ دیا گیا تھا، تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ میں نے لڑائی کے لیے ایک گھوڑا رکھا ہوا ہے، جسے ہر روز چار سیر دانہ کھلاتا ہوں، اسی پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تجھے میں قتل کروں گا۔ احد کی جنگ میں ابی بن خلف اسی گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ پر سخت حملہ کیا۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے مقابلے پر آ گئے، لیکن آپ نے انہیں درمیان سے ہٹ جانے کا حکم دیا اور حارث بن صمہ کا نیزہ لے کر پہلے اسے خوب حرکت دی۔ جب صحابہ کرام درمیان سے ہٹ گئے تو آپ ابی بن خلف کے مقابلے پر معرکہ آراء ہو گئے اور اس کی گردن پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کی پسلی توڑ دی۔ جب وہ لشکرِ کفار میں واپس پہنچا تو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ کافر اسے تسلی دیتے ہوئے کہتے تھے کہ تمہیں کون سا کاری زخم آ گیا ہے؟ ابی بن خلف نے کہا کہ اگر تمام لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا جو میرے ساتھ ہوا ہے تو وہ سب کو قتل کر دیتے۔ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ خدا کی قسم، اگر وہ کسی پر تھوک بھی دیں تو ہلاک کرنے کے لیے یہی کافی

ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کی جانب لوٹتے وقت وہ سرف کے مقام پر دم توڑ گیا تھا۔

حیا اور چشم پوشی

سرورِ کون و مکاں ﷺ سب سے بڑھ کر صاحب حیا تھے اور عورتوں سے بھی زیادہ چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ‏(احزاب:53)

''بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی، پھر بھی وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ شرم و حجاب میں کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر تھے۔ جب آپ کسی بات کو ناپسند فرماتے تو ہم چہرے کے آثار سے پہچان لیتے تھے۔ آپ لطیف اور نرم و نازک بشرہ والے تھے۔ اگر کوئی کراہت والی بات دیکھتے تو حیا اور کریم النفسی کے باعث اس سے اس سلسلے میں گفتگو نہ فرماتے۔ جب کسی کی ناگوار گفتگو آپ تک پہنچتی تو آپ یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے، جو یہ کچھ کہتا ہے، بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے جبکہ وہ ایسا کرتے یا کہتے ہیں گویا اس ناپسندیدہ فعل سے منع فرمادیتے اور فاعل کا نام تک ظاہر نہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ایسا شخص آیا، جس کے جسم پر زرد نشان لگا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے کچھ نہ کہا، کیونکہ کسی کی ناپسندیدہ بات دیکھ کر آپ اسے مخاطب نہیں فرمایا کرتے تھے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس سے کہہ دینا، اس رنگ کو اپنے جسم یا کپڑوں سے دھوڈالے۔ صحیح حدیث میں ہے: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ بیہودہ الفاظ کبھی استعمال نہیں کرتے تھے، نہ تکلف فرماتے، نہ بازاروں میں چلاتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیتے۔ توریت شریف میں بھی آپ کے یہ اوصاف مذکور ہیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے روایت ہے کہ حیا کے باعث آپ کسی کی جانب ٹکٹکی باندھ کر نہیں دیکھتے تھے۔ جس سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے اور اس سے کسی خاص وجہ سے کلام کرنا ضروری ہوجاتا تو اشاروں کنایوں میں گفتگو کرتے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آپ کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

حُسنِ معاشرت

نبی کریم ﷺ نے معاشرت میں جو اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا اس کے متعلق بے شمار احادیث صحیحہ

منقول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی مدح وثنا میں فرمایا ہے کہ آپ سب لوگوں سے بڑھ کر وسیع القلب، گفتگو میں سچے، نرم طبیعت والے اور ذرہ نواز تھے۔ ابوداؤد نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ پھر پورا واقعہ بیان کیا اور آخر میں فرمایا کہ جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو والد ماجد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری پر کپڑا ڈالا اور آپ کے نزدیک لے آئے۔ جب آپ سوار ہو گئے تو والدِ محترم نے فرمایا اے قیس! تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاؤ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے سوار ہونے کے لئے فرمایا۔ میں نے از راہِ ادب انکار کیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ یا واپس ہو جاؤ۔ مجبوراً میں واپس لوٹ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کسی سے نفرت نہ کرتے بلکہ تالیفِ قلوب فرمایا کرتے تھے۔ ہر قوم کے معزز افراد کا اِکرام فرماتے اور ایسے ہی اشخاص کو ان پر حاکم مقرر کرتے، لوگوں کو خوفِ خدا سے ڈراتے، عام لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرتے لیکن کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آتے۔ اپنے اصحاب کے ہاں بھی تشریف لے جاتے۔ ہر شریک مجلس کو اس کی شان کے مطابق حق دیتے۔ شمعِ رسالت کا ہر پروانہ یہی گمان کرتا تھا کہ خصوصی نظر کرم میری جانب ہے۔ جب آپ کسی کو اپنے پاس بٹھاتے یا کوئی شخص اپنی حاجت لے کر آتا تو آپ اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہتے جب تک وہ شخص خود اجازت حاصل نہ کرتا۔ اگر کوئی حاجت پیش کرتا تو اسے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ کچھ بھی میسر نہ آتا تو دل نواز سخن سے مالا مال فرما دیتے۔ آپ تمام لوگوں سے وسیع القلب اور وسیع الاخلاق تھے۔ آپ سب کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے اور سب کے حقوق آپ کی نظر میں یکساں تھے۔ اسی لیے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی توصیف کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ پھول کی مانند کھلے رہتے، خوش اخلاق اور نرم خو تھے۔ آپ بداخلاق، سنگدل، بازاروں میں آواز بلند کرنے والے، گالی گلوچ سے کام لینے والے، دوسروں میں کیڑے نکالنے والے، اور چاپلوس وغیرہ ہرگز نہیں تھے۔ جس چیز کی ضرورت نہ ہوتی اس کی جانب توجہ نہ فرماتے۔ کوئی طلبگار اس بارگاہِ بیکس پناہ سے مایوس نہ لوٹتا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ (آل عمران: 159)

”تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے“۔

دوسرے مقام پر اسی سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ یوں ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ (المومنون: 96)

6

''سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو''۔

اگر کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو ضرور قبول فرماتے۔ ہدیہ اگر چہ کتنا ہی ہلکا کیوں نہ ہوتا، قبول فرما لیتے اور اس کا بدلہ دیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی لیکن مجھے آپ نے کبھی اف تک نہ کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اور اگر میں نے کوئی کام نہ کیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام کیوں نہ کیا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بہتر کسی کا اخلاق نہیں تھا۔ جب بھی آپ کے صحابہ یا اہل بیت میں سے کسی نے آپ کو بلایا تو فوراً تشریف لے جاتے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی مجھے آپ نے اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرمایا اور جب بھی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو تبسم فرماتے ہی دیکھا۔ فخرِ دوعالم ﷺ اپنے اصحاب کی دلنوازی فرماتے، ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کرتے، ان کے بچوں کی دلجوئی کرتے اور انہیں گود میں اٹھالیا کرتے تھے۔ ہر آزاد، غلام، لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمالیتے۔ مدینہ منورہ کے کسی گوشے میں بھی کوئی بیمار پڑ جاتا تو اس کی عیادت کرتے اور عذر خواہ کا عذر قبول فرمالیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص آپ کے گوش مبارک سے بات کرنے کی خاطر منہ لگاتا تو آپ سر کو ہرگز پیچھے نہیں ہٹاتے تھے، یہاں تک کہ وہ شخص خود ہٹ جاتا۔ جب بھی کسی نے آپ کے دست مبارک کو پکڑا تو آپ نے کبھی اپنا ہاتھ نہ چھڑایا جب تک وہ خود نہ چھوڑتا۔ صحابہ کرام سے مصافحہ کرنے میں پہل کرتے۔ جب بھی کوئی شخص ملتا تو رسول اللہ ﷺ اسے پہلے سلام کرتے۔ اپنے اصحاب کے درمیان کبھی اس طرح پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھے جس سے دوسرے کو تنگی ہو۔ جو شخص آپ کے پاس حاضر ہوتا اس کی عزت کرتے۔ بعض اوقات کپڑا پھیلا دیتے اور اپنا تکیہ عنایت فرما دیتے۔ اگر کوئی صحابی انکار کرتا تو آپ اصرار کر کے بٹھاتے اور قسم تک دیتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ پیارے پیارے ناموں سے پکارتے، کسی کی بات کو نہ ٹوکتے۔ اگر کوئی کلام تجاوز کرتا تو اسے روک دیتے یا خود اٹھ کر چلے جاتے۔ دوسری روایت میں متنبہ کرنے یا اٹھ جانے کا ذکر ہے۔ روایت ہے کہ کوئی شخص کسی حاجت کے پیشِ نظر آپ کے پاس آکر بیٹھ جاتا اور آپ اس وقت نماز پڑھ رہے ہوتے تو نماز کو مختصر فرما دیتے تھے۔ اس کی ضرورت معلوم کر کے پہلے اسے فارغ کرتے پھر نماز میں مشغول ہوتے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نزولِ قرآن، وعظ اور خطبے کے علاوہ آپ متبسم اور ہشاش بشاش نظر آتے۔ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تبسم کا خوگر اور کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

كَانَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ يَأْتُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَآءُ فَمَا يَأْتُوْنَهٗ بِاٰنِيَةٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا وَرُبَّمَا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ يُرِيْدُوْنَ التَّبَرُّكَ۔ (ص ۲۸)

"جب آپ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ منورہ کے خدام اور بچے اپنے اپنے برتن لے کر حاضر ہو جاتے، جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا تھا۔ جو پانی کے برتن وہ لاتے ان میں آپ دستِ مبارک ڈبوتے جاتے حالانکہ بعض اوقات سخت سردی بھی ہوتی۔ اس طرح وہ برکت حاصل کرتے تھے"۔

مخلوقِ خدا پر شفقت و رحمت

اس بارے میں خود باری تعالیٰ شانہٗ نے یوں آپ کی تعریف بیان فرمائی ہے:

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

"جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان"۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء:107)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے مخصوص فضائل سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام آپ کو عطا فرمائے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ میرا محبوب ایمان والوں پر رؤف و رحیم ہے۔ امت پر آپ کس درجہ مہربان تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ جب قریش نے آپ کی تکذیب کی اور پیغامِ الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو جبریل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جواب کو سن لیا ہے جو قوم کی طرف سے آپ کو ملا ہے۔ پروردگارِ عالم نے پہاڑوں کے نگران فرشتے کو بھیجا ہے، جو بھی آپ حکم فرمائیں گے، یہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ مَلکِ جبال نے بارگاہِ بیکس پناہ میں سلام عرض کیا اور کہا کہ حضور! اگر آپ فرمائیں تو تعمیلِ ارشاد میں مکہ مکرمہ کے پہاڑ کو اٹھا کر کافرانِ قریش پر رکھ دوں۔ یہ سماعت فرما کر اس مجسمہ رحمت

نے صفحہ تاریخِ عالم پر یہ عظیم الشان فیصلہ ثبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور صرف ایک خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کریں گے۔ میں اس بارے میں پرامید ہوں۔

ابن مکندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرتِ روح الامین علیہ السلام نے بارگاہِ مصطفوی میں عرض پیش کی کہ اللہ رب العزت نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو حکم فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے بارے میں دُور رس نتائج پر نظر رکھے ہوئے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق مرحمت فرما دے(1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو امور میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم ملا تو آپ آسان ہی کو اختیار فرماتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پریشان خاطر ہونے کے خوف سے گاہے بگاہے ہماری دلجوئی فرماتے رہتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز میں ایسے اونٹ پر سوار ہوگئی جس میں شدت تھی۔ میں نے اسے اِدھر اُدھر دوڑانا شروع کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔

وفا، ایفائے عہد، صلہ رحمی

ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ بن ابی حمساءؓ سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے آپ کے ساتھ خرید و فروخت کی تھی۔ آپ کا کچھ مال میرے ذمے باقی رہ گیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ابھی لے کر حاضر ہوتا ہوں، آپ اسی جگہ تشریف رکھیں۔ میں اس وعدے کو بھول گیا اور تین روز کے بعد مجھے یاد آیا تو مال لے کر آپ کی جانب چل پڑا۔ دیکھا کہ آپ اسی جگہ انتظار فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے نوجوان! تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا، میں یہاں تین روز سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب ہدیہ پیش کیا جاتا تو فرماتے: اسے فلاں عورت کے گھر پہنچا دو کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی ہے اور ان سے محبت کیا کرتی تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جتنا غبطہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کیا کرتی اتنا کسی دوسری عورت پر نہیں کیا کیونکہ میں سنتی تھی رسول

1۔ خطا کار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا (حالی)

اللہ ﷺ اکثر ان کا تذکرہ فرماتے۔ آپ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کے لیے ہدیہ بھیجتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ نے ایک دفعہ دروازے پر اجازت طلب کی تو آپ ان کی آواز سن کر بیحد خوش ہوئے اور ان کی جانب لپکے۔ اسی طرح ایک عورت آپ کے پاس آئی تو بڑے احسن طریقے سے اس کا حال دریافت فرمایا اور جب وہ چلی گئی تو فرمایا: یہ خدیجہ کے زمانے میں آیا کرتی تھی اور حسنِ عہد ایمان کی نشانی ہے۔

بعض حضرات نے آپ کے اوصاف میں بیان کیا ہے کہ آپ ذی رحم میں صلہ رحمی فرماتے لیکن ان میں افضلیت کا لحاظ ضرور کرتے تھے۔ آپ نے اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اٹھا کر نماز پڑھی۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو انہیں زمین پر اتار دیتے اور جب قیام کرتے تو پھر اٹھا لیتے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کی بارگاہ میں نجاشی (شاہِ حبشہ) کا وفد آیا تو آپ نے ان کی خاطر داری فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! خدمت کے لیے ہم کافی ہیں۔ تاجدارِ دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے ملک میں ہمارے ساتھیوں کی دل کھول کر خاطر و مدارت کی تھی، میں اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔

قبیلہ ہوازن کے قیدیوں میں آپ کی رضاعی ہمشیرہ شیما بھی تھیں۔ آپ نے انہیں پہچان لیا اور ان کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر تم ہمارے پاس رہنا چاہتی ہو تو بڑے اعزاز و اکرام سے رکھا جائے گا اور اگر واپس جانا چاہو تو مع اپنے ساز و سامان واپس جاسکتی ہو۔ انہوں نے اپنی قوم میں واپس جانا پسند کیا تو آپ نے کافی سامان دے کر انہیں واپس بھیج دیا۔ حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی۔ جب قریب ہوئی تو آپ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ وہ بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ ہے۔

عمرو بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ایک روز تشریف فرما تھے کہ آپ کا رضاعی باپ آگیا، تو آپ نے ان کے لیے کپڑا بچھا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رضاعی والدہ آگئیں، ان کے لیے کپڑے کا دوسرا حصہ پھیلا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ ان کے بعد آپ کا رضاعی بھائی آگیا، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔ رسول کریم ﷺ اپنی رضاعی والدہ ثوبیہ کے لیے کپڑے بھیجا کرتے تھے، جنہیں ابولہب نے آزاد کر دیا تھا۔ جب وہ فوت ہو گئیں تو آپ نے ان کے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ ان کا کوئی قریبی رشتہ

نہیں ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرورِ کون ومکاں ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپ مطمئن رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، عاجزوں سے بوجھ دور ہٹاتے، غرباء کو مال مرحمت فرماتے، مہمان نوازی کرتے اور حقوق اللہ میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ ورقہ بن نوفل نے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کے یہی اوصاف بیان کیے تھے جن کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اظہار فرمایا ہے۔

تواضع اور انکساری

نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ متواضع تھے۔ اس بارے میں طالبِ حقیقت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ نبی بادشاہ ہونا چاہتے ہیں یا نبی عبد۔ آپ نے نبی عبد بننے کو پسند فرمایا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اس وقت کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تواضع کے باعث یہ مقرر فرمایا ہے کہ قیامت میں جملہ بنی آدم کے سردار آپ ہوں گے، سب سے پہلے آپ قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے اور سب سے پہلے آپ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔

ابوداؤد نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصائے مبارک پر ٹیک لگاتے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم تعظیم بجالانے کی خاطر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا: عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہوا کرو جو آپس میں ایک دوسرے کی غایت درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ جیسے دوسرے بندے کھاتے ہیں میں بھی کھاتا ہوں اور جس طرح دوسرے بیٹھتے ہیں ویسے ہی میں بیٹھتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ گدھے کی سواری بھی فرمالیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ سواری پر دوسرے کو بٹھا بھی لیتے تھے۔ مساکین کی تیمارداری کرتے اور غریبوں کی مجلس میں بیٹھ جاتے۔ غلاموں کی دعوت بھی قبول فرمالیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اکثر مجالست رکھتے اور مجلس میں ان کے درمیان جہاں جگہ ملتی رسول اللہ ﷺ وہیں بیٹھ جاتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں اس قدر مبالغہ نہ کرنا جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا تھا (یعنی انہیں خدا کا بیٹا کہنے لگے) میں تو خدا کا بندہ ہوں۔ میرے متعلق یہی کہنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کم عقل عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور

کہنے لگی کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔آپ نے فرمایا: اے فلاں کی والدہ! بیٹھ جاؤ، مدینہ منورہ میں جہاں بھی آپ کا کام ہوگا، پورا کروں گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ جب تک اس عورت کی حاجت پوری نہ ہو گئی اس وقت تک بیٹھی رہی اور رسول اللہ ﷺ بھی اس وقت تک وہیں تشریف فرما رہے(1)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر بھی سواری فرمالیا کرتے تھے اور غلاموں تک کی دعوت قبول کرنے میں تأمل نہیں ہوتا تھا۔جس روز بنی قریظہ قتل ہوئے اس روز آپ ایک ایسے گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کی رسیوں کا پالان تھا۔اگر جو کی روٹی یا رنگ بدلی ہوئی چربی سے پکایا ہوا کھانا کھانے کے لیے بھی آپ کو بلایا جاتا تو انکار نہ کرتے۔

ان سے یہ روایت ہے کہ حج کے وقت رسول اللہ ﷺ ایسے کجاوے پر جلوہ افروز تھے جس کے اوپر معمولی سی چادر تھی، جس کی قیمت صرف چار درہم تھی۔اس موقع پر آپ نے دعا کی کہ اے پروردگار! یہ فریضہ حج ریاکاری سے قطعاً خالی رہے۔اس موقع پر بہت فتوحات ہوئیں۔ایک سو اونٹوں کا ہدیہ بھی آپ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تھا۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ لشکرِ اسلام کو لے کر فاتحانہ داخل ہو رہے تھے تو تواضع سے سواری پر اپنا سر اقدس اتنا جھکایا ہوا تھا کہ گھٹنوں سے لگتا تھا۔آپ کی تواضع کا حال تو یہ ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور انبیائے کرام میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو اور مجھے موسیٰ علیہ السلام سے نہ بڑھاؤ۔ابراہیم علیہ السلام سے ہم شک کے زیادہ حقدار ہیں۔جتنی تکالیف یوسف علیہ السلام کو زنداں میں اٹھانی پڑیں اگر میں ان سے دوچار ہوتا تو داعی اجل کو لبیک کہہ جاتا۔ایک شخص نے مخاطبے کے وقت آپ کو یَا خَیْرَ الْبَرِیَّہ (اے ساری مخلوق سے بہتر) کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے مصداق ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

یہ تمام ارشادات تواضع کے طور پر فرمائے ہیں ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ آپ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ، امام حسن، ابوسعید اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی روایات میں آپ کی افضلیت مذکور ہے۔

بعض حضرات کے ارشادات میں آپ کی تواضع کا مزید بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھریلو کاموں میں بھی مشغول ہو جاتے، اپنے کپڑے کی اصلاح کر لیتے، بکری دوہتے، کپڑے کو پیوند لگا لیتے، نعلین مبارک کی سلائی کر لیتے، اپنا ذاتی کام خود کرتے، گھر کا انتظام کرتے، اونٹ کو خود باندھتے،

1۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا   مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   (حالی)

ہوتی کے آگے چپ رہ کر نہ رہتے، نوکر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے بلکہ اس کے ساتھ آٹا گوندھ لیتے اور بازار سے اپنا سودا سلف خود اٹھا کر لے آتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے اگر کوئی آپ سے اعانت و مدد کی طلبگار ہوتی تو آپ اس کی اعانت فرماتے، جہاں وہ لے جانا چاہتی وہاں تشریف لے جاتے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ ایک شخص حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوا تو آپ کی ہیبت سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حبیبِ پروردگار ﷺ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوں؟ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بازار گیا، آپ نے شلوار کے لیے کپڑا خریدا۔ رقم گننے والے سے فرمایا کہ قیمت ادا کر دو بلکہ کچھ زیادہ دے دو۔ حضرت ابو ہریرہ نے سارا واقعہ بیان کیا اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ وہ دکاندار رسول اللہ ﷺ کے دستِ کرم کو بوسہ دینے کے لیے لپکا تو آپ نے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو اہل عجم کا وطیرہ ہے۔ وہی اپنے بادشاہوں کی ایسی تعظیم کرتے ہیں۔ میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوں بلکہ میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں۔ اس کے بعد آپ نے کپڑا اٹھا لیا۔ میں اٹھانے کے لیے بڑھا تو آپ نے فرمایا کہ مالک اپنی چیز کو اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

عدل، امانت، عفت، صداقت

رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر امین اور قول کے سچے تھے۔ آپ کے مخالفین و اعداء کو بھی اس امر کا اعتراف تھا چنانچہ وہ اعلان نبوت سے پہلے آپ کو امین کہا کرتے تھے۔ ابو اسحٰق کا قول ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے چونکہ رسول اللہ ﷺ کو اخلاقِ صالحہ کا مجموعہ بنایا تھا، بایں وجہ آپ کو امین کہا جاتا تھا۔ اکثر مفسرین نے مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ؕ (تکویر: 21) ”اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ امانت دار ہے“۔ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات مراد لی ہے۔

تعمیرِ کعبہ کے وقت جب قریش میں اختلاف رونما ہوا۔ وجہ اختلاف یہ تھی کہ حجرِ اسود کو اٹھا کر کون اس جگہ پر رکھے گا۔ آخر سب اس بات متفق ہو گئے کہ (کل) جو بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہو وہی حجرِ اسود کو رکھے گا۔ چنانچہ سرورِ کون و مکاں ﷺ سب سے پہلے داخل ہوئے حالانکہ یہ آپ کے عہدِ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی اس اعزاز کا اولین حق دار ٹھہرایا اور مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم اس قدرتی فیصلے پر دل وجان سے راضی ہیں۔

ربیع بن خثیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ طلوع اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں لوگ آپ سے فیصلے کروایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں آسمانوں اور زمین میں امین ہوں۔ ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب تو نہیں کرتے ہاں جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں اسی کو جھٹلاتے ہیں۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ (انعام:33)"تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے اور نہ ہم میں کوئی آپ کو جھٹلانے والا ہے۔ اخنس بن شریق جنگِ بدر کے موقع پر ابوجہل سے ملا اور کہنے لگا کہ اے ابوالحکم! (دورِ جاہلیت میں یہ قوم کی جانب سے ابوجہل کا لقب تھا) یہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی ہماری گفتگو سننے والا نہیں، لہٰذا اس خلوت میں مجھے حقیقت سے مطلع فرمایئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا: خدا کی قسم محمد سچے ہیں۔ جھوٹ تو محمد نے کبھی بولا ہی نہیں۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

ہرقل (شاہِ روم) نے ابوسفیان سے پوچھا کہ ان (نبی کریم ﷺ) کے اعلانِ نبوت سے پہلے کیا تم نے یہ دیکھا کہ ان پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ایسا تو قطعاً نہیں ہوا۔ نضر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش سے کہا کہ تمہارے درمیان محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کم عمر تھے تو ان کی گفتگو تمہیں سب سے پیاری لگتی تھی اور تم ان کی ہر بات کو سچی جانتے اور انہیں سب سے بڑا امانت دار (امین) کہتے تھے لیکن جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے اور تمہارے پاس کلامِ الٰہی لے کر آئے تو انہیں جادوگر بتانا شروع کر دیا حالانکہ خدا کی قسم وہ جادوگر ہرگز نہیں ہیں۔

حدیث شریف میں ان سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس سے کسی اجنبی عورت کو کبھی نہیں چھوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توصیفِ مصطفیٰ ﷺ میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گفتگو میں سب سے سچے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا تو آپ نے صرف اتنا فرمایا: (1) تجھ پر افسوس ہے، اگر میں انصاف نہ کروں تو انصاف اور کون کرے گا؟ اگر میں انصاف سے کام نہ لوں تو سراسر میرا ہی نقصان ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو میں سے ایک کام کرنے کا اختیار دیا تو آپ نے آسان ہی کو اختیار فرمایا جبکہ اس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ

1۔ خطا کار سے درگزر کرنے والا — بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

ہو ورنہ آپ اس سے کوسوں دور رہتے۔

ابوالعباس مبرد نے کہا کہ کسریٰ (شاہِ ایران) نے اپنے دنوں کی تقسیم کر رکھی تھی۔ جس روز ہوا چلتی وہ سونے کا دن تھا، مطلع ابر آلود ہو اس روز شکار، بارش کے دن مے نوشی اور عیش و عشرت کے لیے اور جس روز مطلع صاف ہوتا وہ دن کام کاج یعنی امور مملکت انجام دینے کے لیے مقرر تھا۔ ابن خالویہ نے کہا کہ وہ دنیاوی سیاست سے بھی بے بہرہ نکلا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (الروم:7)

''جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیاوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں''۔

لیکن ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے دن کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہوا تھا ایک حصہ عبادتِ الٰہی کے واسطے، دوسرا اہل و عیال کے لیے اور تیسرا اپنے واسطے تھا۔ اپنے وقت کو بھی اپنی ذات اور لوگوں کے مابین تقسیم کیا ہوا تھا نیز خاص لوگوں کو عوام الناس کی دستگیری کا حکم دے رکھا اور تلقین فرمائی تھی کہ جو شخص اپنی حاجت ہماری بارگاہ تک نہ پہنچا سکے اس کی حاجت روائی کرو کیونکہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی حاجت کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خطراتِ محشر سے امن دے گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کو دوسرے کی غلطی کے بدلے نہ پکڑتے تھے اور نہ کسی کی دوسرے سے تصدیق کرواتے تھے۔ ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت کے کسی معمول کا کبھی قصد بھی نہیں فرمایا، ماسوائے دو مواقع کے لیکن ان دونوں موقعوں پر جب میں نے ارادہ کیا تو مشیتِ خداوندی درمیان میں حائل ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے کبھی کسی ناپسندیدہ کام کا قصد بھی نہیں فرمایا، یہاں تک کہ پروردگارِ عالم نے مجھے نبوت و رسالت کے ساتھ معزز و مکرم فرمایا۔ وہ دو چیزیں جن کا میں نے قصد کیا تھا کہ ایک لڑکا میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز میں نے اس سے کہا کہ آج میری بھی بکریوں کی نگرانی کرنا کیونکہ میں مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہوں۔ وہاں نوجوانوں میں بیٹھ کر دل لگی کی باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔ اسی مقصد کے تحت میں شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ مکہ مکرمہ کے پہلے ہی مکان سے دف اور مزامیر بجائے جارہے تھے کیونکہ شادی کی تقریب تھی۔ میں سننے کے لیے نزدیک ہی بیٹھ گیا لیکن حیران تھا کہ میری قوتِ سامعہ جواب دے گئی تھی اور اس کے بعد مجھ نیند آ گئی یہاں تک کہ

سورج کی گرمی نے ہی مجھے بیدار کیا۔غرضیکہ جیسا میں آیا تھا ویسا ہی واپس لوٹ گیا اور کچھ بھی نہ سن سکا۔اس قسم کا واقعہ دوسری مرتبہ پیش آیا۔ان کے علاوہ کبھی میں نے کسی برے کام کا ارادہ تک نہیں کیا۔

وقار، خاموشی، سنجیدگی، مروّت اور حسن سلوک

ابوداؤد نے خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ اپنی مجلس میں کبھی پاؤں نہ پھیلاتے بلکہ سب سے زیادہ باوقار نظر آتے تھے۔ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول معظم ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء فرمایا کرتے تھے اور اکثر وبیشتر آپ اسی طرح بیٹھتے تھے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دونوں گھٹنوں کا گھیرا کر لیتے اور زانوؤں کو کھڑا رکھتے۔(اسی کو احتباء کہتے ہیں)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ چار زانو بھی بیٹھ جاتے تھے اور کبھی کبھار دونوں گھٹنوں اور زانوؤں کو پیٹ سے ملا کر بھی بیٹھتے تھے۔

آپ عموماً خاموش رہتے اور ضرورت کے بغیر کلام نہ فرماتے۔اگر کوئی شخص سنجیدگی سے گفتگو نہ کرتا تو اس کی جانب سے منہ پھیر لیتے۔آپ کا ہنسنا تبسم تک محدود تھا۔کلام واضح ہوتا۔اس میں کوئی بے مقصد بات ہوتی نہ کسی قسم کی کمی۔آپ کی تعظیم اور اتباع کے باعث صحابہ کرام کا ہنسنا بھی بارگاہِ مصطفوی میں صرف تبسم کی حد تک رہتا تھا آپ کی محفل حلم وحیاء اور خیر وخوبی کا مرقع ہوتی بارگاہ مصطفوی میں آوازیں بلند کرنے یا کسی کے خلاف الزام تراشی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔جب وہ معلمِ کائنات اپنی زبان حق ترجمان سے علم وحکمت اور رشد وہدایت کے گوہر لٹاتا تو سامعین حضرات اپنے سر جھکا لیتے اور اس طرح ہمہ تن گوش ہو کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آگے کی جانب قدرے جھک کر آرام سے چلتے تھے، جیسے چڑھائی سے اترائی کی جانب آتے ہیں۔دوسری حدیث میں ہے کہ آپ چلتے وقت ہوشیار رہتے تھے کیونکہ اس سے کسی قسم کی تنگی اور سستی نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھی ہدایت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہدایت ہے۔حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کے کلام میں آہستگی اور ترتیل تھی۔ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خاموشی حلم، احتیاط، تدبر اور تفکر کی آئینہ دار ہوتی تھی۔ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی آپ کے کلمات کو شمار کرنا چاہے تو شمار

کر سکتا تھا۔

آپ کو خوشبو سے محبت تھی اور اس کا بکثرت استعمال کرتے تھے۔خوشبو کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے کہ تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے دو چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے یعنی عورتوں اور خوشبو کی، لیکن میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔آپ کی مروت کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک مارنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور اپنے سامنے سے کھانے کی تلقین فرمایا کرتے۔ مسواک کرنے، ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو صاف رکھنے اور خصائلِ فطرت کو معمول بنانے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔براجم اور رواجب سے مراد انگلیوں کی گرہیں (گانٹھیں) ہیں، ہتھیلی کے اندر اور باہر دونوں جانب سے صفائی رکھنی چاہیے اور فطرتی یا پیدائشی خصائل دس ہیں، جن میں سے مونچھوں کو کٹوانا، بغلوں کے بال اکھاڑنا اور زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرنا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

رسول اللہ ﷺ کے زہد کے بارے میں طالبِ حقیقت کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ دنیا کے مال و متاع اور اس کی آرائشوں سے آپ نے ایسی حالت میں بھی اجتناب فرمایا جبکہ وہ آپ کے قدموں میں بکھری پڑی تھی اور پے درپے فتوحات ہو رہی تھیں۔حتیٰ کہ اس بے رغبتی کی حالت میں آپ نے دنیا کو خیر باد کہا اور اس وقت خانگی اخراجات کے باعث آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔آپ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم) کو اتنا رزق دے کہ وہ اپنی زندگیاں باقی رکھ سکیں۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن کھانا نہیں کھایا۔دوسری روایت میں ہے کہ کبھی متواتر دو دن سیر ہو کر جو کی روٹی نہیں کھائی، حالانکہ اگر آپ چاہتے تو باری تعالیٰ شانہٗ اتنا عطا فرماتا رہتا کہ وہم و گمان بھی اس کا اندازہ نہ کر سکتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آلِ رسول اللہ ﷺ نے کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی، یہاں تک کہ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت وصال نہ تو ترکے میں درہم و دینار چھوڑے اور نہ اونٹ بکری وغیرہ۔

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے کوئی ترکہ

نہیں چھوڑا، وصال کے وقت آپ کے جنگی ہتھیار تھے، ایک خچر تھا اور کچھ زمین تھی لیکن یہ تمام چیزیں صدقے کے طور پر لوگوں کو عنایت فرمادی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے وقت میرے گھر میں صرف تھوڑے سے جو تھے جنہیں میں نے کھٹلیا میں ڈالا ہوا تھا، ان کے علاوہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا:

اِنِّیْ عُرِضَ عَلَیَّ اَنْ تُجعَلَ لِیْ بَطْحَآءُ مَکَّۃَ ذَھَبًا فقلتُ لَا یَارَبِّ اَجُوْعُ یَوْمًا وَاَشْبَعُ یَوْمًا۔فَاَمَّا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَجُوْعُ فیه فَاَتَضَرَّعُ الیکَ وَاَدْعُوْکَ وَاَمَّا الیومُ الّذی اَشْبَعُ فیهِ فَاَحْمَدُکَ وَاُثْنِیْ عَلَیْکَ۔(ص۔۳۳)

"میرے سامنے یہ پیشکش رکھی گئی کہ میرے لیے مکہ مکرمہ کی وادی سونے کی بنا دی جائے۔ میں نے گزارش کی: اے رب! میں ایک روز بھوکا اور دوسرے روز شکم سیر رہنا چاہتا ہوں کیونکہ جس روز میں بھوکا رہوں گا تو تیری بارگاہ میں گریہ وزاری پیش کروں گا اور دستِ دعا دراز کیا کروں گا اور جس روز سیر ہوں گا تو تیری حمد وثنا بیان کروں گا۔"

دوسری حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُقْرِءُکَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لَکَ اَتُحِبُّ اَنْ اَجْعَلَ ھٰذَا الْجِبَالَ ذَھَبًا وَتَکُوْنَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ فَاَطْرَقَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم یَا جِبْرِیْلُ اِنَّ الدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَلَہٗ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَہٗ قَدْ یَجْمَعُھَا مَنْ لَا عَقْلَ لَہٗ فَقَالَ لَہٗ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ ثَبَّتَکَ اللّٰہُ یَا مُحَمَّدُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔(ص ۳۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے اس پہاڑ کو سونا بنا دیا جائے اور جہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوں یہ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے تھوڑی سی دیر سر جھکائے رکھا، پھر فرمایا: اے جبرئیل! دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں اور اس کا مال ہے جس کے پاس حقیقی دولت نہیں۔ اسے وہی شخص جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل وخرد کا توڑا ہو۔ جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ اے ممدوحِ پروردگار! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقت آشنائی والے مقام

پر ثابت قدم رکھا ہوا ہے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم ایسے آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کہ بعض اوقات سارا مہینہ گزر جاتا لیکن ہمارے گھر میں آگ روشن کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔صرف کھجوروں اور پانی ہی پر گزر اوقات ہوتی رہتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ فرمانے تک کبھی سیر ہو کر جو(1) کی روٹی بھی نہ کھائی اور یہی حالت آپ کے گھر والوں کی رہی۔اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ،ابوامالہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل و عیال بعض اوقات کئی کئی راتیں متواتر اس لیے بھوکے گزار دیتے کہ گھر میں شام کے کھانے کے لیے بھی کوئی چیز نہ ہوتی۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسترخوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ امراء کی طرح چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھاتے۔آپ کے لیے چپاتی کبھی نہیں پکائی گئی اور بکری کا بھنا ہوا گوشت تناول فرمانا بھی ناپسند تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس بچھونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے،وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر پر مشتمل تھا،جسے ہم دوہری کر کے بچھا دیا کرتے اور آپ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک رات ہم نے اس کی چار تہہ کر کے بچھا دیا۔صبح ہوتے ہی آپ نے فرمایا کہ آج رات میرے لیے کیا بچھایا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ اسی چادر کی چار تہیں کر دی تھیں۔فرمایا: اسے پہلی طرح ہی بچھایا کرو کیونکہ آج اس کی نرمی نے مجھے نماز سے روکنے کی کوشش کی تھی۔جب کبھی چار پائی پر آپ آرام فرما ہوتے جو کھجور کے پتوں کی رسی سے بُنی ہوئی ہوتی تو اس سے آپ کی کروٹوں میں نشان پڑ جایا کرتے تھے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور اس امر کا کسی سے کبھی تذکرہ بھی نہیں فرمایا کیونکہ فاقہ آپ کو شکم سیری سے زیادہ عزیز تھا۔جب کبھی آپ رات کو بھوکے سوتے تو اگرچہ ساری رات بھوک کے مارے بے قرار رہتے لیکن یہ

1۔مجددمأتہ حاضرہ نے یوں نذر عقیدت پیش کی ہے:۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا   اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

حالت بھی دن کو روزہ رکھنے کے ارادے میں حائل نہ ہو سکتی۔ اگر آپ چاہتے اور اپنے ربِ کریم سے سوال کرتے تو وہ منعمِ حقیقی آپ کو بے بہا زمین کے خزانے اور وافر پھل وغیرہ مرحمت فرماتا رہتا، جن کے باعث آپ آرام سے زندگی بسر فرماتے رہتے۔ آپ کے فاقہ کشی کی حالت کو دیکھ کر بعض اوقات میں رو پڑتی تھی اِدھر آنکھوں سے قطار اندر قطار آنسو گر رہے ہوتے اور اُدھر آپ کے شکم اطہر پر ہاتھ پھیرتی جاتی اور عرض گزار ہوتی کہ قربان جاؤں آپ دنیا سے کم از کم اتنا حصہ تو قبول فرمالیا کریں جس سے فاقے کی اذیت نہ اٹھانی پڑے تو آپ زبانِ حق ترجمان سے فرماتے کہ عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میرے بھائی اولوالعزم پیغمبروں نے اس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے اور جب باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو صبر و قناعت کے باعث وہ عز و شرف سے نوازے گئے اور اجرِ عظیم پایا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر دنیا کی زندگی آرام سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے ان سے کم اجر ملے گا جو میرے لیے یقیناً ندامت کا باعث ہوگا۔ مجھے خدا کے ان دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر کسی چیز کی رغبت نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ صرف ایک ماہ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

خوفِ خدا و کثرتِ عبادت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے رب سے ڈرنا، اس کے احکام کی اطاعت میں کوشاں رہنا اور کثرت سے عبادت کرنا، یہ اس مخصوص علم کے باعث تھا، جو باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مرحمت فرمایا تھا، اسی لیے تو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ سنن ترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں تفصیلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اطت السَّمَآءُ وَحَقٌّ لَّهَا اَنْ تط مَا فِيْهَا مَوْضَعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ تَعَالٰی وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَآءِ عَلَى الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصعدات تَجَارُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (ص ۳۴)

''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ بھی سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔آسمان چڑچڑاتے ہیں اور یہ درست ہے کیونکہ ان پر چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کسی فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی پیشانی سجدے میں رکھی ہوئی نہ ہو۔خدا کی قسم، جو میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تمہارا ہنسا گھٹ جاتا اور رونا بڑھ جاتا اور فرشِ زمین پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دیتے اور باری تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے''۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ اس کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔جب بارگاہِ رسالت میں یہ گزارش کی گئی کہ حضور! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے،تو اس فخرِ انسانیت نے جواب دیا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جملہ معمولات میں ہیشگی ہوتی تھی۔دوسرا کون شخص ہے جو ایسی طاقت رکھتا ہو؟ آپ فرماتی ہیں: سرورِ کون ومکاں ﷺ روزے رکھنے شروع کر دیتے تو ہمیں گمان گزرتا کہ اب افطار نہیں فرمائیں گے اور افطار کرتے تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ اب روزے نہیں رکھیں گے۔اسی کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر تو چاہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں تو یقیناً انہیں نماز پڑھتے ہوئے پائے گا اور تیری خواہش یہ ہو کہ آرام فرمانے کی حالت میں آپ کو دیکھوں تو آرام فرماتے ہوئے ہی نظر آئیں گے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سرورِ کون مکاں ﷺ کی خدمت میں موجود تھا۔آپ نے مسواک کی، پھر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔فخرِ دوعالم ﷺ نے نماز میں سورۂ بقرہ پڑھنی شروع کر دی اور اس طرح کہ رحمت کی آیت پر ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے۔اسی طرح عذاب کی آیت پر ٹھہر جاتے اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے۔سورۂ بقرہ اس طرح پڑھتے ہوئے جب ختم ہوئی تو آپ نے رکوع کیا اور رکوع کی حالت میں اُتنی ہی دیر رہے جتنی دیر قیام کیا تھا۔رکوع کی حالت میں یہ کہتے تھے سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظْمَةِ'' پاک ہے وہ ذات جو حقیقی طاقت، حکومت اور عظمت والی ہے''۔ پھر سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی پڑھتے رہے۔دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران کی تلاوت

کی، تیسری میں اس سے اگلی اور چوتھی میں اس سے اگلی پڑھی۔ قرأت کا طریقہ وہی تھا جو مذکور ہوا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں بھی اُتنی ہی دیر رہے جتنی دیر قیام کیا تھا اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی اسی قدر بیٹھے رہے آپ نے قیام کے دوران سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ پڑھی تھیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز پڑھنے میں مصروف ہوئے اور ساری رات ایک آیت کی بار بار تلاوت ہی میں گزار دی۔ حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ نماز پڑھنے میں مصروف تھے اور آپ کے شکم مبارک سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے ہانڈی کھولتی ہے۔ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اکثر غمناک اور دائم الفکر رہتے تھے۔ آپ کو آرام و راحت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا کہ میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے ایک سو مرتبہ بخشش ومغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ دوسری روایت میں ستر مرتبہ کا ذکر ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں نیک توفیق دے۔ جملہ انبیاء و مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی کمال تخلیق، حسنِ صورت، شرافتِ نسب، حسنِ اخلاق اور دیگر محاسنِ عالیہ میں یہی حالت تھی کیونکہ یہی اوصاف تو صفاتِ کمال ہیں لہٰذا حضرات انبیاء کرام ہر کمال، بشری اوصاف اور جملہ فضائل سے بھرپور ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مرتبہ سب سے بلند و بالا اور ان کا درجہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے لیکن فضائل کے میدان میں انہیں بھی پروردگارِ عالم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے آخری پیغام میں فرمایا کہ: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (بقرہ:253) یعنی یہ رسول ہیں ہم نے ان کے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے۔ اس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت احادیث نقل کی ہیں جو بعض انبیائے کرام کے فضائل وکمالات کو ظاہر کر رہی ہیں لیکن میں (تکرار کے خوف سے) ان کے نقل کرنے کی اس جگہ ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

شمائل نبوی اور دیگر متعلقہ اوصاف

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ قارئین کرام سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت بخشے، ہم نے آپ کے سامنے نبیِ آخرالزماں ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ، فضائل مجیدہ اور متعدد خصائلِ کمالیہ بیان کیے ہیں اور ان اخلاق وخصائلِ حمیدہ کا فخرِ دوعالم ﷺ کے لیے ثابت وصحیح ہونا مبرہن کیا ہے اور اس

سلسلے میں صرف بعض آثار نقل کرنے پر ہی قناعت کی ہے حالانکہ حقیقتِ نفس الامری نہایت وسیع ہے۔ آپ کے بارے میں اس میدان کی وسعت اِتنی ہے کہ اس تک پہنچنے کی ہر طویل سے طویل تر سعی بھی کوتاہ اور ناکافی ہو کر رہ جاتی ہے۔ آپ کے خصائص کے علم کا سمندر تو یقیناً ٹھاٹھیں مار رہا ہے جسے ڈول مکدّر نہیں کر سکتے لیکن (بخوفِ طوالت) ہم نے بعض معروف احادیث ہی پیش کی ہیں، جن میں سے اکثر صحیح بخاری اور دیگر مشہور تصانیف میں موجود ہیں، جبکہ ان میں سے بھی ہم نے ایک قلیل حصے ہی پر اکتفا کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ان فصلوں کو ان احادیث پر ختم کریں جو امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جمع کی تھیں، کیونکہ حلیہ مبارک کے بارے میں یہ بھی کافی ہیں۔

امام ترمذی اور دیگر محدثین نے امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق دریافت کیا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرنے میں یگانہ و معروف تھے اور میں خواہشمند تھا کہ حضورِ اقدس کے حلیہ شریف سے روشناسی حاصل کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ سرورِ کون و مکان ﷺ دراز قامت تھے۔ آپ کا چہرۂ انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند چمکتا دمکتا ہے۔ میانہ قد والوں سے آپ لمبے اور بلند قامت آدمی سے دیکھنے میں نیچے معلوم ہوتے تھے۔ سرِ اقدس بڑا اور بال مبارک شکن دار تھے لیکن کنگھی کرنے سے سیدھے بھی ہو جاتے تھے بصورتِ دیگر کانوں کی لو سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ آپ کا رنگ چمکدار، پیشانی کشادہ اور حاجب باریک اور لمبے تھے لیکن ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر آتی تھی۔ بینی مبارک نورانی اور بلند تھی، جس نے اسے غور سے نہ دیکھا ہوتا وہ باریک اور لمبی گمان کرتا۔ ریش مبارک بھاری، چشمانِ مبارک گہری سیاہ، جن میں ہلکی سی سرخی کی جھلک تھی۔ صاف و شفاف رخسارِ مبارک، دہن اقدس مناسب کھلا ہوا، خوبصورت اور سفید دندانِ پاک، جو جدا جدا تھے۔ سینے پر بالوں کی باریک سی دھاری، گردن گویا چاندی کی صراحی یا خوبصورت اور سرخی مائل سفید تصویر کی گردن کے مانند، درمیانہ قد، مضبوط بدن، شکمِ اطہر و سینہ انور سامنے سے برابر تھے۔ سینہ فیض گنجینہ فراخ، دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ، گیسوئے مبارک گھنے، گردن کے نچلے حصے اور ناف کے درمیان بالوں کی باریک سی دھاری تھی، جو خط سا دکھائی دیتی تھی، اس میں بال کم اور نورانی تھے۔ چھاتی اور شکم اطہر بالوں سے خالی، ان کے علاوہ بازوؤں اور کندھوں پر بال تھے۔ سینہ فراخ اور بلند، کلائی بڑی، ہتھیلی کشادہ، ہاتھ پیروں کی انگشتہائے مبارک موٹی اور لمبی تھیں۔ پٹھے صاف اور لمبے

تھے، پاؤں درمیان سے ابھرے ہوئے جو زمین سے اٹھے رہتے۔ قدمِ انور صاف اور نرم تھے جن کے اوپر پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔ زمین سے اٹھتے تو پوری قوت کے ساتھ اور چلتے وقت آگے کی جانب قدرے مائل ہوکر چلتے، تیز چلتے تھے لیکن بڑے آرام سے۔ محوِ رفتار ہوں تو یوں محسوس ہوتا کہ آگے کو گرنے والے ہیں۔ جب کسی جانب توجہ فرماتے تو مکمل طور پر اُدھر متوجہ ہوتے۔ نگاہیں نیچی رکھتے۔ آپ کی نظر آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپ کا ملاحظہ فرمالینا ایک جھلک کی مانند ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے چلتے اور جو ملتا اسے پہلے سلام کرتے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے طرزِ تکلم کی خوبیاں دریافت کیں تو انہوں نے بتایا کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ عموماً غمگین اور متفکر رہتے تھے۔ چونکہ آپ آرام سے زندگی نہیں گزار رہے تھے لہٰذا ضرورت کے بغیر کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ کلام میں ابتداء اور انتہا میں زیادہ وضاحت فرماتے۔ جامع کلمات کے ساتھ مفصل کلام کرتے لیکن اس میں ایک لفظ بھی زاید از ضرورت نہ ہوتا اور کسی ایک لفظ کو شامل کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی تھی۔ آپ تند خو نہیں بلکہ طبیعت کے نرم تھے۔ کسی کو حقیر نہیں جانتے تھے نعمت کی قدر کرتے اگر قلیل ہوتی اور اس کی مذمت سے پوری طرح گریز کرتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی قطعاً تعریف نہ کرتے کیونکہ یہ حرص کی ایک نشانی ہے اور نہ برائی بیان کرتے۔ جب حق کے درپے ہوتے تو اس وقت تک غصہ و غضب دور نہ ہوتا جب تک انتقام نہ لے لیتے، لیکن اپنی ذات کے لیے غیظ و غضب میں نہیں آئے اور نہ ہی اپنی ذات کا کبھی انتقام لیا۔ جب اشارہ کرتے تو پوری ہتھیلی سے فرماتے۔ جب تعجب فرماتے تو ہتھیلی کو اوپر نیچے کرتے اور جب کلام فرماتے تو اسے ملا دیتے اور دائیں انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے۔ جب غصے میں آتے تو منہ پھیر لیتے۔ خوش ہوتے تو نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کا ہنسنا صرف تبسم کی حد تک تھا۔ کلام فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ بارانِ (1) رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے فخرِ دو عالم ﷺ کا حلیہ مبارک اپنے بھائی حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کچھ عرصہ مخفی رکھنے کے بعد بیان کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے بتانے سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے تھے کیونکہ انہوں نے حضرت والدِ محترم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

1۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

میں نثار تیرے کلام پر، ملی یوں تو کس کو زباں نہیں ۔۔۔ وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو، وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں تشریف لانے، باہر تشریف لے جانے، لباس، مجلس اور شکل وصورت کے متعلق دریافت کیا تھا تو انہوں نے ہر بات تفصیل کے ساتھ بتادی تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تھا کہ سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح گھر میں تشریف لایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لانا اپنی مرضی پر منحصر تھا۔ گھر میں جتنا وقت تشریف رکھتے اس کے تین حصے کیے ہوئے تھے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے، دوسرا اہل وعیال کی خاطر اور تیسرا اپنی ذات کے لیے تھا۔ پھر تیسرے کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم کیا ہوا تھا۔ عام پر خاص کو ترجیح دیتے لیکن کسی کو روکتے نہ تھے امت کے حق میں آپ کی یہ عادتِ کریمہ تھی کہ اہلِ فضل کو ترجیح دیتے اور دین میں فضیلت کے لحاظ سے حاجت مندوں میں تقسیم فرماتے۔ ان میں بعض ایک حاجت والے، بعض دو حاجتوں والے اور بعض بے شمار حوائج والے ہوتے تو ان کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتے اور آپ کا یہ اشتغال ان کی بھلائی کی خاطر ہوتا تھا۔ امتیوں کے حالات پوچھتے اور جو ان کے لائق ہوتا وہ مشورہ بھی دیتے اور اور فرمایا کرتے تھے کہ حاضرین کو چاہیے کہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں کوئی شخص اپنی حاجت مجھ تک نہیں پہنچا سکتا تو دوسروں کو چاہیے کہ غائب کی حاجت یہاں تک پہنچا دیا کریں۔ کیونکہ جو شخص کسی مجبور کی حاجت حاکم وقت تک پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ثابت قدم رکھے گا، اس کے سامنے صرف اسی بات کا ذکر آئے گا اور اس کے سوا دوسرے کی بات قابلِ قبول نہ ہوگی۔

سفیان بن وکیع کی حدیث میں ہے کہ لوگ آپ کے پاس علم سے خالی آتے اور دولتِ علم سے ایسے مالا مال ہو جاتے کہ فقیہہ بن کر نکلتے(1) تھے۔ میں نے سوال کیا کہ بیرونِ خانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت کیا ہوتی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر ضرورت کے کلام نہ فرماتے۔ لوگوں کو ملانے کی کوشش کرتے اور متفرق نہ ہونے دیتے۔ ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے اور اسی کو ان پر والی (گورنر) بناتے۔ عام لوگوں سے علیحدہ رہتے لیکن کسی سے روگردانی نہ فرماتے۔ اپنے بعض اصحاب کی غیر موجودگی میں ان کے حالات بھی دریافت فرماتے۔ اچھے کام پر حوصلہ افزائی کرتے اور برے

1۔ اس لیے تو ظفر علی خاں دیوبندی نے کہا:

ارسطو کی سلطنت ہے یثرب کی لونڈی — افلاطون طفلِ دبستانِ احمد

(نوٹ) موصوف چونکہ دیوبندی تھے لہذا لفظ یثرب کو بے دھڑک استعمال کر گئے برادران اہلسنت کو اس جگہ طیبہ پڑھنا چاہیے (اختر)

کاموں کو ناپسند فرماتے۔ آپ کے معمولات میں اعتدال اور عدمِ اختلاف تھا۔ غفلت اور تساہل کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیتے تا کہ لوگ غافل اور کاہل نہ بن جائیں۔ ہر کام میں میانہ روی تھی۔ کسی کے حق میں کمی نہ کرتے اور غیر مستحق کو تجاوز نہیں کرنے دیا کرتے تھے۔ جو اشخاص آپ کا جتنا قرب حاصل کر لیتے اسی قدر دوسروں سے بہتر افضل شمار ہوتے۔ لوگوں کے ساتھ اچھی طرح موافقت کرنے والے آپ کے نزدیک عظیم ٹھہرتے تھے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کیسی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور کوئی جگہ اپنے بیٹھنے کے لیے معین نہ فرماتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو مجلس کے آخری حصے میں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اپنے ہم نشینوں کو علیٰ قدر مراتب نوازا کرتے تھے، جس پر ہر ایک یہی گمان کرتا تھا کہ آقائے دو جہاں کی سب سے زیادہ نظرِ کرم میرے ہی حال پر ہے۔ جو شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتا، یا کسی حاجت کے سبب آنا پڑتا، تو جب تک وہ فارغ ہو کر چلا نہ جاتا اُتنی دیر آپ اس کے پاس تشریف رکھتے۔ جس نے بھی آپ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کی، اس کی ضرور آپ نے حاجت روائی فرمائی یا اسے سمجھا بجھا کر مطمئن کر دیا۔

آپ کی کرم نوازی اور اخلاقِ کریمہ کا دائرہ لوگوں کے درمیان بڑا وسیع تھا۔ آپ سب کے لیے باپ کی طرح تھے اور وہ سارے آپ کے نزدیک حق میں ایک دوسرے سے قریب اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت والے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے نزدیک لوگ حق میں برابر تھے۔ آپ کی مجلس حلم و حیا اور صبر و امانت کی محفل ہوا کرتی تھی اس میں نہ کوئی آواز بلند کرتا اور نہ کسی کی بدگوئی کی جاتی تھی نیز اِدھر اُدھر دیکھ کر گفتگو نہیں کی جاتی تھی۔ یہ الفاظ پہلی دونوں روایتوں میں نہیں ہیں۔ صحابہ کرام بھی آپ کی مجلسِ مبارکہ میں تقویٰ کے لحاظ سے محبت کرتے اور تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھتے، غریب کی حاجت روائی کرتے اور مسافروں کی حالت پر ترس کھایا کرتے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ ہم نشینوں کے بارے میں دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش مزاج، کریم الخلق، اور نرمی سے سلوک کرنے والے تھے۔ بد خلق اور سخت طبیعت والے

نہ تھے اور نہ بازاروں میں آواز بلند کرتے اور نہ فحش باتیں کرتے، نہ کسی پر عیب لگاتے اور ایسا مزاح نہ فرماتے جو مقامِ ادب سے غافل کردے یا جسے طبیعت نہ چاہے، کبھی مایوس نہ ہوتے۔ تین چیزیں آپ کی سیرتِ مقدسہ میں قطعاً نہ تھیں (۱) ریاکاری (۲) بیکار گفتگو (۳) غیر مفید کام۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو تین حالتوں میں رکھتے تھے۔ کسی کی مذمت نہ کرتے اور نہ کسی کا عیب تلاش کرتے۔ جس میں ثواب کی امید ہو اسی کام کا حکم دیتے۔ جب آپ زبانِ حق ترجمان سے کچھ ارشاد فرماتے تو اہل مجلس اپنے سروں کو اس طرح جھکالیا کرتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ جب آپ خاموش ہوتے اس وقت صحابہ کرام گفتگو کیا کرتے تھے۔ وہ کسی بات پر آپس میں نہ جھگڑتے۔ جو شخص بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوتا، اس کی التجا بڑی توجہ سے سنی جاتی اور اُتنی دیر آپ خاموش رہتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کرکے فارغ ہوجاتا۔

آپ کلام کی ابتدا فرماتے تھے۔ آپ ہنستے تو وہ بھی ہنستے اور آپ تعجب فرماتے تو وہ بھی متعجب ہوتے۔ اجنبی آدمی کی سخت کلامی پر صبر فرماتے اور عام حکم تھا کہ جب کسی حاجتمند کو دیکھو تو اس کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرو۔ مکافات کرنے والے کی مدح وثنا قبول فرماتے کسی کی بات نہ کاٹتے اور اگر کوئی تجاوز کرتا تو اسے روک دیتے یا وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ بعض روایات میں اس سے زیادہ ہے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ آپ کی خاموشی چار باتوں پر منحصر تھی: (۱) حلم (۲) احتیاط (۳) اندازہ (۴) تفکر

آپ کا اندازہ یہ تھا کہ سب پر نظر رکھتے اور ہر ایک کی بات پوری توجہ سے سماعت فرماتے۔ آپ کا تفکر فانی اور باقی چیزوں کی حقیقت کے بارے میں تھا۔ صبر کرنے میں آپ بہت حلیم تھے یہاں تک کہ بے قرار کردینے والے واقع پر بھی آپے سے باہر نہیں ہوتے تھے۔ چار چیزوں میں آپ احتیاط فرماتے تھے: (۱) اچھی چیز اختیار فرماتے، تاکہ لوگ پیروی کریں۔ (۲) بری باتوں سے دور رہتے تاکہ لوگ ان سے اجتناب کریں۔ (۳) جس بات میں امت کو فائدہ ہوتا اس میں کوشاں رہتے۔ (۴) جو چیز دنیا اور آخرت میں فائدہ دینے والی ہوتی اس کا اہتمام فرماتے۔

فائدہ

یہ مشکل الفاظ کی تشریح کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (المشذب) سے لمبا اور قدرے نحیف آدمی مراد ہے اور یہ دوسری حدیث ہی کے موافق ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ بہت لمبے نہ تھے۔ (الشعر الرجل) سے وہ بال مراد ہیں جو نہ

زیادہ شکن دار ہوں اور نہ بالکل سیدھے، گویا دستِ قدرت نے شانہ کیا ہوا ہے اور وہ الجھے ہوئے نہ ہوں۔(العقیقه) سے سر کے ایسے بال مراد ہیں کہ اگر آپ انہیں جدا جدا کرنا چاہتے تو وہ علیحدہ علیحدہ ہوجاتے ورنہ ملے رہتے۔دوسری روایت میں اس کے لیے لفظ عقیصۃ بھی استعمال ہوا ہے(ازھر اللون) سے روشن رنگ مراد ہے یا خوبصورت رنگ جیسا کہ زہرالحیاۃ الدنیا ہے۔دوسری حدیث میں اس کی تشریح یوں ہے:لیس بالابیض الامھق ولا بالادم یہاں بھی امہق سے بالکل سفیداور آدم سے گندمی رنگ مراد ہے۔ایک اور حدیث میں ابیض مشرب ہے۔یعنی ایسا سفید جس میں سرخی کی جھلک ہو۔(الحاجب الازج) ایسے قوس دار حاجب جن کے بال گھنے ہوں۔(الاقنیٰ) لمبی ناک جو درمیان سے قدرے اُبھری ہوئی ہو۔(الاشم) ناک کی لمبی پوری۔

(القرن) حاجبوں کے بالوں کا ملا ہوا ہونا مراد ہے۔اس کی ضد بلج ہے یعنی جدا جدا ہونا۔ام معبد والی حدیث میں آپ کی یہ تعریف لفظ قرن سے کی گئی ہے۔(الادعج) سے آنکھ کے گہرے سیاہ بال مراد ہیں۔دوسری حدیث میں اشکل العینین مذکور ہے،جس سے مراد ایسی آنکھیں ہیں جن کی سفیدی میں سرخی کی جھلک بھی ہو۔(الضیع) کا مطلب کشادہ ہے۔(الشنب) سے دانتوں کی خوب صورتی یا ان کے درمیان معمولی سا فاصلہ مراد ہے جیسا کہ عموماً نوجوان کے دانتوں میں ہوتا ہے۔(الفلج) سامنے والے دانتوں میں فاصلہ ہونا۔(دقیق المسربة) یعنی بالوں کی دھاری جو سینے سے ناف تک ہو۔(بادنٌ) پُر گوشت۔(متماسکٌ) معتدل اور مضبوط جسم والے۔دوسری حدیث میں ہے:لَمْ یَکُنْ بِالْمُطَھَّمِ وَلَا بِالْمُکَلْثَمِ یعنی آپ ڈھیلے اور نرم گوشت والے نہیں تھے۔(مکلثم) چھوٹی ٹھوڑی کو بھی کہتے ہیں۔

(سوٰ البطن والصدر) سے مراد یہ ہے اور شکم مبارک اور سینہ اقدس سامنے سے ایک ہی سطح میں نظر آتے تھے۔(مشیج) اگر یہ لفظ درست ہے تو اس کا مطلب اقبال ہے۔اس سے سینے میں کسی جانب ہونا بھی مراد ہوتا ہے اور اس معنی سے سوٰ البطن والصدر کی تشریح بھی ہوتی ہے کیونکہ آپ کے سینہ فیض گنجینہ سے شکم مبارک باہر کو نکلا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ممکن ہے یہ لفظ مَسِیح ہو یعنی سین اور میم مفتوحہ کے ساتھ،جس سے مراد چوڑا ہے۔دوسری روایت میں الکرادیس یعنی ہڈیوں کے سر،جن سے جوڑ مراد ہیں۔ایک اور حدیث میں جلیل المشاش والکتد ہے۔مشاش سے کندھوں کے سرے اور کتد سے کندھوں کا اجتماع مراد ہے۔(ثشن الکفین والقدمین) سے ہتھیلیوں اور قدموں کا پُرگوشت ہونا مراد ہے۔(الزندان) کلائیوں کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔(سائل الاطراف) یعنی لمبی انگلیاں۔(دحب الراحة) وسیع ہتھیلی کو کہتے ہیں یا انتہائی سخی۔(خمصان اخمصین) یعنی ایسے

قدم جو درمیان سے اونچے اور زمین سے اٹھے ہوئے ہوں۔(مسیح القدمین) سے صاف قدم مراد ہیں۔اسی لیے ینبو عنهما الماءفرمایا گیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں اس کا خلاف مذکور ہوا ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ جب آپ قدم مبارک کو زمین پر رکھتے تو پورا قدم زمین سے لگ جاتا اور اس میں جھکاؤ یا ابھار نہ تھا۔یہ مفہوم مسیح القدمین والی روایت کی تائید کرتے ہیں اور اسی وجہ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ابن مریم کہا گیا ہے کیونکہ ان میں جھکاؤ نہ تھا۔بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قدموں پر زیادہ گوشت نہ تھا اور یہ مفہوم ششن القدمین کے خلاف ہے۔(التقلع) کا مطلب قوت سے قدم اٹھانا ہے۔

(التکفؤ) آگے کی جانب جھک کر چلنے کو کہتے ہیں۔(الھون) سے نرمی اور وقار مراد ہے۔ (الذریع) لمبے قدم اٹھانے کو کہتے ہیں۔یعنی جلدی کے ساتھ اور کافی آگے قدم رکھنا،لیکن متکبر کی چال اس کے برخلاف ہوتی ہے۔آپ منزل کی جانب متوجہ رہتے۔آپ کا تیز چلنا مشقت اور عجلت کے بغیر آسانی کے ساتھ تھا،جیسا کہ مذکور ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا گویا آپ نشیب کی جانب تشریف لا رہے ہیں۔(یفتح الکلام ویختمه باشداته)یعنی دہن شریف کشادہ تھا۔اہل عرب منہ کی فراخی کو خوبی شمار کرتے اور چھوٹے منہ کو مذموم گردانتے تھے۔(اشاح)اعراض کرنا۔(حب الغمام) اولے (ژالہ) اور فرمان (فیرد ذٰلک بالخاصة علی العامة) سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک وقت مقرر فرمایا ہوا تھا،جس میں صرف خاص حضرات ہی بارگاہِ رسالت میں باریاب ہو سکتے تھے اور آپ کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہو کر انہیں عام حضرات تک پہنچاتے تھے۔بعض کا خیال ہے کہ اس خاص وقت کو عام لوگوں کے لیے بھی بدل دیا جاتا تھا۔

(یدخلون رواداً) سے محتاجوں اور تشنگانِ علم و عرفاں کی آمد مراد ہے۔(ولا ینصرفون الا عن ذواق)اور وہ اپنی تشنگی بجھائے بغیر واپس نہیں لوٹتے تھے۔اکثر ایسا ہی ہوتا تھا لہٰذا اسے ظاہر مفہوم پر ہی محمول کرنا چاہیے۔(العتاد) تیار شدہ۔(المعارزة المعاونة لا یواطن الا ماکن)یعنی نماز کے لیے کوئی جگہ معین نہ فرماتے اور دوسری حدیث میں ایسا کرنے سے تفصیلی طور پر منع فرمایا ہوا ہے۔(صابرہ) سے مراد ہے کہ ساتھی کے ارادے کے مطابق ٹھہرے رہتے۔(لا تؤبن فیه الحرم) یعنی مجلس میں عورتوں کی بدگوئی نہ کی جائے۔(لا تنثی فلتاته)یعنی اِدھراُدھر دیکھ کر کلام نہ فرماتے،اگرچہ کسی سے کوئی بات چھپانے والی ہو۔(یرفدون)مدد کرتے۔(الضخاء)بہت چلّانے والا۔(لا یقبل الثناء(لا مکافی)یعنی جس مدح و ثنا میں مبالغہ ہو اسے پسند نہ فرماتے۔بعض کہتے ہیں کہ یہ ہر

ایک مسلمان کے متعلق ہے اور بعض کا قول احسان کا بدلہ دینے والے کے بارے میں ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے انعام فرمایا ہو۔(یستفزّہ) یعنی ہلکا جانتے ہوں۔دوسری حدیث میں منجملہ آپ کے اوصاف کے یہ بھی ہے کہ متھوس العقب یعنی ایڑیاں زیادہ پُرگوشت نہ تھیں۔(اھدب الاشفار) یعنی آپ کے حاجبوں کے بال لمبے تھے۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

خصائصِ مصطفیٰ

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الشفاء کے تیسرے باب میں نبی آخر الزماں ﷺ کے اعلیٰ ترین منصب کے بیان میں صحیح اور مشہور احادیث نقل فرمائی ہیں، جن سے واضح ہو رہا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں سرورِ کون ومکاں ﷺ کی قدر ومنزلت کیا ہے اور وہ آپ کی کرامت وعظمت کے روشن بیانات ہیں، جن عظمتوں کے ساتھ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو دونوں جہانوں میں سب سے ممتاز اور مخصوص فرمایا ہے(1)۔ (والحمد للہ علیٰ ذٰلک)

لَا خِلَافَ اَنَّهٗ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ اَكْرَمُ الْبَشَرِ وَسَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَاَفْضَلُ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَعْلَاهُمْ دَرَجَةً وَاَقْرَبُهُمْ زلفٰی۔(ص۳۹)

”اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی کریم ﷺ سب سے معزز بشر، جملہ اولادِ آدم کے سردار، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلحاظ مرتبہ تمام انسانوں سے افضل، سب سے اونچے مرتبے والے اور اللہ عزوجل کے سب سے زیادہ قریب ہیں“۔

اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہیں لیکن ہم (قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ) نے صرف صحیح اور مشہور احادیث پر ہی اکتفا کیا ہے۔پس باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک آپ کا جو منصب ہے اور آپ کی شانِ اصطفاء اور رفعتِ ذکر اور فضیلتِ عظمیٰ اور سیادت بنی آدم اور جن بلند مراتب کے باعث آپ کو دنیا میں خاص فرمایا اور آپ کے اسم مبارک کی برکت کے بارے میں جو احادیثِ صحیحہ مشہورہ وارد ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہتر حصے میں رکھا۔ان میں سے ایک گروہ کا نام اللہ تعالیٰ نے اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ رکھا ہے اور دوسرے کا اَصْحَابُ

1۔فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

الشِّمَالِ۔ پس میں اَصْحَابُ الْيَمِيْن سے ہوں اور ان میں سب سے بہتر ہوں۔ پھر اس گروہ کے تین حصے کیے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ۔ وَاَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۔ میں سابقون میں سے ہوں اور ان میں بہتر ہوں۔ پھر ان کے قبیلے بنا دیے اور مجھے بہتر قبیلے میں رکھا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: اِنَّا جَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ (الآیہ) پس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے متقی ومکرم ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا پھر قبائل کو مختلف گھروں میں تقسیم فرما دیا تو مجھے بہتر گھر میں رکھا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے پلیدی کو دور کر دے اور تمہیں پاک صاف فرما دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ص ۳۹)

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا: جب آدم علیہ السلام روح اور بدن کے درمیان تھے''۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چنا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو، بنی کنانہ سے قریش کو، ان میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرما لیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرم ہوں اور یہ محض فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت میں ہے کہ میں جملہ اولین وآخرین سے زیادہ بزرگ ہوں اور فخر یہ نہیں کہتا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ جبریل نے میری بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور! میں نے زمین کے مشرق ومغرب اور شمال جنوب تک ہر گوشے کو چھان مارا، لیکن آپ سے افضل کسی کو نہ دیکھا اور بنی ہاشم سے بہتر کسی باپ کی اولاد نہ پائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ معراج کی رات میں سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہ میں براق پیش کیا گیا۔ جب آپ نے سوار ہونے کا عزم فرمایا تو براق اچھلنے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام

نے فرمایا: اے براق! تو نبی آخرالزماں کی بارگاہ میں ایسی حرکتیں کر رہا ہے حالانکہ ان سے زیادہ بارگاہِ خداوندی میں مکرم و معزز اور کون ہے جو تجھ پر سوار ہوتا۔ یہ سن کر براق مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کی پشت مبارک میں زمین پر اتارا اور حضرت نوح علیہ السلام کی پشت مبارک کے اندر کشتی میں رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھا کہ مجھے بھی دہکتی آگ میں ڈالا گیا۔ اسی طرح ہر دور کے اندر مجھے نیک پشتوں سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اپنے والدین کریمین کے گھر جلوہ آرائے گیتی ہوا اور یہ کبھی زنا کے قریب بھی نہیں پھٹکے تھے اور اسی طرح آپ کے عمِ محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے متعلق اپنے مشہور قصیدے میں اشارے فرمائے ہیں: چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ا۔ جب آدم اور حوا علیہما السلام اپنے اپنے جسم کو پتوں سے ڈھانپ رہے تھے، اس سے پہلے آپ گھنے سایوں میں مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنا وقت گزار رہے تھے۔

۲۔ پھر ان کے ساتھ آپ بھی زمین پر تشریف لے آئے حالانکہ آپ نہ تو قبل ازیں بشر تھے اور نہ انسان کی بنیاد کے مانند آپ مضغہ اور علق رہے تھے۔

۳۔ ظہورِ بشریت کے بعد آپ نطفہ کی شکل میں محفوظ مقامات میں سوار کی مانند متمکن رہے۔ گھوڑے کو لگام لگا کر تیار رکھا ہوا تھا۔ اگلی منزل پر پہنچتے اور پچھلی روپوش ہو جاتی۔

۴۔ آپ صلب سے رحم کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔

۵۔ آپ کا ایسا ہر محافظ مسکن اگرچہ خندق اور بلند چٹانوں وغیرہ سے گھرا ہوا تھا لیکن آپ ایسے مقامات میں بھی کائنات کی زبان بن کر رہے۔

۶۔ جب آپ رونق افزائے دہر ہوئے تو تشریف آوری سے زمین پر نور ہو گئی اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔

۷۔ ہم آپ کی ضیا پاشی اور نورانیت کے (1) صدقے ہی میں تو راہِ ہدایت پر گامزن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر کئی صحابہ کرام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں اور بعض روایات میں چھ چیزیں ایسی مرحمت فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے

1۔ حضرت اختر الحامدی الرضوی مدظلہ رقمطراز ہیں:۔

چاند تاروں میں ہے تجھ سے تابندگی، زندگی میں ترے دم سے ہے زندگی
یعنی جان آفریں ہے تری ہر ادا، یا نبی مصطفیٰ، یا نبی مصطفیٰ

کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب طاری ہو جانے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی (۲) تمام زمین نماز پڑھنے کی خاطر میرے لیے پاک ٹھہرائی گئی تاکہ میرے کسی اُمتی کو جس جگہ موقع ملے وہ وہیں نماز پڑھ سکے۔ (۳) میرے لیے مالِ غنیمت حلال فرما دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنائم حلال نہیں فرمائے گئے تھے۔ (۴) میں تمام انسانوں کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۵) مجھے شفاعت کا اذن دے دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے ہر گورے اور کالے انسان کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے اور میں جامع کلمات دیا گیا ہوں اور میں خواب کی حالت میں تھا کہ زمین کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں اور میرے سپرد کر دیں اور نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرما دیا گیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّی فَرَطٌ لَکُمْ عَلَی الْحَوْضِ وَ وَاَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیَ الْاٰنَ وَاِنِّیْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِیْ وَلٰكِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا۔ (ص ۴۰)

”میں تمہارے لیے حوضِ کوثر پر آگے جانے والا ہوں اور تمہارے اوپر گواہ ہوں۔ خدا کی قسم یقیناً میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں(1)۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرما دی گئی ہیں اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم، مجھے یہ ہرگز خطرہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے ہاں مجھے تمہارے دنیا سے رغبت رکھنے کا خطرہ ضرور ہے“۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہی امی نبی ہوں جس کا نام نامی اسم گرامی محمد بتایا گیا تھا۔ میں جامع کلمات اور خاتمیت دیا گیا ہوں۔ میں دوزخ کے نگران فرشتے کو جس کا نام خازن ہے اور عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے فرشتوں کو جانتا ہوں۔

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا، باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ:

سَلْ يَا مُحَمَّدُ فَقُلْتُ يَا رَبِّ مَا اَسْاَلُ اِتَّخَذْتَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا   جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

وَكَلَّمْتَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا وَاصْطَفَيْتَ نُوْحًا وَاَعْطَيْتَ سُلَيْمَانَ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِهٖ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا اُعْطِيْكَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ اَعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ وَجَعَلْتُ اسْمَكَ مَعَ اِسْمِيْ يُنَادٰى بِهٖ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ وَجَعَلْتُ الْاَرْضَ طَهُوْرًا لَكَ وَلِاُمَّتِكَ وَغَفَرْتُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فَاَنْتَ تَمْشِيْ فِي النَّاسِ مَغْفُوْرًا لَكَ وَلَمْ اَصْنَعْ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ وَجَعَلْتُ قُلُوْبَ اُمَّتِكَ مَصَاحِفَهَا وَخَبَاْتُ لَكَ شَفَاعَتَكَ وَلَمْ اَخْبَاْهَا لِنَبِيٍّ غَيْرِكَ۔ (ص ۴۰)

"اے سب سے زیادہ تعریف کیے گئے محبوب! مجھ سے جو چاہو مانگو۔ میں عرض گزار ہوا، اے رب! میں تجھ سے کس چیز کا سوال کروں جبکہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اور موسیٰ علیہ السلام سے تو نے کلام کیا اور نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی عطا فرمائی جو ان کے سوا دوسرے کے لائق نہیں۔ ارشاد ربانی ہوا، میں نے جو تمہیں مرحمت فرمایا وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ میں نے تمہیں حوضِ کوثر بخشا، تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جس کی ندا فضاؤں میں سنی جاتی ہے اور میں نے زمین کو تمہارے لیے اور تمہاری امت کے لیے پاک ٹھہرا دیا اور تمہارے باعث تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیے اور تم لوگوں کے درمیان بخشوانے والے کی حیثیت سے جلوہ افروز ہو حالانکہ قبل ازیں یہ سلوک میں نے کسی کے ساتھ نہیں کیا اور تمہارے امتیوں کے دلوں کو صحیفے بنا دیا اور حقِ شفاعت کو تمہارے لیے چھپا کر رکھا ہوا تھا جو کسی دوسرے نبی کے لیے چھپا کر نہیں رکھی گئی"۔

دوسری حدیث میں ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ سب سے پہلے میری امت کے جو اشخاص میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے ان کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے۔ ان میں سے کسی کا حساب نہیں لیا جائے گا اور مجھ پر یہ کرم بھی فرمایا کہ میری امت قحط سالی سے نہیں مرے گی اور نہ مغلوب ہوگی۔ مجھے نصرت، عزت اور رعب عطا فرمایا جو ایک ماہ کی مسافت تک اثر انداز ہے۔ میرے لیے اور میری امت کے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دے دیا اور ہم سے پہلے لوگوں پر جو سختی فرمائی گئی تھی وہ ہم سے اٹھا لی گئی تھی اور ہم سے دین میں حرج اٹھا لیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کو معجزات دیے گئے، جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے۔ مجھے قرآن مجید عطا فرمایا گیا ہے۔ جس سے بہت معجزے پر کوئی شخص ایمان نہیں لایا۔ میں بھی نبی ہوں اور دیگر انبیائے کرام کی طرح میری جانب بھی وحی آتی ہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار قیامت میں سب سے زیادہ ہوں گے۔

محققین حضرات کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اس وقت تک آپ کا یہ معجزہ بھی رہے گا۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزے وقتی تھے بعد میں ان کی کوئی نشانی بھی نظر نہیں آئی، صرف اسی وقت کے لوگوں نے انہیں دیکھا لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک موجود رہے گا اور ہر کوئی اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کی طرح محض ایک خبر ہو کر نہیں رہ جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو اس کی امت سے سات نجیب عطا فرمائے گئے اور تمہارے نبی کو چودہ مرحمت ہوئے، جن میں سے ابوبکر، عمر، ابن مسعود، اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور سب نبیوں سے آخری ہوں حالانکہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جارہی تھی۔ میں ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے آسمانی مخلوق پر اور جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا کہ آسمانی مخلوق پر آپ کو کس طرح فضیلت حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آسمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ (انبیاء)

''اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستم گاروں کو''۔

اور سرورِ کون و مکاں ﷺ کے متعلق فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿١﴾ (الفتح)

''بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی''۔

صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ! انبیائے کرام علیہم السلام پر آپ کو کیا فضیلت حاصل ہے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ (ابراہیم:4)

"اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے"۔

اور نبی آخرالزماں ﷺ کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

"اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے"۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت عرض گزار ہوئی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنے متعلق کچھ بتایئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے جدِّ امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، جن کی دعا کا ذکر باری تعالیٰ شانہٗ نے یوں فرمایا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (بقرہ:129)

"اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول، انہیں میں سے"۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ میری والدہ ماجدہ نے، جب میں ان کے شکمِ مبارک میں جلوہ افروز تھا، دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور خارج ہوا اور اس سے سرزمین شام اور بصریٰ کے محلات تک نظر آ گئے۔ میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ اسی دوران میں جب ایک روز میں اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ تھا کہ دو شخص آئے جنہوں نے بہت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پاس سونے کا ایک طشت تھا، جو برف کی طرح ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے سینے سے فمِ معدہ تک میرا پیٹ چیرا، دل نکالا اور اسے بھی چیر کر اس سے ایک سیاہ ٹکڑا نکالا پھر میرے دل اور پیٹ کو اس برف سے دھویا اور بالکل صاف کر دیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے کوئی چیز پکڑی، دیکھا تو وہ نور کی ایک مہر تھی جو نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ انہوں نے اس سے میرے دل پر رحمت کی مہر لگائی اور دل کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد دوسرے آدمی نے اپنا ہاتھ میرے چرے ہوئے سینہ پر پھیرا تو وہ درست ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا قلبِ انور بڑا مضبوط تھا۔ اس میں دو آنکھیں تھیں جو کائنات کا مشاہدہ کرتی تھیں اور دو کان تھے جو کانِ سماعت تھے۔ ازاں بعد ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ ان کا وزن کرو۔ جب ایسا کیا گیا تو میں بھاری

تھا پھر کہا، ایک سو کے ساتھ وزن کرو۔ جب وزن کیا گیا تو میں بھاری رہا۔ کہا، ایک ہزار کے ساتھ وزن کرو۔ تب بھی میں بھاری ثابت ہوا۔ آخر میں اس نے اپنے ساتھی سے کہا، چھوڑیئے اگر ساری امت کے ساتھ ان کا وزن کیا جائے تو بھاری یہی رہیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ میرے سر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اے محبوب آقا! گھبرایئے نہیں، اگر آپ جانتے، جو ہم آپ کے ساتھ کرنے والے ہیں، تو یقیناً اس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اس حدیث کے باقی حصے میں یہ بھی ہے کہ ان فرشتوں نے بارگاہِ رسالت میں یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ! باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک کس قدر عزت ووقار اور فضیلت وکرامت والے ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ کے معاون ومددگار ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو وہ فرشتے چلے گئے تو میری یہ حالت تھی گویا نبوت ورسالت کی حقیقت مجھ پر بخوبی واضح ہے۔ حضرت ابومحمد مکی اور ابولیث رحمۃ اللہ علیہما کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش (ظاہری) کے وقت بارگاہِ ایزدی میں دعا کی، اے باری تعالیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میری غلطی معاف فرمادے۔ ارشادِ ربانی ہوا، اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو کس طرح پہچانا؟ عرض گزار ہوئے کہ جنت میں ہر جگہ یہی لکھا ہوا دیکھا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس کے دیکھنے سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے معزز ومکرم بندہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں بخش دیا اور یہ مذکورہ دونوں حضرات کے نزدیک

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (بقرہ:37)

''پس سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات''۔

کی تاویل ہے۔ (یعنی القائے کلمات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ پکڑنے کی تلقین کرنا مراد ہے)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوئے، اے پروردگار! میں نے جب تیرے عرش کی جانب دیکھا تو اس پر یہ لکھا ہوا پایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ میں نے یہ دیکھ کر یقین کرلیا تھا کہ تیرے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کے رتبے کا نہیں ہے کیونکہ ان کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی فرمائی کہ اے آدم! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم، وہ اگرچہ تمہاری اولاد سے ہوگا اور سب سے آخری نبی ہوگا۔ لیکن اگر اس محبوب کو

پیدا نہ کرتا تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی کنیت ابو محمد رکھ لی تھی جبکہ بعض کے نزدیک ان کی کنیت ابوالبشر ہے۔

حضرت سیریج بن یونس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور جس گھر میں کوئی محمد یا احمد نام کا آدمی رہتا ہو اس میں ٹھہر جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت کے ہر دروازے پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے جو دنیا میں اس بات (توحید و رسالت) کا قائل ہوگا اسے عذاب نہیں دوں گا۔ بعض ذکر کرتے ہیں کہ پرانے پتھروں پر مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُّصْلِحٌ سَیِّدٌ اَمِیْنٌ لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ علامہ سمنطاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خراسان کے علاقے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جس کے ایک پہلو پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسرے پہلو پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ علامہ موصوف کا بیان ہے کہ انہوں نے خود بھی اس بچے کو دیکھا اور مذکورہ امر کا مشاہدہ کیا تھا۔ بعض حضرات نے یہ خبر دی ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں گلاب کے پھول پر سفید رنگ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا گیا۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد محترم سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا، اے لوگو! خبردار ہو جاؤ، تم میں سے جس کا نام محمد یا احمد ہے، وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اس حکم سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے اسمِ مبارک کی عظمت دکھانا چاہے گا۔ ابن قاسم علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سماع میں اور ابنِ وہب علیہ الرحمہ نے اپنی جامع میں مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ والوں سے سنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس گھر میں محمد نامی کوئی آدمی رہتا ہو وہ گھر برکت والا ہے اور اس کے ہمسایوں کو بغیر کسی خاص مشقت کے رزق ملتا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر گھر میں ایک، بلکہ دو، بلکہ تین شخص ایسے ہونے چاہییں جن کا نام محمد ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مبارک قلب کو مخصوص فرمالیا اور انہیں خلعتِ رسالت پہنا کر مبعوث فرمایا۔ نقاش علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ جب نبی کریم ﷺ پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط (احزاب:53)

"اور تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی (ازواج

مطہرات کی بیبیوں سے نکاح کرو"۔

تو آپ منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور خطاب فرمایا کہ اے مسلمانو! باری تعالیٰ شانہٗ نے تم پر مجھے واضح فضیلت دی ہے اور میری ازواجِ مطہرات کو تمہاری بیویوں پر ظاہر فضیلت دی ہے۔

معراج شریف

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے واقعہ اسراء و معراج بھی ہے۔ یہ واقعہ آپ کے بلند ترین مقام کی نشان دہی کرتا ہے اور قرآنِ عزیز نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی تشریح و تفصیل موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (بنی اسرائیل:1)

"پاکی ہے اسے، جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک"۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم)

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم، جب معراج سے اترے۔ تمہارے صاحب نہ بہکے، نہ بے راہ چلے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی، جو انہیں کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔ پھر اس جلوہ نے قصہ فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔ اور پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ فاصلہ رہا، بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی اپنے بندے کو، جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا تھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اور

اس کے پاس جنت الماؤی ہے۔ جب سدرہ پر چھارہا تھا، جو چھارہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری، نہ حد سے بڑھی۔ بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

اس سیر کی صحت میں کسی مسلمان کے لیے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے اور واقعہ معراج کی تفصیل اور اس میں جن عجائبات کا آپ نے مشاہدہ فرمایا ان کی تشریح نیز جو خصوصیات اس سلسلے میں آپ کو مرحمت ہوئیں ان کے شرح و بیان میں احادیثِ صحیحہ کثیرہ وافرہ موجود ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس براق لایا گیا، جو سفید رنگ کا جانور تھا، وہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ وہ اتنا تیز رفتار ہے کہ جتنی دور ایک عام انسان کی نظر پہنچتی ہے اتنی دور اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس گیا اور اسی پتھر کے ساتھ اسے باندھا جس کے ساتھ دیگر انبیائے کرام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ اس کے بعد مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی اور باہر نکل آیا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لے کر حاضر ہوئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ۔ میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فطرت کو پسند فرمایا ہے۔

اس کے بعد وہ ہمیں لے کر آسمان تک جا پہنچا۔ جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا گیا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا، میں جبریل ہوں۔ پوچھا، آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مزید پوچھا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں بلایا گیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں، دونوں خالہ زاد بھائی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہما السلام وہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعا دی۔

اس کے بعد براق ہمیں تیسرے آسمان تک لے گیا اور پچھلے آسمانوں والا معاملہ وہاں بھی پیش آیا۔ آخر کار جب دروازہ کھول دیا گیا تو دیکھا کہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے جنہیں نصف حسن عطا فرمایا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا مانگی۔ ازاں بعد براق ہمیں چوتھے آسمان تک لے گیا اور وہاں بھی مثل سابق معاملہ ہوا۔ دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔ ان کے

بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ (مریم:57)

’’اور ہم نے اس کو بلند مکان پر اٹھالیا‘‘۔

پھر براق ہمیں پانچویں آسمان تک لے گیا۔ وہی واقعہ پیش آیا اور دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ہارون علیہ السلام جلوہ افروز تھے انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔ پھر براق ہمیں چھٹے آسمان تک لے گیا یہاں بھی ویسے ہی سوال جواب ہوئے اور دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام رونق افروز ہیں۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔ اس کے بعد براق ہمیں ساتویں آسمان تک لے گیا اور مثلِ سابق معاملہ درپیش ہوا۔ دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں اور بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی ہے۔ بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جس فرشتے کی وہاں ایک مرتبہ باری آجاتی ہے دوبارہ قیامت تک باری نہیں آئے گی۔ اس کے بعد براق مجھے سِدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا، جس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں اور پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم نے ڈھانپ رکھا ہے اور مجھے بھی اس امرِ الٰہی نے ڈھانپ لیا یعنی، خاص رحمتِ خداوندی نے آغوش میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے حسن و کمال کے وصف کو بیان کر سکے۔ یہاں باری تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر جو چاہی وحی فرمائی اور روزانہ پچاس نمازیں فرض فرمادیں۔ جب میں فارغ ہو کر واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا تو انہوں نے پوچھا، یا سید المرسلین! اللہ رب العزت نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا، روزانہ پچاس نمازیں کہنے لگے، حضور! واپس جا کر تخفیف کروایئے کیونکہ آپ کی امت میں یہ طاقت نہیں ہے، میں قبل ازیں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ فرماتے ہیں کہ میں واپس لوٹا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کے لیے عرض گزار ہوا۔ اللہ جل شانہٗ نے پانچ نمازیں معاف فرمادیں۔ میں نے واپس لوٹتے وقت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا کہ پانچ نمازیں معاف ہو گئی ہیں۔ انہوں نے کہا: حضور! آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں ہے، واپس جا کر تخفیف کروایئے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر لوٹتا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کا مسئلہ پیش کرتا رہا یہاں تک کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری امت پر روزانہ پانچ وقت نماز

پڑھنا فرض ہے یہ شمار میں پانچ وقت کی نمازیں ہوں گی لیکن ان کا ثواب اُتنا ہی عنایت فرماؤں گا جتنا پچاس نمازوں کا ہے۔ علاوہ بریں تمہارے کسی امتی نے اگر نیکی کا ارادہ کیا اور اسے نہ کرسکا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اسے کر لیا تو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اس کے برعکس جس نے کسی بدی کا قصد کیا اور اسے نہ کرسکا تو اس معاملے کو کالعدم شمار کیا جائے گا اور اگر اس برائی کا مرتکب ہو گیا تو ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔

فخرِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ واپس لوٹتے وقت جب میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا تو اس امر کی اطلاع دی۔ وہ کہنے لگے، حضور! بارگاہِ خداوندی سے اور تخفیف کروائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس سلسلے میں اب بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں ہے کہ ہر ایک نبی نے آپ سے کہا تھا، مرحبا نبی صالح اور بھائی صالح لیکن حضرت آدم اور ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا، مرحبا نبی صالح اور فرزند صالح۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر براق مجھے اور اوپر لے گیا یہاں تک کہ میں مستوی پر چلا گیا اور قلموں کے چلنے کی آوازیں سننے لگا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر براق مجھے اوپر لے گیا حتی کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا، جو ایسے مختلف رنگوں میں غرق تھا کہ اپنی عقل سے میں اس کیفیت کو بیان نہیں کرسکتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا تو وہ رو پڑے۔ ندا آئی کہ اے موسیٰ! رونے کی کیا وجہ ہے؟ عرض کرنے لگے، اے پروردگار! تو نے اس نوجوان کو میرے بعد دنیا میں بھیجا لیکن اس کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں داخلِ جنت ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ میں انبیائے کرام کی جماعت میں تھا کہ نماز کی تیاری ہوگئی۔ میں نے نماز میں ان کی امامت کا فریضہ انجام دیا۔ آگے کسی کہنے والے نے کہا، اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یہ مالک نامی دوزخ کا منتظم ہے اسے سلام کر لیجئے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس کی جانب متوجہ ہی ہوا تھا کہ اس نے مجھے سلام کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ چل پڑے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ براق سے اترے اور اسے ایک پتھر سے باندھ دیا، پھر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعض فرشتوں نے سوال کیا، اے جبرئیل! آپ کے ساتھ یہ کون بزرگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا، یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جو خاتم الانبیاء ہیں۔ دریافت کیا، کیا انہیں منصبِ رسالت

مل چکا ہے، جبرئیل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ان فرشتوں نے آپ کو سلام عرض کیا اور کہا، مرحبا ایسا بھائی اور خلیفہ کیونکہ یہ بہترین بھائی اور بہترین خلیفہ ہیں۔اس کے بعد انبیائے کرام کی ارواحِ مقدسہ سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے اپنے رب کی حمد وثناء بیان کی ہے۔انہوں نے ہر ایک نبی کے ارشاداتِ عالیہ کا ذکر کیا، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داوٗد، حضرت سلیمان علیہم السلام بھی ہیں۔ان کے بعد نبی کریم ﷺ کے فرموداتِ گرامی کا ذکر بھی کیا۔ اس کے بعد ارواحِ انبیائے کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ حضرات نے اللہ جل شانہٗ کی حمد وثناء بیان کی، اب میں بھی اس وحدہٗ لاشریک کی حمد وثناء بیان کرتا ہوں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَكَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْهِ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّةٍ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ اُمَّةً وَسَطًا وَجَعَلَ اُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَهُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِكْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَخَاتَمًا۔(ص ۴۴)

"سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے مجھے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور تمام انسانوں کے لیے نبی بنایا ہے لوگوں کو بشارتیں دوں اور ڈراؤں اور مجھ پر فرق بتانے والی کتاب نازل فرمائی، جس میں ہر چیز کا کامل بیان ہے اور میری امت کو بہتر اور راہِ اعتدال پر چلنے والی امت بنایا۔میرے امتی ہی سب سے پہلے اور آخری ہیں۔میرے سینے کو کھولا اور مجھ سے بوجھ اتارا، میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھے فاتح اور آخری نبی بنایا"۔

یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام گویا ہوئے کہ اسی سبب سے تو محمد رسول اللہ ﷺ ہم سب سے افضل ہیں۔اس مقدس حدیث کے اگلے الفاظ یہ ہیں کہ پھر براق آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے گیا۔اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے پر جاتے رہے اور ہر جگہ خیر مقدم ہوتا رہا یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے۔سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے اور اس کے اوصاف بیان کرنے کے بعد سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت باری تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا، اے حبیب! جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔نبی کریم ﷺ بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے، اے پروردگار! تو نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور انہیں بہت بڑی شہنشاہی عطا فرمائی، موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا، داوٗد علیہ السلام کو

بھی زبردست شاہی عنایت فرمائی اور ان کے لیے لوہے کو نرم اور پہاڑوں کو مطیع بنا دیا، سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی مرحمت فرمائی کہ جن وانس اور شیاطین تک ان کے زیرِ فرمان کردیئے اور ایسی عظیم بادشاہی عطا فرمائی جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو توریت اور انجیل کا علم بخشا اور انہیں گونگوں اور کوڑھیوں کو اچھا کردینے کا معجزہ عطا فرمایا۔ نیز انہیں اور ان کی والدہ محترمہ کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھا تاکہ وہ ملعون ان پر کسی طرح کا قابو نہ پاسکے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا، اے حبیب! میں نے ساری کائنات میں سے تمہیں اپنا حبیب(1) ٹھہرایا اور توریت میں یوں لکھا ہوا ہے کہ محمد حبیب الرحمٰن ہیں اور تمہیں تمام انسانوں کیلئے رسول بنایا اور تمہاری امت کو یہ شرف بخشا کہ وہ فضیلت میں سب سے اول اور بلحاظ زمانہ سب سے آخری ہے۔ ان کا خطبہ پڑھنا اس وقت تک درست نہیں جب تک یہ شہادت نہ دیں کہ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ تمہیں سارے نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں مبعوث فرمایا۔ تمہیں سبعِ مثانی یعنی سات آیتوں والی سورت دی، جو صحیح قول کے مطابق سورۂ فاتحہ ہے اور وہ تمہارے سوا کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی۔ تمہیں سورۂ بقرہ کی آخری آیات دیں جو عرشِ اعظم کے نیچے کا خزانہ ہیں جو کسی اور نبی کو عطا نہیں فرمائیں نیز تمہیں فاتح اور آخری نبی بنایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں مرحمت فرمائی گئیں۔ (۱) نماز پنجوقتہ (۲) سورہ بقرہ کی آخری آیات (۳) امتِ محمدیہ کا جو فرد کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائے اس کی مغفرت ہوجائے گی اور اس کے مہلک گناہ تک بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد براق آپ کو ساتویں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ پر لے گیا اور اس سے بھی آگے ایسے مقام تک پہنچے جس کے متعلق باری تعالیٰ شانہٗ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا(2)۔ بزاز نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اذان کی تعلیم کا ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام کو ایک جانور دے کر اپنے حبیب کی بارگاہ میں بھیجا، اس جانور کو براق کہتے ہیں۔ جب فخرِ دو عالم ﷺ نے اس پر سوار ہونے کا قصد فرمایا تو براق اچھلنے کودنے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اے براق! تسلی رکھ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بارگاہِ خداوندی میں اور کوئی معزز و مکرم نہیں ہے جو تجھ پر سواری کرتا۔ اس کے بعد آپ سوار ہوگئے اور آخرکار حجاب تک جا پہنچے جو اللہ رب العزت کی خاص تجلیات کے نزدیک ہے۔ اسی دوران ایک فرشتہ

1۔ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

2۔ آپ سے پائی ہے معراج نے معراجِ کمال   منزلِ اَوج ہے ممنونِ کفِ پائے حضور (اختر الحامدی)

حجاب سے نکلا تو سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ حضور! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بلحاظ مکان ساری مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے زیادہ نزدیک رہتا ہوں لیکن اپنی پیدائش سے لے کر اس وقت تک پہلے میں نے اس فرشتے کو نہیں دیکھا۔ اس وقت اس فرشتے نے کہا، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ حجاب کے پیچھے سے آواز آئی، میرے بندے نے ٹھیک کہا ہے، واقعی میں بہت بڑا ہوں۔ اس کے بعد فرشتے نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی، میرے بندے نے سچ کہا ہے، واقعی میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی طرح باقی اذان کا ذکر کیا لیکن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے جواب کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد اس فرشتے نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کو پکڑا اور ساری آسمانی مخلوق کی امامت کرنے کے لیے کہا۔ ان میں حضرت آدم اور نوح علیہما السلام بھی تھے۔ اس حدیث کے راوی محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ساری مخلوق پر خواہ وہ فرشی ہو یا عرشی فضیلت و شرف حاصل ہے اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کا کامل و اکمل ہونا ساری ارضی و سماوی مخلوق پر دکھا دیا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حجاب کا لفظ نہیں ہے اور ویسے بھی وہ صرف مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے لیے مخلوق سے چیزیں چھپ سکتی ہیں لیکن باری تعالیٰ شانہٗ اس سے پاک ہے کہ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی رہ جائے حجاب بے شک حواس کا احاطہ کرتا ہے لیکن وہ مخلوق کی بصارت پر ہوتا ہے یعنی ان کی نگاہ اور ادراک سے جب چاہے، جیسے چاہے اور جہاں چاہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو محجوب کر دیتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ (مطففین: 15)

"ہاں ہاں، بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں"۔

اور اس حدیث میں جس حجاب کا ذکر ہے اس کے بارے میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ حجاب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے رکھا ہے تاکہ وہ اس کی عظیم سلطنت، عظمت، عجائباتِ ملکوت اور شانِ جبروتی پر یقین کے ساتھ اطلاع پانے سے حجاب میں رہیں۔

نیز اس حدیث میں جبرئیل علیہ السلام کا یہ قول کہ میں باری تعالیٰ شانہٗ کے قرب میں رہتا ہوں، بھی ہے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ میں دوسروں سے عرشِ الٰہی کے زیادہ نزدیک رہتا ہوں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف:82)

''گاؤں سے پوچھ''۔

یہاں بھی گاؤں سے مراد اس میں بسنے والے ہیں۔معراج و اسراء کے بارے میں اہلِ حق کا نظریہ یہ ہے:

وَذَهَبَ مُعْظَمُ السَّلَفِ وَالْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی اَنَّ الْاِسْرَاءَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْرَاءٌ بِالْجَسَدِ وَفِی الْيَقْظَةِ وَهٰذَا هُوَ الْحَقُّ وَذَكَرَ اَدِلَّةَ ذٰلِکَ وَالْقَائِلِیْنَ۔ (ص ۴۵)

''اکابر سلف سے عام مسلمانوں تک کا یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جسمانی معراج ہوئی اور بحالتِ بیداری ہوئی اور حق بھی یہی ہے۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دلائل نقل کیے اور جو حضرات اس کے قائل ہیں، ان کا ذکر کیا ہے''۔

رویتِ الٰہی

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رویتِ الٰہی کے بارے میں اختلاف ہے کہ (معراج میں رسول اللہ ﷺ نے) باری تعالیٰ شانہ کو چشمِ سر سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے؟ جہاں تک رویت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے اور انہوں نے بدلائل کثیرہ اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دو قول نقل کر کے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے سر کی آنکھوں سے دیکھنے کو مقدم رکھا ہے اور کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے اور ان تک اس روایت کے متعدد طرق ہیں جیسا کہ حاکم، نسائی اور ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ اور محمد رسول اللہ ﷺ کو رویت کے ساتھ خاص کیا ہے۔اس کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ (النجم)

''دل نے جھوٹ نہ کہا، جو دیکھا۔تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا''۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع

ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فرمایا ہے، عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ رب العزت کی قسم کھا کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے(1)۔ اس کی روایت ابو عمر مقری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے اور بعض متکلمین نے اس مذہب کی حکایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں دیکھا ہے۔ نقاش نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حکایۃ بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے بالکل متفق ہوں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، دیکھا ہے اور بار بار ان الفاظ کا اعادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا سانس بند ہو گیا(2)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ راجح وہ ہے جو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اکثر علمائے کرام کا یہی مذہب ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے شبِ اسریٰ میں اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اگرچہ اس امر کا ثبوت سماع کے بغیر ممکن نہیں لیکن سماع بھی تو اس طرح ثابت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں (آگے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا نفیس فیصلہ یوں نقل فرمایا ہے):

وَاِنْکَارُ عَائِشَةَ وَقُوْعَهَا اَیِ الرُّؤْیَةَ لَمْ یَکُنْ لِحَدِیْثٍ رَوَتْهُ وَلَوْ کَانَ لِحَدِیْثٍ ذَکَرَتَهٗ بَلِ احْتَجَّتْ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ قُلْنَا الْمُرَادُ بِالْاِدْرَاکِ الْاِحَاطَةُ اِذْ ذَاتُهٗ تَعَالٰی لَا تُحَاطُ وَلَا یَلْزَمُ مِنْ نَفْیِ الْاِحَاطَةِ نَفْیُ الرُّؤْیَةِ بِدُوْنِهَا ثُمَّ ذَکَرَ فِی الشِّفَاءِ فِیْ ذَالِکَ اَبْحَاثًا شَرِیْفَةً وَفَوَائِدَ جَمَّةً۔ (ص ۴۶)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رویت کے وقوع سے انکار کرنا کسی حدیث کی بناء پر نہیں ہے۔ اگر ان کے علم میں ایسی کوئی حدیث ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کیا جاتا، اسی لیے تو انہوں نے آیت لا تدرکه الابصار سے دلیل پکڑی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے احاطہ کرنے والا ادراک مراد ہے، حالانکہ ذات باری تعالیٰ کا احاطہ ممکن نہیں۔ لہٰذا

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

اور کوئی غیب کیا، تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود

2۔ حضرت اختر الحامدی فرماتے ہیں:۔

ارضِ حرم سے عرشِ علیٰ تک، عرشِ علیٰ سے قصرِ دنیٰ تک — راہ گزارِ سرورِ دوعالم، صلی اللہ علیہ وسلم

احاطے کی نفی سے رویت کی نفی تو لازم نہیں آتی۔ اس کے علاوہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے شفا میں عمدہ ابحاث اور کثیر فوائد لکھے ہیں''۔

شفاعت و دیگر فضائل

نبی آخر الزماں، سرور کون ومکاں ﷺ کی بلحاظ ساری مخلوق سے بزرگ ہونے کے جن خصوصیات اور فضیلتوں کا قیامت کے روز اظہار ہوگا، ان کے سلسلے میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تک اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنے روضے سے اٹھوں گا، جب وہ ایک وفد کی صورت میں اکٹھے ہو جائیں گے تو ان کا خطیب میں ہوں گا، جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو انہیں بشارت دینے والا میں ہوں گا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرم ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے پہلا میں ہوں گا اور جب وہ اکٹھے ہو جائیں گے تو ان کا قائد میں ہوں گا اور جب وہ خاموش ہوں گے تو ان کا خطیب میں ہوں گا اور جب انہیں جنت میں جانے سے روک دیا جائے گا تو ان کی شفاعت کرنے والا میں ہوں گا اور جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو انہیں خوشخبری دینے والا میں ہوں گا۔ لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں جملہ اولادِ آدم علیہ السلام سے زیادہ عزت والا ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

اس روز ایک ہزار خادم میرے گرداگرد پھر رہے ہوں گے۔ جو ان موتیوں کی مانند ہیں۔ جنہیں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کی واکسی نے تصحیح کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے جنت کے خلّوں میں سے ایک حلہ پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہو جاؤں گا۔ مخلوق میں سے میرے سوا کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا۔ ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ جس کی تحسین کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار میں ہوں گا اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ آدم علیہ السلام یا دوسرا کوئی نبی ایسا نہیں جو اس روز میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ فخر دو عالم ﷺ نے

فرمایا، قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی منظورِ بارگاہ ایزدی ہو گی۔ ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز لواء الحمد میں نے اٹھایا ہوا ہوگا اور یہ فخریہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں گا، اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا اور وہ میں ہوں جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا، پس میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور میں جنت میں داخل ہو جاؤں گے، میرے ساتھ غریب مسلمان بھی جنت میں داخل ہوں گے اور یہ فخریہ نہیں کہتا اور میں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز و مکرم ہوں اور یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے)

صحیح مسلم کے اندر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، سب سے پہلے میں لوگوں کی جنت کے لیے شفاعت کروں گا اور میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بخاری اور مسلم والی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار میں ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو یہ کیونکر ہوگا؟ (پھر خود فرمایا) اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے انسانوں کو جمع کرے گا۔ اس سے آگے حدیث شفاعت بیان فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے میں ثواب میں زیادہ ہوں گا۔ دوسری حدیث میں ہے: کیا تم خوش نہیں ہو گے کہ قیامت کے روز حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تم میں ہوں؟ اس کے بعد فرمایا کہ بروزِ قیامت وہ میری امت میں ہوں گے۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آپ میری دعا اور اولاد ہیں۔ رہا عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تو جملہ انبیائے کرام علیہم السلام آپس میں علاتی بھائی ہیں یعنی ان کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ میں دوسروں کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہوں۔

آپ کا یہ ارشادِ گرامی کہ میں قیامت کے روز جملہ انسانوں کا سردار ہوں گا، حالانکہ آپ دنیا میں بھی سب لوگوں کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی سب کے سردار رہیں گے لیکن صرف قیامت کی سرداری کا تذکرہ اس لیے فرمایا ہے کہ وہاں آپ کی سیادت و شفاعت منفرد (1) مقام رکھتی ہوگی اور آپ کے سوا لوگوں کو اور کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ سردار تو وہی ہوتا ہے جس کے پاس لوگ اپنی حاجتیں لے کر

1۔ اسی لیے مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے بتایا ہے: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جانے پر مجبور ہوں، اس روز دوسرا کوئی آپ کا مدمقابل نہ ہوگا اور نہ کوئی ایسا دعویٰ ہی کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (مومن:16)

''آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک اللہ، سب پر غالب کی''۔

حالانکہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہے لیکن آخرت میں ان لوگوں کے دعوے بھی منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں اپنے عارضی اختیار کے باعث بادشاہی کرتے تھے۔ چونکہ قیامت میں سارے ہی انسان سرورِ کون و مکان ﷺ کی شفاعت کے محتاج(2) ہوں گے اور آپ ہی کی پناہ ڈھونڈیں گے، لہٰذا آخرت میں آپ سب انسانوں کے سردار ہوں گے (کیونکہ آپ کی سرداری کا انکار کرنے کی کسی کو کوئی گنجائش ہی نظر نہیں آئے گی)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے روز جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کے لیے کہوں گا تو خازنِ جنت پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں جواب دوں گا کہ محمد ہوں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔ وہ کہے گا کہ مجھے یہی حکم ملا ہے کہ صرف آپ کے لیے دروازہ کھولوں اور آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے، اس کے کنارے برابر ہیں اور پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے، اس کی خوشبو مشک سے زیادہ مہک دار اور اس کے آبخورے آسمان کے تاروں کی طرح بکثرت ہیں، جو ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس محسوس نہیں ہوگی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حوضِ کوثر کے بارے اور بھی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔

محبت وخلّت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو محبت اور خلت میں دوسروں پر فضیلت دے کر ممتاز کر فرمایا ہے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ منقول ہیں اور مسلمانوں کی زبانوں پر آپ کا لقب حبیبِ خدا جاری وساری ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت

بقیہ صفحہ گزشتہ

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

2۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے منکرینِ استمداد کو سمجھایا ہے:۔

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کے سوا میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ مسلمانو! تمہارا نبی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔ امام ترمذی اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے ذکر کیا ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو اپنا خلیل بنایا ہے۔

دارمی اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ آپ تشریف لے آئے۔ جب آپ نزدیک پہنچے تو ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مخلوق سے اپنا خلیل بنایا تھا۔ دوسرے نے کہا: یہ اس سے عجیب تو نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کسی اور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ اور اس کی جانب کی روح ہیں۔ آخری صاحب نے فرمایا: آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا تھا۔ فخرِ دوعالم ﷺ نزدیک پہنچ گئے اور فرمایا: میں نے تمہاری گفتگو سن لی ہے اور تمہارا تعجب کرنا بجا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب کی روح ہیں اور آدم علیہ السلام کے صفی اللہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور قیامت کے روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور وہ بھی میں ہوں کہ سب سے پہلے جس کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی اور وہ بھی میں ہوں گا جس کی شفاعت سب سے پہلے مقبول ہوگی اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا اور وہ میں ہوں جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور جس کے لیے جنت کا دروازہ کھلے گا، پس میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ میرے غریب امتی ہوں گے، یہ فخر یہ نہیں کہتا اور میں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز ومکرم ہوں، یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معراج شریف والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ سے فرمایا: میں نے تمہیں اپنا خلیل ٹھہرایا اور توریت میں تمہارے متعلق لکھا ہوا ہے کہ آخری نبی حبیب الرحمٰن ہے۔ مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الشفاء کے ایک پرانے نسخے پر مطلع ہوا، جس میں یہ مرقوم ہے کہ میں نے تمہیں اپنا حبیب ٹھہرایا۔ علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہوا کہ حبیب کا درجہ بلند ہے یا خلیل کا؟ اکثر حضرات کا اسی پر

اتفاق ہوا کہ حبیب کا درجہ خلیل سے بلند تر ہے کیونکہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ، جو اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں ان کا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ نے محبت اور خلت کے بارے میں متکلمین کا کلام نقل کرتے ہوئے کافی طویل بیانات نقل کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت کا مقام خلت کے مقام سے افضل ہے۔ ہم اس بیان کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے دوسرے بیانات خود بخود واضح ہو جائیں گے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ خلیل واسطے اور وسیلے سے باریاب ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (انعام:75)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی، آسمانوں اور زمین کی''۔

اور حبیب بغیر کسی وسیلے کے براہِ راست بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ (النجم)

''تو اُس جلوے اور اِس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم''۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ خلیل وہ ہے جس کو مغفرت کی حد درجہ طمع ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء:82)

''اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا''۔

اور حبیب وہ ہوتا ہے جس کی مغفرت یقین کے آخری درجے تک یقینی ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:2)

''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے تمہارے اگلے پچھلوں کے گناہ معاف فرما دے''۔

نیز خلیل وہ ہوتا ہے جو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہو:

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الشعراء:87)

''اور مجھے رسوانہ کرنا، جس دن سب اٹھائے جائیں گے''۔

اور حبیب وہ ہستی ہے جس سے یہ فرمایا جائے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ (تحریم:8)

''جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو''۔

یعنی سوال کرنے سے پہلے ہی رسوائی سے دور رکھنے کی بشارت سنا دی گئی۔ اسی طرح خلیل وہ ہے جو بوقتِ مصیبت کہے:

حَسْبِیَ اللّٰہُ۔

''میرے لیے اللہ کافی ہے''۔

لیکن حبیب وہ ہے جس سے خود باری تعالیٰ شانہٗ یہ فرمائے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ (انفال:64)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! اللہ تمہیں کافی ہے''۔

خلیل وہ ہوتا ہے جس کو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہونا پڑے:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ (الشعراء:84)

''اور میری سچی ناموری رکھ''۔

لیکن حبیب وہ ہے جس کے بارے میں پروردگارِ عالم خود یوں فرمائے:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ؁۴ (انشراح)

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا''۔

گویا نبی کریم ﷺ کے ذکر مبارک کو بغیر سوال کے بلند فرما دیا۔ علاوہ بریں خلیل وہ ہوتا ہے جو عرض کرے:

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؁۳۵ (ابراہیم)

''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا''۔

لیکن حبیب وہ ہوتا ہے جس کے گھر والوں کے بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ خود یوں بشارت دے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ؁۳۳ (احزاب)

''اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے''۔

(صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○)

شفاعت و مقامِ محمود

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو شفاعت اور مقامِ محمود کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ؁۷۹ (بنی اسرائیل:79)

''قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے گا، جہاں سب تمہاری حمد کریں''۔

بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بروزِ قیامت تمام لوگ مایوسی کی حالت میں بیٹھے ہوں گے۔ ہر امت اپنے نبی کی بارگاہ میں عرض گزار ہوگی کہ حضور! ہماری شفاعت فرمایئے۔ یا نبی اللہ! ہماری شفاعت کیجیے۔ آخر کار معاملہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچے گا۔ اُس روز اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو مقامِ محمود عطا فرمائے گا یعنی ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جس کو دیکھ کر سب چھوٹے اور بڑے انسان ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہو جائیں گے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مقامِ محمود کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ مقامِ محمود تو شفاعت کرنے کی جگہ ہے۔ اسی مسندِ احمد میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز جب سارے انسان جمع ہوں گے تو میں اپنی امت سمیت ایک بلند ٹیلے پر ہوں گا۔ مجھے سبز رنگ کا جنتی حُلّہ پہنایا جائے گا، پھر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کرنے کا اِذن مل جائے گا اور میں کچھ کہوں گا یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی کہوں گا اور اِسی جگہ کا نام مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی کئی روایات نقل کی ہیں۔ منجملہ اُن کے امام احمد کی یہ روایت ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ سرورِ کون و مکاں شفیعِ مجرماں ﷺ عرشِ معلّٰی کے بائیں جانب تشریف فرما ہوں گے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں کسی دوسرے کو کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ سب اگلے اور پچھلے اس پر غبطہ کریں گے یہی جگہ مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ چاہو تو تمہاری آدھی امت جنت میں داخل کر دی جائے اور چاہو ان کی شفاعت کر لینا۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں پرہیز گاروں کی شفاعت کروں گا؟ شفاعت تو گنہگاروں اور خطا کاروں کی ہو گی۔ بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جس نے سچے دل سے کہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرتی ہوگی۔

بیہقی اور حاکم نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد میری اُمّت جو کچھ کرے گی مجھے اس کا علم دیا گیا ہے۔ وہ آپس میں خونریزی کریں گے اور اِس طرح اِن کا حال بھی وہی کیا جائے گا جو گزشتہ امتوں کا ہوا تھا لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو باری تعالیٰ شانہٗ نے میرے سوال کو شرفِ قبولیت بخشا۔

بیہقی اور نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو ایک صاف میدان میں جمع کرے گا، جہاں ایک شخص اپنی آواز سب لوگوں تک پہنچا سکے اور انہیں دیکھ سکے گا۔ وہ اپنی پیدائش کی طرح ننگے ہوں گے۔ سب خاموش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو ندا دی جائے گی تو آپ عرض کریں گے: اے پروردگار! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تمام بھلائیاں تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور برائیاں تیری جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ راہِ ہدایت پر وہ ہے جس کو تو نے ہدایت دی۔ تیرا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ میں تیرے لیے ہی ہوں اور تیری ہی جانب سے ہوں۔ تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ اور کوئی جائے نجات نہیں۔ اے ربِّ کعبہ! تیری ذات بابرکت، بلند اور پاک ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کھڑے ہو کر آپ اِس طرح حمدِ الٰہی بیان کریں گے، وہی مقامِ محمود ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں اور بھی روایات نقل فرمائی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے شفاعت کرنے کے مقام کا نام مقامِ محمود ہے اور یہی مقام صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور آئمہ مسلمین کا مذہب ہے۔ ازاں بعد قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے حدیثِ شفاعت کو پورے طور پر نقل کیا ہے، علاوہ بریں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ ذکر کیا کہ سارے انسان مل کر فخرِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ پل صراط قائم کیا جائے گا۔ اس پل کے اوپر سے جو حضرات سب سے پہلے گزریں گے وہ بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ ان کے بعد گزرنے والے ہوا کی مانند، بعض پرندوں کی طرح، بعض دوڑتے ہوئے گزریں گے۔ مولائے کائنات ﷺ پل صراط کے ایک سرے پر کھڑے ہو کر پکار رہے ہوں گے: رَبِّ سَلِّمْ، رَبِّ سَلِّمْ(1)۔ یعنی اے رب! بچا۔ اے رب! بچا۔ یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے میں

1۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رضا پُل سے اب وجد کرتے گزریئے ۔۔۔ کہ ہے رَبِّ سَلِّم صدائے محمد

پل صراط سے گزروں گا۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جملہ انبیائے کرام کے لیے منبر رکھے جائیں گے، جن پر وہ تشریف فرما ہوں گے اور میرا منبر خالی رہ جائے گا کیوں کہ میں اپنے منبر پر نہ بیٹھوں گا، بلکہ بارگاہِ الٰہی میں خاموش کھڑا رہوں گا۔ باری تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائے گا: اے حبیب! تم اپنی امت کے بارے میں میرا کیا فیصلہ چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا: اے پروردگار! اِن کا حساب جلدی لے لیا جائے۔ پس جلد ہی میری امت کا حساب شروع ہو جائے گا۔ اُن میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دے گا اور بعض میری شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا، حتّٰی کہ مجھے کچھ لوگوں کی کتبِ فیصلہ دکھائی جائیں گی، جن پر اُن کا دوزخی ہونا مرقوم ہوگا۔ جب میں ان کی شفاعت کر رہا ہوں گا تو دوزخ کا داروغہ کہے گا: یارسول اللہ آپ نے تو اپنی امت پر اللہ تعالیٰ کی ذرا سی ناراضگی نہیں رہنے دی۔

حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت، جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں زمین کے درختوں اور پتھروں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت اور مقامِ محمود کے بارے میں اور بھی متعدد احادیث کتاب الشفاء میں نقل کی ہیں۔ اِس کے بعد انہوں نے فرمایا ہے، اگرچہ احادیث کے الفاظ مختلف ہیں لیکن اس بات پر ان کے مضامین متفق ہیں کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور مقامِ محمود پر کھڑے ہونے کا معاملہ تھوڑی دیر کی بات نہیں بلکہ آپ کی شفاعت کا سلسلہ شروع سے آخر تک جاری رہے گا(1)۔ جب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔ ان کا سانس گھٹنے لگے گا۔ پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ سورج بالکل نزدیک ہوگا۔ کھڑے کھڑے بہت دیر ہو جائے گی یہاں تک کہ پریشانی کی انتہا ہو جائے گی۔ گویا اس حالت کو حساب سے پہلے ہی پہنچ گئے ہوں گے۔ اس وقت آپ اس مقام سے نجات دلانے کے لیے شفاعت کریں گے۔ اس کے بعد پل صراط قائم ہوگا لوگوں کا حساب شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ جلد از جلد اُن حضرات کو جنت میں پہنچائیں گے جن کا حساب نہیں ہوگا۔ آپ ایسے لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے جن کے لیے عذاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، حتّٰی کہ اُن میں سے بعض دوزخ میں داخل بھی کر دیے ہوں گے۔ یہ تمام امور احادیثِ صحیحہ سے صریحاً ثابت ہیں۔ اِس کے بعد ان لوگوں کی شفاعت بھی کریں گے

1۔ حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے خوب حقیقت بیان فرمائی:۔

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا　　کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لینے کے علاوہ اور کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔ شفیع المذنبین ﷺ کے علاوہ اس قسم کی شفاعت کرنے کا کوئی اور مجاز نہیں ہوگا۔

مشہور صحیح حدیث میں ہے کہ ہر نبی کو ایک ایک دعا کرنے کا حق دیا گیا۔ انہوں نے وہ حق استعمال کر لیا لیکن میں نے اپنا یہ حق محفوظ رکھا تھا، جو شفاعت کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ قیامت کے روز میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ وہ دعا جس کا ہر نبی کو حق دیا گیا تھا، اپنی اپنی امت کے متعلق تھی۔ دیگر انبیائے کرام کو ان کی امتوں کی جانب سے جو باری تعالیٰ شانہٗ نے جزا دی، اللہ تعالیٰ ہمارے نبی پاک، صاحب لولاک ﷺ کو ان سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلّم کثیرًا کثیرًا۔

وسیلہ اور حوضِ کوثر

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جنت میں وسیلہ اور کوثر کے ساتھ فضیلت دی ہے اور انہوں نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابوداؤد میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مؤذن کے کلمات سنو تو اس کی طرح کہتے جاؤ، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اس کے بعد میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ جو اس مقام سے نوازا جائے گا، وہ میں ہوں۔ جو میرے لیے وسیلے کی دعا کرے گا، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔

دوسری حدیث میں ہے، جو ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجے کا نام ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہر آئی، جس کے دونوں جانب موتیوں کے قبّے تھے۔ میں نے جبریل سے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہی تو وہ حوضِ کوثر ہے جو باری تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی مٹی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور دکھایا کہ وہ مشک ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہی کچھ مروی ہے لیکن ان کی روایتوں میں اتنی بات زیادہ ہے کہ نہر کوثر یاقوت اور موتیوں پر بہتی ہے۔ اس کا پانی شہد سے شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ حوض زمین پر بہتا ہے اور اس کی زمین میں گہرائی نہیں ہے۔ شفاعت کے

دولہا ﷺ کی امتِ مرحومہ برات کی شکل میں اسی حوض کوثر کے کنارے اترے گی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کوثر کے بارے میں اور بھی متعدد احادیث نقل کی ہیں، جو ان پر مطلع ہونا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے۔

اسمائے نبی

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں محیِ آخرالزماں ﷺ کے مقدس اور پیارے پیارے نام مع فضائل بیان کیے ہیں۔ وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں۔ میرا نام مَاحِیْ بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا اور میرا نام حاشر ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام انسانوں کا حشر میرے قدموں میں کرے گا، اور میں عاقِبْ ہوں یعنی سب سے آخری نبی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ کا اسمِ مبارک مُحَمَّدٌ اور اَحْمَدُ بتایا ہے۔ علاوہ بریں یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ کے اسمائے مقدسہ میں مدح وثنا بھی موجود ہے۔ اس طرح اسماء النبی کے بیان کرنے میں عظیم شکرگزاری رکھ دی گئی ہے آپ کا اسمِ گرامی اَحْمَدُ، یہ اَفْعَلُ کے وزن پر حمد کا مبالغہ ہے یعنی خدا کی سب سے زیادہ ثنا کرنے والا اور مُحَمَّدٌ، یہ مُفَعَّلُ کے وزن پر ہے گویا مبالغہ بوجہ کثرتِ حمد، یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کیا گیا۔

پس سید الانبیاء ﷺ خدا کی تعریف کرنے میں سب سے بڑھ کر اور تعریف کیے گئے کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ تمام انسانوں کی نسبت کثرتِ حمد کے باعث آپ سب تعریف کرنے والوں سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور ان سب سے زیادہ تعریف کیے گئے ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے۔ علاوہ بریں لواء الحمد بھی تو بروزِ قیامت آپ ہی کے دستِ مبارک میں ہوگا تاکہ سب آپ کے منصب پر مطلع ہوکر شایانِ شان تعریف کریں اور حشر کے میدان میں چونکہ آپ نے سب کی شفاعت کی ہوگی لہٰذا سب لوگ آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوں گے۔ بروزِ قیامت اس طرح محامد کا دروازہ صرف آپ کے لیے مفتوح ہوگا جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کی جانب بھیجی ہوئی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی امتِ مرحومہ کا نام حمادین رکھا، کہ وہ لوگ خدا کی بہت زیادہ حمد وثنا کرنے والے ہوں گے، لہٰذا فخرِ دوعالم علیہ السلام ہی اس بات کے حقدار ہیں کہ آپ کا اسمِ مبارک ہی محمد اور احمد رکھا جاتا۔ ان دونوں ناموں میں جہاں عجیب خصائص اور بدیع آیات ہیں وہاں ایک نرالی بات یہ بھی ہے کہ سرورِکون ومکاں ﷺ سے پہلے

باری تعالیٰ شانہٗ نے جملہ انسانوں کو کسی مولود کا نام محمد یا احمد رکھنے سے روکے رکھا۔

گزشتہ کتب سماویہ میں جو اسم احمد کا ذکر آیا ہے اور انبیائے کرام نے ان کی آمد کی خوشخبری سنائی، بایں وجہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان ناموں کے رکھنے سے روکے رکھا، تا کہ نہ کسی کا یہ نام رکھا جائے اور نہ کوئی اس نام سے پکارا جائے اور اس طرح کمزور دل والے بھی شک وشبہ کے مرض سے بچے رہیں گے (کیونکہ انہیں یہ شک ہوسکتا تھا کہ جس احمد کی بشارت دی گئی ہے شاید وہ یہی ہو) بایں وجہ آپ سے پہلے کسی عربی یا عجمی کا نام محمد بھی نہیں رکھا گیا، حتیٰ کہ آپ کی ولادت سے تھوڑا عرصہ پہلے یہ چرچا عام ہو گیا تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی جلوہ گری ہونے والی ہے، جن کا اسم مبارک محمد ہوگا۔ اس شہرت کے پیشِ نظر آپ کی قوم میں کتنے ہی بچوں کے نام محمد اس امید پر رکھ دیے گئے کہ شاید ہمارے ہی بچے کو وہ منصب مل جائے، لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے رسالت کے منصب سے کس کو سرفراز کرنا ہے۔ بہرحال جن بچوں کا نام محمد رکھ دیا گیا تھا، انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے روکے رکھا حتیٰ کہ دوسرے اشخاص بھی ان کے متعلق ایسا دعویٰ نہ کر سکے اور نہ ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوسکی جس کے باعث لوگوں کو آپ کی نبوت میں شک کرنے کی گنجائش مل سکتی یہاں تک کہ آپ کی جلوہ گری کے ساتھ آپ کے دونوں اسمائے طیبہ ومبارکہ کی علامتیں اور دلائل سامنے آئے اور اظہر من الشمس ہو گیا کہ وہی محمد اور احمد صرف اور صرف آپ ہی کی ذات بابرکات ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

فخرِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی کہ میں مَاحِیْ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ حدیث نے خود اس کی تفسیر کر دی ہے۔ رہا کفر کا مٹنا تو اس سے مراد یا مکہ معظمہ سے کفر کا مٹنا مراد ہے یا سارے جزیرۂ عرب سے یا جتنی زمین آپ کے لیے سمیٹ دی گئی ہے اور جس کا آپ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ امتِ محمدیہ وہاں تک غالب ہوگی علاوہ بریں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ محو عام ہو، جو ظہور اور غلبہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ (توبہ:33)

"تا کہ اسے (اسلام کو) تمام ادیان پر غالب کرے"۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔ بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ پانچ بایں وجہ فرمایا کہ پہلی آسمانی کتابوں میں آپ کے یہ پانچوں نام مذکور ہیں اور علمائے امم سابقہ آپ کے ان ناموں سے متعارف تھے ورنہ آپ سے دس نام بھی منقول ہیں، جن میں سے طٰہٰ اور یٰسین بھی ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: میرے دس نام ہیں۔ پانچ تو

وہی جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں اور دوسرے پانچ کے بارے میں فرمایا کہ میں رَسُوْلُ الرَّحْمَۃِ(1) یعنی پیغمبر رحمت ہوں اور رَسُوْلُ الرَّاحَۃِ یعنی مخلوقِ خدا کو راحت پہنچانے والا رسول ہوں اور رَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ ہوں اور مُقَفِّیْ ہوں کہ میری آمد سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا اور میں قَیِّمْ ہوں۔ یہ وہی ہوتا ہے جو مخلوق کے تمام کمالات کا جامع ہو۔ دیگر انبیائے کرام کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے کہ اے پروردگار! محمد رسول اللہ ﷺ کو ہمارے لیے مبعوث فرما جو فترت کے بعد سنّت کو قائم کریں اور لفظ قیِّم اِس معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔

دوسری حدیث میں مُدَّثِرُ، مُزَّمِّلُ اور عَبْدُ اللّٰہِ کا مزید ذکر ہے۔ ایک حدیث میں خَاتَمُ، ایک میں نَبِیُّ التَّوْبَہ، نَبِیُّ الْمَلْحِمَہ، نَبِیُّ الرَّحْمَہ اور نَبِیُّ الرَّاحَۃ مذکور ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے حبیب ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگوں کا تزکیہ نفوس کرتے ہیں۔ (مُزَکِّیْ)، انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں (مُعَلِّمْ)، انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں (ھَادِیْ) اور وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہیں (رَؤُف، رَحِیْم)۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب ﷺ کی اُمت کا لقب اُمّتِ مرحومہ رکھا ہے اور اُس کی تعریف یوں بیان فرمائی:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ (البلد:17)

''اور اُنہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں''۔

نبی آخر الزماں ﷺ کے امتی آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اللہ رب العزت نے ان کے لیے نبی بھی ایسا مبعوث فرمایا جو اپنی امت کے لیے رحمت ہے اور ساری مخلوق کے بھی رحمت ہے۔ وہ ایسا نبی ہے جو سب کے لیے اپنا دامنِ رحمت وسیع کیے ہوئے ہے اور بارگاہِ خداوندی سے بھی ان کے لیے رحم و کرم اور بخشش کی التجائیں کرتا رہتا ہے اور اس کی امت رحم کرنے کے باعث سراہی گئی۔ انہیں ایک دوسرے پر مہربانی کرنے کا حکم بھی دیا اور اس خوبی کی وجہ سے ان کی تعریف بھی کی۔ اسی لیے سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دوست رکھتا ہے جو

1۔ بھلا ان لوگوں کی جرأت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے جنہوں نے عرب کی سرزمین میں ایک بُت پرست جواہر لال نہرو کا مئی ۱۹۵۵ء میں یا رَسُوْلَ السَّلَام کے نعروں سے استقبال کیا تھا اس کے باوجود لوگ توحید کے علمبردار بنتے اور مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں۔ (اختر)

ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر اللہ بھی بارانِ رحمت نازل کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

آپ کا اسمِ مبارک نَبِیُّ الْمَلْحِمَه اسی لیے ہے کہ آپ قتال اور تلوار دے کر بھیجے گئے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ حربی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ آپ قُثَمْ ہیں یعنی مجموعہ خیر و برکت کیونکہ قَثُوْمْ بھلائی جمع کرنے والے کو کہتے ہیں اور آپ کا یہ اسم گرامی بھی کاشانہ نبوت کے ہر فرد کو معلوم تھا۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔

نبی کریم ﷺ کے متعدد القاب بھی قرآنِ کریم میں مذکور ہوئے ہیں جن سے باری تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم میں آپ کی ذات مراد لی ہے اور وہ مذکورہ بالا اسماء النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے علاوہ ہیں جیسے النور، السراج، المنیر، المنذر، النذیر، المبشر، البشیر، الشاہد، الشہید، الحق المبین، خاتم النبیین، الرؤف الرحیم، الامین، قَدَمُ الصِّدْقِ، رحمۃ للعلمین، نعمۃ اللہ، العروۃ الوثقٰی، الصراط المستقیم، النجم الثاقب، الکریم، النبی الامی اور داعی اللہ وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں، انبیائے کرام کے صحیفوں اور احادیثِ نبوی میں مذکور ہوئے ہیں اُمّتِ مرحومہ کی زبانوں پر آپ کے القاب میں سے کتنے ہی الفاظ اور جملے چڑھے ہوئے ہیں، جیسے مصطفیٰ، مجتبیٰ، ابوالقاسم، حبیبِ خدا، رسول اللہ، شفیع، مشفع، متقی، مصلح، طاہر، مبین، صادق، مصدوق، ہادی، سرورِ اِنس و جاں، سیّد المرسلین، امام المتقین، قائد الغرالمجلین (یعنی پنج کلیانوں کے گروہ کا سردار)، اللہ کا خلیل، صاحبِ حوضِ کوثر، صاحب الشفاعت، صاحبِ مقامِ محمود، صاحب الوسیلہ، صاحب الفضیلہ، صاحبِ درجہ رفیع، صاحبِ تاج و معراج، صاحبِ لِوَاءُالحَمْدِ والقَضِیْبِ، راکبِ براق، ناقہ سوار، نجیب، صاحبِ حُجت، شہنشاہِ دوجہاں، نبیِ آخرالزماں، صاحبِ معجزاتِ کثیرہ وافرہ اور صاحبِ المرادۃ والنعلین وغیرہ۔ صَلَوٰتُ اللّٰہِ تعالیٰ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَبَارِکْ وَسَلَّم۔

پہلی آسمانی کتابوں میں فخرِ دوعالم ﷺ کے یہ اسمائے طیبہ بھی مذکور ہیں: المتوکل، المختار، مقیم سنّت، مقدس، روح القدس، روح الحق اور انجیل میں جو فارقلیط کا لفظ آیا ہے اُس سے رُوح الحق ہی مراد ہے۔ ثعلب نے کہا کہ فارقلیط وہ ہے جو حق و باطل میں خطِ امتیاز کھینچ دے۔ پہلی کتابوں میں آپ کا اسمِ گرامی ماذ ماذ بھی مذکور ہے جس کا مطلب طیّب، طیّب ہے۔ اِن کے علاوہ حمطایا، خاتم اور حاتم بھی مذکور ہیں۔ کعب احبار نے ذکر کیا کہ ثعلب کا قول ہے: خاتم سے یہ مراد ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہوگیا اور حاتم کا یہ مطلب ہے کہ آپ اخلاقِ عالیہ اور حسن و جمال کے لحاظ سے ممتاز تریں ہوں گے اور سریانی زبان میں حاتم کو مشفح منحمنا کہا جاتا ہے۔ توریت میں

آپ کا نام اُحید بھی ہے اور ابن سیرین نے اِس کی روایت کی ہے۔صاحب قضیب سے تلوار والا مراد ہے انجیل میں یہ وضاحت سے مذکور ہے کہ نبیِ آخرالزماں ﷺ جب تشریف لائیں گے تو ان کے ساتھ لوہے کی تلوار بھی ہوگی، جس کے ساتھ وہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کریں گے اور ان کی امت بھی ایسا ہی کرے گی۔قضیب کے معنی میں طاقت ور اور مضبوط ہونے کا بھی احتمال ہے۔

ہراوہ سے مراد عصا ہے یعنی نبی آخرالزماں ﷺ کے دستِ اقدس میں لاٹھی ہوگی۔اِس بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔میرا گمان یہ ہے کہ شاید یہ اُس حدیثِ حوض کے پیشِ نظر ہے، جس میں نے فرمایا ہے کہ یمنی لوگوں کو حوضِ کوثر سے لاٹھی مار مار کر بھگا دوں گا (کیونکہ وہاں کے بعض بدنصیبوں نے مسیلمہ کذّاب کو نبی تسلیم کرلیا تھا اور اِسی عقیدے پر وہ دنیا سے رخصت ہوئے تھے)(1)۔

التاج سے مراد عمامہ ہے۔اُس وقت عربوں کے سوا اور کسی کے سر پر عمامہ نہیں ہوتا تھا۔عمامہ عربوں کا تاج ہے۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اسمائے طیبہ، القاب بلحاظ اوصافِ کریمہ کتابوں میں اور بھی مذکور ہیں لیکن ہم نے صرف انہی پر اکتفا کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم سب سے زیادہ مشہور ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب فخرِ دوعالم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو جبرئیل علیہ السّلام نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر یوں سلام عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا اِبْرَاھِیْمَ (اے ابوابراہیم! آپ پر سلامتی ہو)۔

فقیر یوسف بن اسمٰعیل نبہانی عفا اللہ عنہ (مؤلفِ جواہر البحار) کہتا ہے کہ جستجو اور تلاشِ بسیار سے میں نے نبیِ کریم ﷺ کے آٹھ سو بیس سے چند زیادہ اسمائے طیبہ معلوم کیے ہیں،(2) جنہیں میں نے ایک قصیدے میں جمع کیا ہے، جس کا نام اَحْسَنُ الْوَسَائِلِ فِیْ اَسْمَآءِ النَّبِیِّ الْکَامِلِ ہے۔اِس کے بعد میں نے اُنہیں نثر میں علیحدہ علیحدہ حروفِ تہجی کے لحاظ سے لکھا ہے اور ساتھ ہی کچھ ضروری اور مناسب شرح بھی لکھ دی ہے۔مذکورہ اسمائے گرامی کے متعلقہ اہم فوائد ایک علیحدہ مستقل کتاب میں لکھے ہیں، جس کا نام اَلْاَسْمَا فِیْمَا لِسَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَسْمَآءِ رکھا

1۔جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیروکاروں کے بارے میں یہ ہے نبی کریم ﷺ کا نظریہ۔(اختر)

2۔ سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے — باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہا، میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا — خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

(مجدد مأتہ حاضرہ)

ہے۔ چونکہ اِس کتاب کی قصیدہ مذکورہ کے ساتھ طباعت ہو چکی ہے لہٰذا اُس کے مندرجات کو اِس کتاب میں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُن میں سے چند ایسے اسمائے طیبہ کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جو باری تعالیٰ شانہٗ کے اسمائے حسنیٰ ہیں لیکن اُس نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی مرحمت فرمائے اور ایسے کلی اسمائے گرامی جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بھی زینت اور خوبصورتی بخشی، اُن میں سے میں اکاسی (۸۱) پر مطلع ہو سکا ہوں، جنہیں اپنی کتاب اَلْاَسْمٰی مذکورہ کے مقدمہ میں چوتھے فائدے کے تحت بیان کر چکا ہوں۔

میں (علاّمہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علیہ الرحمہ) کہتا ہوں کہ مواہب لدنیہ میں امام خطیب قسطلانی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بہت سارے اسمائے طیبہ اور القاب قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ ایک جماعت اِن کی تلاش وجستجو میں منہمک ہوئی، جو ایک خاص عدد تک پہنچی۔ بعض نے نبی کریم ﷺ کے ننانوے نام تحریر فرمائے ہیں، گویا باری تعالیٰ شانہٗ کے اسمائے حسنیٰ جو ایک حدیث میں مذکور ہیں اُن سے موافقت دکھائی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت مرحمت فرمائی ہے کہ اپنے تیس ناموں کے ساتھ آپ کو مختص فرمایا۔ علاّمہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جتنی تعداد میں اسماء النبی مذکور ہوئے ہیں، کل اتنے ہی نہیں بلکہ اِن سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ کے چھٹے مقصد میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ستّر ناموں کے ساتھ آپ کو خاص فرمایا ہے، جیسا کہ آپ کے اسمائے مقدسہ سے واضح ہے۔

اِس کے بعد علاّمہ زرقانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ عنقریب اُن کا بیان آپ دیکھ لیں گے پھر حروفِ تہجی کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ آپ کے اسمائے طیبہ کا ذکر کیا ہے۔ اِس کے بعد مجھے خیال آیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول تینوں روایات کے ساتھ اُن کو جمع کروں جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد میں وارد ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے اسماء کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے، اُن تمام مرویات کو میں نے اپنی کتاب اَلْاِسْتِغَاثَۃُ الْکُبْرٰی بِاَسْمَآءِ الْحُسْنٰی میں جمع کیا ہے۔ (علاّمہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی) نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے اسمائے مبارکہ جو مذکورہ کتاب میں حروفِ تہجی کے لحاظ سے جمع کیے گئے ہیں اُن میں سے اکاسی (۸۱) نام ایسے ہیں جو باری تعالیٰ شانہٗ کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تینوں روایات سے ہیں اور کچھ

وہ ہیں جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔ ایسے اسمائے حسنہ یہ ہیں: الاوّلُ، الآخِرُ، الأحَدُ، الأكرمُ،البصير، الباطن،البِرُّ،البَدِيعُ، البرهان، الجبّار، الجليل، الجامع، الحَكَمُ، الحليم، الحفيظ، الحكيم، الحق، الحميد، الحيُّ، الحافظ، الخافِضُ، الخبير، ذو الفضل، ذُوالقوّة، الرافع، الرقيب، الرئوف، الرشيد، الرحيم، السلام، السميع،السريع،الشاكر، الشكور، الشديد،الشهيد،الصادق،الصبور، الظاهر، العزيز، العليم، العدل، العظيم، العليُّ، العَفُوُّ، العالم، الغفور، الغنى، الفتّاح، الفرد، القويُّ، القريبُ، القائم، الكريم، الكافى، الكفيل، المَلِكُ، المؤمنُ، المهيمنُ، المجيبُ، المجيدُ، المتينُ، المُحِيُّ، الماجد، المقدم، المقسط، المغنى، المبين، المُنيبُ، المَلِيكُ، المُعطِى، المنير، النُّور، الهادى، الوهّابُ، الواسعُ، الوكيلُ، الولى، الواحد، الوالى، الوافِى (صلى اللّٰه عليه و آله و صحبه و بارک وسلّم)

فائدہ

قاضی ابوالفضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اپنے ناموں کی آخری نبی جناب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پوشاک پہنائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ایک نکتہ بیان کیا جائے اور اس پر اس قسم (باب) کو ختم کروں گا۔

اُس نکتے سے ہر کم عقل اور بدفہم کا وہ اشتباہ دور ہو جائے گا جو اسے گزشتہ بیان میں ایک حدیث سے پیدا ہو گیا ہوگا۔ یہ نکتہ اُسے شبہ کی کٹھن راہوں سے بچائے گا اور جھوٹ کی ملاوٹ سے دور رکھے گا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو اپنی عظمت، کبریائی، بادشاہی، اسمائے حسنیٰ اور اعلیٰ صفات میں مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں اور نہ مخلوق کا کوئی فرد اُس کے مشابہ ہوسکتا ہے۔ لیکن جن الفاظ کا اطلاق شریعتِ مطہرہ میں خالق اور مخلوق دونوں پر ہوا ہے، حقیقت میں مشابہت وہاں بھی نہیں ہے کیونکہ ذاتِ قدیم کی صفات اور مخلوق کی صفات بالکل مختلف ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور مخلوق میں کوئی مماثلت نہیں، اسی طرح باری تعالیٰ شانہٗ کی صفات اور مخلوق کی صفات میں بھی کوئی مشابہت نہیں ہے، کیونکہ مخلوق کی صفات کو عرض وغرض سے جدائی نہیں جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اِن سے پاک اور منزّہ ہے۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ اور صفات یہ اُس کی ذات سے جُدا نہیں ہوتے نہ ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد کافی ووافی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ:11) ''اُس جیسا کوئی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ ان عارف اور محقق علمائے کرام کو شاداں وفرحاں رکھے جنہوں نے فرمایا کہ توحید

سے مراد ایک ایسی ذات کا اثبات ہے جو کسی بھی ذات کے مشابہ نہ ہو اور اپنی صفات سے کبھی معطل نہ ہو۔ واسطی علیہ الرحمہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے بیان کیا اور اسی آیت سے یہ دلیل پکڑی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مانند کوئی ذات نہیں، اس کے نام کی طرح کسی کا نام نہیں، اس کے فعل جیسا کسی کا فعل نہیں، اس کی صفات جیسی کسی میں کوئی صفت نہیں۔ اگر بظاہر الفاظ کی خالق اور مخلوق کے ناموں میں مطابقت نظر آئے تو یہ صرف الفاظ ہی کی مناسبت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات اس سے منزہ ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو اور اسی طرح مخلوق میں صفتِ قدیمہ کا پایا جانا محال ہے۔ یہی اہلِ حق وصداقت یعنی اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیان کو مزید واضح کرنے کی خاطر اس کی تفسیر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکایت توحید کے جامع مسائل پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق یعنی حادث کی ذات کے مشابہ کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ ذاتِ باری تعالیٰ تو اپنے وجود میں مستغنی بالذات ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق کے افعال کی مانند کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ یہ کسی فائدے کے حصول یا نقص کو دفع کرنے کے لیے ہے، اس میں خواہش کی تکمیل یا اغراض کو حاصل کرنے کا فعل نہیں اور اس میں کسی قسم کی مباشرت یا اسباب کی اعانت نہیں جبکہ مخلوق کے افعال ان امور سے خالی نہیں ہوتے۔

ہمارے دوسرے بعض مشائخِ عظام نے فرمایا ہے کہ تم جو کچھ اپنے وہم وگمان یا عقل سے معلوم کر لیتے ہو وہ تمہاری ہی طرح حادث ہے۔ امام ابو المعالی جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لینے پر ہی مطمئن ہو جائے اور اس کے فکر کی یہی آخری حد ہو تو جان لینا چاہیے کہ وہ مُشبّہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی سے تشبیہ دینے والا ہے، جیسے ابن حزم و ابن تیمیہ وغیرہ اور اُن کے پیروکار) اور جو شخص خدا کے سوا دوسروں کی نفی کرنے پر ہی مطمئن ہو جائے وہ مُعَطِّل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کو بے بس سمجھنے والا) اور جو اس کے وجود کا یقین رکھتا ہو لیکن ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کو معلوم کر لینے سے عاجزی کا اقرار کرے وہ اصلی مُوَحِّد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر یقین کرے کہ اشیاء پر اس کی قدرت بغیر چارہ جوئی اور اسباب کے ہے۔ اس کا صنع مزاج کے دخل اور علّت سے خالی ہے۔ ہر چیز اس کا صنع ہے اور وہ اپنے صنع کے لیے علّت کا محتاج نہیں۔ جو چیز تیرے وہم میں سما سکے ذاتِ باری تعالیٰ اس سے وریٰ ہے۔ یہ کلام عجیب، نفیس اور محققانہ ہے۔ اس کا آخری حصہ اس فرمانِ الٰہی کی تفسیر ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (انبیاء:23)

''اُس (خدا) سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے''۔

اللہ رب العزت کے اس ارشاد کی تفسیر ہے کہ: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ دوسرا حصہ اور تیسرا حصہ باری تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے کہ:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ (النحل)

''جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا کہ ہم کہیں، ہو جا، وہ ہو جاتی ہے''۔

اللہ ہمیں اور آپ کو اثباتِ توحید اور تقدیس و تنزیہہ کے عقیدے پر ثابت قدم رکھے اور تشبیہ و تعطیل سے بچائے جو ضلالت اور گمراہی کے راستے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وبارک وسلّم۔

معجزاتِ سیّد المرسلین

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء کی القسم الاوّل کے چوتھے باب میں ذکر فرمایا ہے اور یہ باب اُنہوں نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور خصائص وکرامت ہی کے لیے مختص کیا ہے کہ اِس باب میں ہم اُن مشہور معجزات کا ذکر کریں گے جو دیگر کتنے ہی معجزات کے سرچشمے ہیں تاکہ یہ باب اظہر من الشمس ہو جائے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ خداوندی میں کیسی عظیم قدر و منزلت ہے۔ اِس سلسلے میں ہم تحقیق شدہ اور صحیح احادیثِ مقدسہ ہی پیش کریں گے، جن میں سے اکثر توحدِ یقین کو پہنچی ہوئی ہیں اور بعض اُن کے قریب تر ہیں۔ کچھ ایسی روایات بھی ہم نے پیش کی ہیں جو مشہور اکابر یعنی آئمہ دین کی تصانیف میں موجود ہیں یعنی اُنہوں نے جن سے استناد کیا ہے۔

جب ایک منصف مزاج آپ کے ان حالات میں غور وفکر کرے، جو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوشنما نقوشِ قدم، قابلِ تعریف سیرت، علمی رفعت، عقلی کمالات، حلم اور جملہ کمالاتِ عالیہ وخصائصِ محمودہ اور ارشاداتِ مقدسہ کے بارے میں بیان کیا ہے، تو اسے آپ کی نبوت اور دعوت کی صداقت و صحت کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ملے گی اور یہی ایک بات مسلمان ہونے اور آپ پر ایمان لانے کے لیے کافی ہے۔ ہم نے ترمذی اور ابن قانع وغیرہما سے ان کی اسانید کے ساتھ روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ہجرت کرکے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو مجھے دیکھتے ہی یقین حاصل ہو گیا کہ جھوٹے آدمی کا ایسا چہرہ نہیں ہو سکتا (1)۔

1۔ جو حسینانِ عالم سے ہے خوب رُو   جس پہ حُسن آفریں کو بھی پیار آ گیا

(اختر شاہجہانپوری)

ابورمثہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرا لڑکا بھی تھا۔ مجھے آپ کی زیارت کرنے کا موقع دیا گیا تو اُس معجز نما ہستی کو دیکھتے ہی یقین آگیا کہ وہ سچا نبی ہے۔ امام مسلم اور بعض دوسرے محدثین نے روایت کی ہے کہ جب ایک شخص ضماد نامی آپ کی زیارت میں بصورتِ وفد حاضر ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس وفد کے سامنے فرمایا:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (ص ۵۵)

"بیشک سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد بجالاتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جو گمراہ ہو جائے اسے کون ہدایت دے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا شریک کوئی نہیں اور بے شک محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)"۔

ضماد نے یہ کلماتِ مقدسہ سنے تو کہنے لگا: آپ بار بار یہ کلمات دہراتے رہیے، یہ تو بحرِ حقیقت کی تہہ کے موتی ہیں۔ آپ ہاتھ آگے بڑھائیں، میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ جامع بن شدّاد کا بیان ہے کہ ہم میں طارق نامی ایک آدمی تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ اسی دوران میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: کیا تمہارے پاس فروخت کرنے والی کوئی چیز ہے؟ ہم نے جواب دیا: یہ اونٹ ہے۔ آپ نے قیمت پوچھی تو ہم نے کچھ وسق کھجور اس کی قیمت بتائی۔ آپ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور لے کر چلے گئے۔ ہم آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ایک اجنبی شخص کے ہاتھوں اونٹ فروخت کردیا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ وہ کہنے لگی: آپ کے اونٹ کی قیمت کی ضامن میں ہوں۔ میں نے اونٹ خریدنے والے شخص کا چہرہ انور دیکھا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ ایسا شخص تمہارے ساتھ بدعہدی نہیں کرسکتا۔ صبح ہوتے ہی ایک آدمی کھجوریں لے کر آیا اور کہنے لگا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمہارے پاس یہ کھجوریں دے کر بھیجا ہے۔ اِن کا وزن کر کے قیمت پوری کرلو۔ چنانچہ ہم نے اِس طرح مطلوبہ کھجوریں وصول کرلیں۔

جلندی شاہِ عمان کے بارے میں منقول ہے کہ اُسے جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا آخری

رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اُسے اسلام کی دعوت دے رہا ہے تو اس کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، مجھے اس اُمّی نبی کے برحق ہونے پر اس بات نے دلالت کی کہ وہ اس وقت تک کسی بھلائی کا حکم نہیں اُس سے اجتناب نہ کریں۔ جب وہ غلبہ پالیتے ہیں تو مغرور نہیں ہوتے اور جب مغلوب ہو جاتے ہیں تو مایوس نہیں ہوتے۔ ایفائے عہد کرتے ہیں، وعدے کا لحاظ رکھتے ہیں اس لیے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے نبی ہیں۔ ارشادِ ربانی:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (النور:35)

"قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے"۔

کی تفسیر میں نفطویہ نے کہا کہ یہ ایک مثال ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے متعلق بیان فرمائی ہے، یعنی اے حبیب! خواہ تم قرآن کریم کی تلاوت کر کے کسی کو نہ بھی سنا رہے ہو گے، اس وقت بھی تمہاری رویت ہی تمہاری نبوت پر دلالت کر رہی ہو گی۔ اسی طرح ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: ۔

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ   فَكَانَ مَنْظَرُهٗ يُنَبِّئُكَ بِالْخَبَرِ

معجزات و قرآنِ کریم

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کے معجزات کو اچھے پیرائے میں اور مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ ابتداء اعجاز القرآن سے کی ہے۔ اعجاز القرآن کے بکثرت وجوہ بیان فرمائے ہیں، جن پر مطلع ہونے کے بعد ایک منصف مزاج یہ یقین کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے کسی میں یہ طاقت اور صلاحیت نہیں ہے کہ قرآن کریم کی کسی چھوٹی سی سورت جیسی سورت بنا کر لے آئے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد مختلف معجزات کا ذکر کیا ہے مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو کر زمین کے قریب آنا اور واپس چلا جانا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ عصر ادا کروانے کے لیے سورج غروب ہونے سے واپس بلانا، انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہونا، آپ کی برکت سے پانی جاری ہو جانا، آپ کے مَس کرنے اور دعا کرنے سے چیزوں کا نامعلوم طریقے سے بڑھ جانا، آپ کی برکت اور دعا سے کھانے پینے کی چیزوں کا زیادہ ہو جانا، درختوں کا کلام کرنا اور آپ کی نبوت کی گواہی دینا، درختوں کا آپ کے بلانے پر حاضر ہو جانا، حنّانہ ستون کا واقعہ، جمادات وحیوانات سے متعلق جو معجزات ظاہر ہوئے، مُردوں کا زندہ کرنا، بیماروں کو تندرست کر دینا،

دعاؤں کا فوراً قبول ہونا، یہ ایک وسیع اور انوکھا باب ہے (یعنی ایمان افروز باب ہے)، موجودات خارجیہ جنہیں آپ نے مس کیا، ان کا آپ کی برکت وکرامت سے ماہیت تبدیل کر لینا نیز:

وَمَا اِطَّلَعَ عَلَيْهِ مِنَ الْغُيُوْبِ فِيْمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَالْاَحَادِيْثُ فِي هٰذَا الْبَابِ بَحْرٌ لَا يُدْرَكُ قَعْرُهٗ وَلَا يُنْزَفُ غَمْرُهٗ وَهٰذَا الْمُعْجِزَةُ مِنْ جُمْلَةِ مُعْجِزَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَعْلُوْمَةُ عَلَى الْقَطْعِ الْوَاصِلِ اِلَيْنَا خَبَرُهَا عَلَى التَّوَاتُرِ لِكَثْرَةِ رُوَاتِهَا وَاِتِّفَاقِ مَعَانِيْهَا عَلَى الْاِطِّلَاعِ عَلَى الْغَيْبِ حَتّٰى اَنْ كَانَ بَعْضُهُمْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ اُسْكُتْ فَوَاللّٰهِ لَوْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ مَنْ يُخْبِرُهٗ لَاَخْبَرَتْهُ حِجَارَةُ الْبَطْحَآءِ۔ (ص ۵۶)

''اور جو آپ غیوب پر مطلع ہیں، اُن میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو چکا اور جو ہونے والا ہے۔ اس بات کے ثبوت میں اتنی احادیث موجود ہیں کہ گویا سمندر ہیں جس کی تہہ نہیں مل سکتی اور نہ اس کا پانی نکالا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ معجزات جن کا علم ہمیں قطعی طور پر ہے اور کثیر التعداد راویوں کے ذریعے ہمیں تواتر کے طور پر پہنچے ہیں اور جن کے مفہوم ومعانی پر اتفاق ہے، اُن میں سے آپ کا غیب پر مطلع ہونے کا معجزہ بھی ہے۔ صحابہ کرام کا اِس پر یہاں تک یقین تھا کہ جب کوئی اپنے ساتھی سے بات کرتا، تو دوسرا کہتا: خاموش رہو۔ خدا کی قسم اگر حضور کے اور کوئی خبر دینے والا نہ ہوا تو بطحا کے پتھر بھی انہیں بتا دیں گے''۔

اِس کے علاوہ قیامت کی نشانیاں بتانا نیز حشر ونشر اور قیامت کے حالات بتانا، حالانکہ اِس فصل کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، جو کتنے ہی اجزاء پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں لوگوں کے شر سے باری تعالیٰ شانہٗ کا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھنا اور اُن کی اذیتوں سے آپ کو بچائے رکھنا (یعنی دشمن آپ کو ختم کرنا چاہتے تھے لیکن نہ کر سکے)۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اقسام کے بے شمار معجزات کا ذکر کیا ہے، حتّٰی کہ فرمایا:

وَمِنْ مُعْجِزَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَاهِرَةِ مَا جَمَعَهُ اللّٰهُ لَهٗ مِنَ الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَخَصَّهٗ بِهٖ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰى جَمِيْعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاُمُوْرِ شَرَائِعِهٖ وَقَوَانِيْنِ دِيْنِهٖ وَسِيَاسَةِ عِبَادِهٖ وَمَصَالِحِ اُمَّتِهٖ وَمَا كَانَ فِي الْاُمَمِ قَبْلَهٗ وَقِصَصِ الْاَنْبِيَآءِ وَالرُّسُلِ

وَالْجبابرَةِ وَالْقُرُوْنِ الْماضِيَةِ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰی زَمنِهٖ وَحِفْظِ شَرَائِعِهِمْ وَكُتُبِهِمْ وَوُعی سِيَرُهُمْ وَسَرْدِ اَنْبَآئِهِمْ وَاَيَّامِ اللّٰهِ فِيْهِمْ وَصِفَاتِ اَعْيَانِهِمْ وَاخْتِلَافِ اٰرَائِهِمْ وَالْمَعْرِفَةِ بِمُدَدِهِمْ وَاَعْمَارِهِمْ وَحِكَمِ حُكَمَائِهِمْ وَمُحَاجَّةِ كُلِّ اُمَّةٍ مِّنَ الْكَفَرَةِ وَمُعَارَضَةِ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ لِمَا فِی كُتُبِهِمْ وَاِعْلَامِهِمْ بِاَسْرَارِهَا وَمَخْبَاتِ عُلُوْمِهِمْ وَاَخْبَارِهِمْ بِمَا كَتَمُوْهُ مِنْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ وَاِلَی الْاِحْتِوَاءِ عَلٰی لُغَةِ الْعَرَبِ وَغَرِيْبِ اَلْفَاظِ فِرَقِهَا وَالْاِحَاطَةِ بِضُرُوْبِ فَصَاحَتِهَا وَالْحِفْظِ لِاَيَّامِهَا وَاَمْثَالِهَا وَحِكَمِهَا وَمَعَانِی اَشْعَارِهَا وَالتَّخْصِيْصِ بِجَوَامِعِ كُلِّهَا اِلَی الْمَعْرِفَةِ بِضَرْبِ الْاَمْثَالِ الصَّحِيْحَةِ وَالْحِكَمِ الْبَيِّنَةِ بِتَقْرِيْبِ التَّفْهِيْمِ لِلْغَامِضِ وَالتَّبْيِيْنِ لِلْمُشْكِلِ اِلٰی تَمْهِيْدِ قَوَاعِدِ الشَّرْعِ الَّذِیْ لَا تَنَاقُضَ فِيْهِ وَلَا تَخَاذُلَ فِيْمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا مَعَ اِشْتِمَالِ شَرِيْعَتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی مَحَاسِنِ الْاَخْلَاقِ وَمَحَامِدِ الْاٰدَابِ وَكُلِّ شَیْئٍ مُسْتَحْسِنٍ مُفَصَّلٍ لَمْ يُنْكِرْ مِنْهُ مُلْحِدٌ ذُوْعَقْلٍ سَلِيْمٍ شَيْئًا اِلَّا مِنْ جِهَةِ الْخِذْلَانِ بَلْ كُلُّ جَاحِدٍ لَهٗ وَكَافِرٌ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ بِهٖ صلی الله عليه وسلّم اِذَا سَمِعَ مَا يَدْعُوْا اِلَيْهِ صَوَّبَهٗ وَاسْتَحْسَنَهٗ دُوْنَ طَلَبِ اِقَامَةِ بُرْهَانٍ عَلَيْهِ۔(ص۵٦)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت بڑے معجزات میں سے یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم ومعارف کا خزانہ بنا دیا اور آپ کو خصوصیت بخشی کہ دین ودنیا کے تمام مصالح پر آپ کو مطلع فرمایا نیز شریعتوں کے امور اور اپنے دین کے قوانین کی معرفت عطا فرمائی اور اپنے بندوں کی سیاست اور اپنی امت کے مصالح اور گزشتہ امتوں کے حالات، انبیاء ومرسلین کے حالات، آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے عہد مبارک تک کے جابر بادشاہوں اور گزرے ہوئے زمانوں کے قصے اور امم سابقہ کی شریعتوں، اُن کی کتابوں اور سیرتوں کو ذہن میں محفوظ کر لینا، اور ان کی خبروں، ان پر اللہ تعالیٰ کے انعام یا عذاب کے واقعات، ان کے سرگروہوں کے اطوار، ان کا اختلاف آراء، ان کی مدتوں، عمروں اور ان کے حکماء

کے اقوال کو جان لینا اور ہر امت سے کافروں کے جھگڑوں اور اہلِ کتاب کے ہر فرقے کے ساتھ اس کی مسلمہ کتابوں کے ذریعے معارضے کی صلاحیت ہونا، ان کی کتابوں کے اسرار اور چھپائے ہوئے علوم واخبار کو ظاہر کرنا (یعنی جن باتوں کو اہل کتاب مخصوص مصلحتوں کے تحت چھپائے رکھتے تھے)، عربی زبان کی مہارت حاصل ہونا اور ہر جماعت اور قبیلے کے خاص الفاظ اور ان کی فصاحت کی جملہ اقسام کا احاطہ کر لینا، ان کے واقعات وحوادث، مثالیں، حکمتیں اور ان کے اشعار کے معانی حفظ کر لینا، سارے جامع کلمات کو معرفت کی جانب خاص کر دینا اور صحیح محاورات وضرب الامثال کی معرفت ہونا اور حکم کو واضح اور عام فہم لفظوں میں بیان کرنا اور ہر مشکل بات کو ایسے آسان لفظوں میں واضح بیان کرتے کہ اُن کے فہم کے نزدیک ہوتی چلی جاتی۔ وہ شریعتِ مطہرہ جس میں کوئی تناقض نہیں ہے اس کے شروع میں قواعد کو آسان طریقے سے بیان کیا ہے اور شریعت میں کوئی کمزوری بھی نہیں ہے جو کہ ہمارے لیے نازل ہوئی۔ شریعتِ محمدیہ تو اچھے اخلاق اور قابلِ تعریف آداب پر مشتمل ہے اور اس کی ہر بات واضح پسندیدہ ہے، جس کا عقلِ سلیم رکھنے والا ایک ملحد بھی انکار نہیں کرسکتا لیکن اس شخص کا معاملہ ہی دیگر ہے جس کو بدبختی اور رسوائی نے جکڑ رکھا ہو، یہاں تک کہ دورِ جاہلیت میں کسی منکر اور کافر نے بھی جب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس پیغام کو سنا تو اس کو بھی تصویب وتحسین کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا اور آپ کی حقانیت پر دوسری کسی دلیل کا مطالبہ تک نہیں کیا''۔

اس کے ساتھ ہی طیّبات کو اپنی امت کے لیے حلال اور خبائث کو حرام ٹھہرایا اور مسلمانوں کی جان، مال اور عزت وآبرو کو دوزخ سے بچانے کی خاطر تعزیرات اور حدود قائم کر کے محفوظ فرمایا۔ ایسی باتوں کا اہتمام وہی ماہر شخص کرسکتا ہے، جس نے علم حاصل کیا اور کتابوں کو پڑھا ہو نیز مختلف علوم وفنون کی تحصیل میں مہارت حاصل کی ہو جیسے طب، خوابوں کی تعبیر، میراث ووراثت، حساب، انساب اور دیگر ایسے ہی علوم۔ حالانکہ اِن علوم کے ماہرین نے جب آپ کے ارشاداتِ عالیہ میں غور وفکر کیا تو انہیں اپنے تجربات کی بنیاد اور اصل الاصول پایا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد چند وہ احادیث نقل فرمائی ہیں، جن کا تعلق مذکورہ بالا علوم وفنون سے ہے۔ اس کے بعد فرشتوں اور جنوں کے متعلق آپ نے جو خبریں دیں، انہیں نقل فرمایا نیز آپ کی نبوت کے دلائل اور رسالت کی علامتوں کا ذکر کیا اور احبار ورہبان اور علمائے اہلِ کتاب

نے آپ کی اور امتِ محمدیہ کی جو صفات، اسماء اور علامات بیان کی ہیں، انہیں نقل کیا اور مہرِ نبوت کا تذکرہ کیا جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور جس کا ذکر گزشتہ موحدین کے اشعار میں بھی پایا جاتا ہے نیز کاہن جس کی خبر دیا کرتے تھے اور غائب جنوں، بتوں اور تصویروں کے اندر سے بار ہا آوازیں سنی گئیں، اسی طرح قدیم زمانے کے طریقہ ہائے تحریر میں پتھروں اور قبروں پر آپ کا اسم گرامی اور آپ کی رسالت کی گواہی لکھی ہوئی پائی گئی اس سلسلے کے اکثر واقعات مشہور و معلوم ہیں لیکن اسی شخص کے لیے جو نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ پر مطلع ہے اور ہم (علامہ یوسف بن اسمٰعیل مبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب حجة الله على العالمين میں اس موضوع پر شرح و بسط سے لکھا ہے۔

معجزاتِ ولادت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادتِ مقدسہ کے وقت جو نشانیاں اور خرقِ عادت باتیں دیکھی گئی ہیں جیسا کہ آپ کی والدۂ ماجدہ اور جو افراد وہاں موجود تھے، انہوں نے عجائب بیان کیے ہیں کہ ولادت کے بعد آپ کا آسمان کی جانب ٹکٹکی لگا کر دیکھنا، اور وہ نور جو آپ کی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقتِ ولادت آپ کے ساتھ نکلتے دیکھا، حتّٰی کہ اس کی روشنی میں بصرے کے محلات نظر آ گئے تھے، جیسا کہ امام احمد اور بیہقی نے حضرت عرباض بن ساریہ اور ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے اور جو عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت ستاروں کو آتے ہوئے اور نور کو ظاہر ہوتے ہوئے دیکھا، حتّٰی کہ اُس نور کے وقت اور کچھ نظر نہیں آتا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ، جو آپ کی دایہ تھیں، ان کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا پر جلوہ افروز ہوئے اور میرے ہاتھوں میں دیئے گئے تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے'' اس وقت میرے لیے مشرق و مغرب روشن ہو گئے حتّٰی کہ میں نے روم کے محلات دیکھ لیے، اسی طرح آپ کو دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاوند نے جو آپ کی برکتیں دیکھیں کہ ان کے دودھ کا جوش مارنا، ان کی بوڑھی اونٹنی کا دوبارہ دودھ دینے لگنا، ان کی بکریوں کا بہت بڑھ جانا، آپ کا تیزی سے نوجوان ہو جانا، اور حسین نشوونما پانا معروف ہے۔

نیز آپ کی پیدائش کے وقت جو عجائبات ظاہر ہوئے جیسا کہ بیہقی نے روایت کی ہے، اس کے علاوہ کسریٰ کے محلات کا تزلزل میں آ جانا اور ان کے کنگروں کا گر پڑنا، بحیرۂ طبریہ کا خشک ہو جانا، آتشکدۂ فارس کی آگ کا بجھ جانا جبکہ ایک ہزار سال سے وہ بجھی نہیں تھی اور یہ کہ سید المرسلین ﷺ

بچپن میں جب اپنے چچا ابو طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سیر ہو جاتے اور جب وہ آپ کی عدم موجودگی میں کھانا کھاتے تو سب بھوکے رہ جاتے، ابو طالب کی اولاد جب سو کر صبح اٹھتی تو ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیدار ہوتے تو گیسوئے مبارک گویا شانہ کیے ہوئے، چہرہ خوشبودار اور آنکھیں سُرمگیں ہوتیں۔

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ کی خدمت کرنے والی تھیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھوک اور پیاس کی شکایت کرتے ہوئے نہیں سنا، آپ کے معجزات سے آسمانی آگ اور شعلوں کے گرنے کی بندش اور شیطانوں کے چوری کرنے کے راستوں کا ختم ہونا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت مرحمت فرمائی کہ بتوں سے عداوت اور امورِ جاہلیت سے نفرت آپ کی فطرت میں شامل فرما دی حتیٰ کہ ستر (جسم ڈھانپنے) کے بارے میں آپ کی حالت یہ تھی، جیسا کہ مشہور خبر ہے، جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، جیسا کہ بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس دوران میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازار مبارک کو آپ کے کندھے پر رکھ دیا گیا، تو بوجہ حیا آپ زمین پر گر پڑے، یہاں تک کہ اسے واپس کیا گیا۔ آپ کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں ننگا ہونے سے منع کیا گیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا آپ پر سفر میں بادلوں سے سایہ کرنا جیسا کہ ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اور ان کی برادری کی کتنی ہی عورتوں نے دیکھا کہ جب آپ شام کی جانب سے آئے تو دو فرشتوں نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے غلام میسرہ سے اِس کا تذکرہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اس قسم کے تعجب خیز واقعات اسی وقت سے دیکھ رہا ہوں جب سے ان کا ہم سفر ہوا تھا۔ روایت کی گئی ہے کہ جب آپ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہتے تھے تو انہوں نے بادل کو آپ کے اوپر سایہ کرتے دیکھا۔ اس کی روایت آپ کے رضاعی بھائی (دودھ شریک بھائی) نے کی ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کسی سفر میں ایک خشک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے تو اس درخت کے اردگرد سبزہ نمودار ہو گیا اور وہ درخت بھی سرسبز ہو کر لہلہانے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شاخیں پھیل کر لٹکنے لگیں، یہاں تک کہ وہ خوب سایہ دار ہو گیا۔ دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اس نے آپ پر اچھی طرح سایہ کر دیا۔ جو عام مشہور ہے کہ:

كَانَ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهِ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ لِأَنَّهُ كَانَ نُوْرًا وَاِنَّ

الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَلَا ثِيَابِهٖ۔(ص ۵۸)

''رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں بھی نہیں ہوتا تھا کیوں کہ آپ سرتاپا نور ہی نور تھے اور مکھی کی یہ مجال نہیں تھی کہ کبھی بھی وہ آپ کے جسمِ اطہر یا آپ کے کپڑوں پر بیٹھے''۔

جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ آپ کے معجزات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو تنہائی پسند رکھا گیا اور وحی آنے یعنی قرآن کریم نازل ہونے تک آپ کی یہی کیفیت رہی جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے اور بخاری و مسلم میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ کو وصال کی خبر دی گئی اور بتا دیا گیا کہ اب مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں واپس پہنچنے کا وقت نزدیک آ گیا ہے۔ یہ بھی آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ روضہ اطہر مدینہ منورہ میں ہوگا اور ہوگا بھی آپ کے کاشانہ اقدس کے اندر۔ نیز یہ کہ آپ کے دولت کدے اور مقدس منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو باری تعالیٰ شانہٗ نے دنیا میں رہنے اور رحلت فرمانے میں اختیار دیا تھا کہ کسی ایک چیز کو اختیار کر لیا جائے۔ آپ نے آخرت کو پسند کیا اور فرمایا اَللّٰھُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى (اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ ساتھی ہے)۔ یہی آپ کے آخری کلمات ہیں، اِن کے بعد پھر کلام نہیں فرمایا۔

بوقتِ وصال کے واقعات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سُنن میں ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ملائکہ کا نمازِ جنازہ کی جگہ صلوٰت و سلام پڑھنا، ملک الموت کا اجازت لے کر حاضرِ بارگاہ ہونا حالانکہ آپ سے پہلے ملک الموت نے کسی سے اجازت نہیں لی۔ بوقتِ غسل ملائکہ کی جانب سے یہ آواز آنا کہ آپ کی قمیص مبارک کو نہ اتارو۔ صحابہ کرام نے اس آواز کو سنا لیکن ایسا کہنے والا نظر کوئی بھی نہ آیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ وصال کے بعد حضرت خضر علیہ السلام اور ملائکہ نے اہل بیت اطہار سے یوں اظہارِ تعزیت کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اِنَّ فِي اللّٰهِ خَلَفًا مِنْ كُلِّ هَالِكٍ وَعَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَدَرَكًا مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ ثِقُوْا وَاِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّ الْمُصَابَ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ رواه البيهقى فى دلائل النبوة۔(ص ۵۸)

''اے نبی کریم ﷺ کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ بے شک دنیا سے رخصت ہونے والے ہر شخص کا وارث خدا ہے۔ وہی ہر مصیبت میں تسلی

دیتا ہے اور وہی نقصان کو پورا کرنے والا ہے۔تم خدا سے ڈرتے رہو،اسی سے امید رکھو کیونکہ اصلی مصیبت زدہ وہی ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے۔اسے بیہقی نے دلائل النبوت میں روایت کیا ہے''۔

امام شافعی اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے کہ اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر آپ کی کرامتیں اور برکتیں دنیاوی زندگی میں ظاہر تھیں لیکن وصال کے بعد بھی اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرنا۔

معجزاتِ مصطفیٰ کی ترجیح

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات، دیگر انبیائے کرام کے مقابلے میں دو وجہ سے زیادہ واضح اور اہم ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ کے معجزات تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔جس نبی کو جو بھی معجزہ ملا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مرحمت فرمایا گیا، یا اس سے بھی اعلیٰ معجزہ دیا گیا اور اہل علم اس بات سے پوری طرح واقف ہیں۔آپ کے معجزات اس طرح حدِ شمار سے باہر ہیں کہ قرآن کریم اول سے آخر تک معجزہ ہے اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت میں بھی اعجاز موجود ہے اور وہ سورۂ کوثر ہے۔اسی میں یہ موجود ہے:

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١ (کوثر)

''اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں''۔

جب اس چھوٹی سی سورت میں بھی اعجاز موجود ہے حالانکہ اس کے صرف دس کلمے ہیں لیکن پورے قرآنِ کریم میں تو ستّر ہزار سے بھی کچھ اوپر ہی کلمات ہیں۔چونکہ سورۂ کوثر کے دس کلمے ہیں، اس لحاظ سے حصے بناتے چلے جائیں تب بھی قرآن کریم کے سات ہزار سے زیادہ حصے بنتے ہیں اور ہر حصہ واقعی معجزہ ہے۔علاوہ بریں اس کے اعجازِ بلاغت و اعجازِ نظم وغیرہ کے لحاظ سے دیکھیں تو مذکورہ تعداد کئی گنا ہو جائے گی۔اعجاز کی ایک وجہ غیبی امور کی خبریں دینا بھی ہے، یوں اور کئی گنا تعداد ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ بھی اعجاز کی اور کتنی ہی وجوہات ہیں اگر ان کے حساب سے گنتے چلے جائیں تو صرف قرآنِ کریم سے متعلق ہی آپ کے اتنے معجزے ہو جائیں گے کہ اعداد بھی ان کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔اس بارے میں جو احادیث و اخبار وارد ہیں وہ اعجاز کی کثرت کے لحاظ سے مذکورہ تعداد کے کئی گنا معجزات کا پتہ دیتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی وضاحت واہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دیگر انبیاء کے معجزات اس زمانہ کے لوگوں کی ہمت اور اس فن کے اعتبار سے تھے جس میں اس زمانے کے لوگ مہارت رکھتے ہوں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا بہت زور تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا معجزہ دے کر بھیجا جو ان کاموں سے مشابہت رکھتا تھا، جن پر قدرت رکھنے کا وہ دعویٰ کرتے تھے۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس وہ معجزہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے کیونکہ اس نے ان کے جادو کو باطل کر دکھایا تھا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علمِ طب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا تھا تو آپ ان کے پاس ایسا معجزہ لے کر تشریف فرما ہوئے جس پر انہیں کوئی قدرت نہیں تھی۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ مردے کو بھی زندہ کیا جا سکتا ہے نیز بغیر معالجے اور طبی طریقوں کے مادرزاد اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا ممکن ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات بھی اسی طرح تھے۔

جس دور میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو عرب میں چار علوم بہت مشہور تھے: (۱) بلاغت (۲) شاعری (۳) خبر (تاریخ) (۴) کہانت۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآنِ کریم نازل فرمایا جو مذکورہ چاروں علوم کے لیے خارق ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت اور ایجاز کے ایسے کمالات پر مشتمل ہے جس کا ان کے کلام میں شائبہ بھی نہیں پایا جاتا(1)۔ اس عجیب و غریب نظم اور پسندیدہ اسلوب کے وہ کوچے ہی سے نابلد تھے۔ جہاں تک اخبار یعنی تاریخ کا تعلق ہے تو قرآنِ کریم نے ایسے واقعات و حوادث اور اسرار و مخفیات کی خبریں دیں اور وہ خبروں کے مطابق ہی ظہور پذیر ہوئے تو کسی پرلے درجے معاند اور دشمن کو بھی اس کی صحت و صداقت میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ رہی کہانت، تو یہ ایک مرتبہ سچی اور دس مرتبہ جھوٹی ثابت ہوتی رہتی ہے۔ شیاطین پر آسمان سے چنگاریاں پھینک کر اور ستاروں کے ٹوٹنے سے کہانت کو باطل کر کے بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ قرآنِ کریم نے اپنے زمانہ نزول کے حالات، گزشتہ انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے تذکرے نیز گزرے ہوئے واقعات کو بیان کر کے ہمہ دانی کا دعویٰ کرنیوالوں کو جاہل محض ثابت کر دکھایا۔

قرآنِ کریم ایسا معجزہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں بلکہ یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور ہر گروہ کے لیے واضح دلیل و حُجت ہے۔ بعد میں آنے والا جو بھی شخص اس کے وجوہِ اعجاز میں غور و فکر اور تامّل

1۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا ہے: ۔

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے

کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

کرے گا تو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ:

إِلٰى مَا أَخْبَرَ بِهٖ مِنَ الْغُيُوْبِ عَلٰى هٰذَا السَّبِيْلِ فَلَا يَمُرُّ عَصْرٌ وَزَمَنٌ إِلَّا وَيَظْهَرُ فِيْهِ صِدْقُهٗ صلّى الله عليه وسلّم عَلٰى مَا أَخْبَرَ فَيَتَجَدَّدُ الْإِيْمَانُ وَيَتَظَاهَرُ الْبُرْهَانُ۔ (ص ۵۹)

''سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزے کے طور پر اس قدر غیب کی خبریں دی ہیں کہ کوئی دور اور زمانہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ کی صداقت ظاہر نہ ہوئی ہو اس سے ایمان کو تازگی اور حقانیت کی دلیل کو غلبہ ملتا ہے''۔

دیگر انبیائے کرام جب دنیا سے رخصت ہو جاتے تو ان کے معجزات بھی ختم ہو جاتے تھے لیکن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ نہ تو ختم ہونے والا ہے اور نہ منقطع ہو سکتا ہے۔ اس کے دلائل زائل نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ تر و تازہ رہتے ہیں۔ اسی لیے فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر نبی کو اس کے زمانے کے مطابق معجزے دیے گئے، جن کو دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لاتے تھے لیکن میرا معجزہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمائی۔ میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت میں میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کا صحیح مفہوم تو یہی ہے لیکن اکثر علماء نے اس کی تاویل کی ہے، اور ظہورِ معجزہ کے بارے میں اس طرف گئے ہیں کہ آپ کے اس معجزے کا ظہور وحی یعنی کلامِ الٰہی ہونے کے باعث ہے جس میں نہ تو فکری قوت کا دخل اور نہ تشبیہ متصور، لیکن مخالفین و معاندین نے انبیائے کرام کے معجزات کا مقابلہ ایسے امور سے کیا جن کا دارومدار فکری قوت پر تھا اور اس طرح کوتاہ فہم لوگوں کو کسی حد تک ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں جادوگروں نے اپنی رسّیاں اور چھڑیاں پھینک کر سانپوں کی شکل میں دکھا دیں اور جادوگر ایسی شعبدہ بازی لوگوں کو دکھایا کرتے ہیں لیکن قرآنِ کریم تو کلامِ الٰہی ہے، اس پر کوئی جادو یا قوتِ متخیلہ اثر انداز نہیں ہو سکتی یعنی اس کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ اس اعتبار سے قرآنِ کریم کو دیگر تمام معجزات پر بھی فوقیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کفارِ عرب نے اس کے مقابلہ اور معارضہ سے ہتھیار ڈال دیئے تھے چنانچہ انہوں نے جلاوطنی، قید، ذلّت و رسوائی، نقل مکانی، جانی و مالی نقصانات، زجر و توبیخ، تہی دستی، جھڑکیاں کھانے اور دھتکارے جانے کے مصائب تک برداشت کر لیے، لیکن قرآنِ عزیز جیسی ایک آیت بھی بنا کر لانے سے عاجز رہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اِس کے بعد قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں پر حقوق کا تذکرہ کیا ہے۔

ان میں سرفہرست آپ پر ایمان لانا ہے۔ پھر آپ کی اطاعت اور سنت کی پیروی ہے کیونکہ یہ آپ سے محبت رکھنے اور اپنی خیر خواہی کے لوازم سے ہے۔ آپ کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کردینا چاہیے کیونکہ یہ آپ کی تعظیم وتوقیر اور احسان ماننے کی نشانی ہے۔ وصال کے بعد ہر اس چیز کا احترام کیا جائے جو آپ کی جانب منسوب ہے۔ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور روضہ اطہر کی زیارت کرنا۔ جو باتیں آپ کے لیے واجب یا جو آپ پر محال اور ممتنع تھیں انہیں مدِ نظر رکھے کیونکہ آپ کو گالی دینے یا آپ کی شان میں نازیبا لفظ جاری کرنے یا تنقیص کرنے والے کے لیے قتل کرنے کا حکم ہے یا اس کے نزدیک۔ اس فصل کا اختتام اس بیان پر ہوا ہے کہ آپ کے اہلِ بیتِ اطہار، ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کو گالی دینا یا ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون ہے۔ قصہ مختصر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں فخرِ دوعالم ﷺ کے فضائل ومعجزات اور دیگر احوال ایسی شرح وبسط سے بیان فرمائے ہیں، جن پر مطلع ہونے اور نفع حاصل کرنے سے کوئی مسلمان مستغنی نہیں۔ کتاب الشفاء اس موضوع پر عدیم النظیر کتاب ہے جس کی مقبولیت پر امتِ محمدیہ کا اتفاق ہے۔ اس کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ فضائلِ مصطفیٰ پر سب سے پہلے لکھی گئی۔ اگرچہ مواہب لدنیہ بھی اس باب میں یکتا ہے کیونکہ اس میں بیانات زیادہ شرح وبسط سے ہیں لیکن یہ امتیاز پھر کتاب الشفاء ہی کو حاصل ہے کہ وہ اس میدان کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

امام، عارف باللہ، حکیم محمد بن علی ترمذی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے

فرموداتِ

نوٹ: یہ صاحبِ سُنن، ابوعیسیٰ ترمذی نہیں ہیں۔

فخرِ دوعالم کی ہیبت

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں فرمایا ہے کہ ظاہری حیات اور بعد وفات فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہیبت کی تاثیر دلوں میں تھی اور ہے، اس کتاب کی ایک سو چھتیسویں اصل کا عنوان اور موضوع یہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اس رونق آرائے گیتی نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا تو آپ کی ضیا باریوں سے مدینۃ الرسول کی ہر شے جگمگا اٹھی اور جس روز آپ نے وفات پائی تو مدینہ طیبہ کی ہر ایک چیز کو غم والم کے اندھیرے نے گھیر لیا۔ آپ کو قبرِ انور کے سپرد کر دینے کے بعد ہم نے ابھی اپنے ہاتھوں کو جھاڑا بھی نہیں تھا کہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نُوْرًا اَضَاءَ الْعَالَمِيْنَ قَالَ تَعَالٰى اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا فَكَانَ يَسْتَنِيْرُ سِرَاجُهٗ فِي الْعَالَمِيْنَ وَاِذَا مَشٰى فِي الطَّرِيْقِ فَاحَ مِنْهُ رِيْحُ الطِّيْبِ حَتّٰى يُوْجَدَ عُرْفُهٗ فِيْ مَمَرِّهٖ صلى الله عليه وسلم فَيُعْرَفُ اَنَّهٗ مَرَّ بِهٰذَا الْمَكَانِ وَكَانَ طَاهِرًا طَيِّبًا طَهَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْحِفْظِ فِي الْاَصْلَابِ وَالْاَرْحَامِ وَطِفْلًا وَّنَاشِئًا وَّكَهْلًا حَتّٰى قَدَّسَهٗ بِطُهْرِهِ النُّبُوَّةِ وَشَرَّفَهٗ بِالْقُرْبَةِ وَطَيَّبَهٗ بِرُوْحِهٖ وَجَلَّلَهٗ بِبَهَائِهٖ فَمَنْ فَتَحَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِالنُّوْرِ الَّذِيْ جَعَلَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ وَاَبْصَرَهٗ وَمَا نَحَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَزَيَّنَهٗ بِهٖ كَانَ رُؤْيَتُهٗ شِفَاءُ قَلْبِهٖ وَدَوَاءُ سُقْمِهٖ وَلَا يَخِيْبُ بِرُؤْيَتِهٖ عَنْ اَنْ يَّكُوْنَ شِفَاءَ الْقَلْبِ اِلَّا مَنْ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَبَصَرِهٖ غِشَاوَةً۔ (ص ۶۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے، جنہوں نے اپنی ضیاء پاشیوں سے دونوں جہانوں کو جگمگا رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے محبوب! ہم نے تمہیں حاضر و ناظر، خوشخبری دینے والا، ڈرسنانے والا، اللہ کے حکم سے اس کی جانب بلانے والا اور روشن سورج بنا کر بھیجا ہے"۔ آپ کی نورانیت ہی سے کونین میں اجالا ہے۔ جب آپ کسی راستے سے گزرتے تو اس گزرگاہ کی فضا معطر ہو جاتی، حتّٰی کہ ہر آنے جانے والے کو معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس راستے سے گزر ہوا ہے، اسی لیے تو یہ کوچہ بسا ہوا ہے۔ آپ ایسے طاہر اور طیب تھے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو اصلاب (صلب کی جمع) اور ارحام (رحم

کی جمع) میں بھی پاک صاف رکھا اور بچپن، نوجوانی اور بڑھاپے میں بھی، یہاں تک کہ نبوت جیسی اعلیٰ ترین طہارت کے ساتھ آپ کی تقدیس فرمائی۔ آپ کو قربِ خاص کا شرف مرحمت فرمایا، گلشنِ کائنات کا معطر گلِ سرسبد بنایا اور بزرگی کا جامہ پہنایا۔ پس جس خوش نصیب کا دل اس نور کی بدولت کھول دیا اور چشمِ بصیرت عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی بزرگی اور رعنائی اسے دکھادی، تو اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی رویت تو دلوں کی شفا اور امراض کی دوا ہے۔ تندرست دل والا آپ کی رویت سے فیضیاب ہوئے بغیر نہیں رہتا، سوائے اس کے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہو اور اس کی سماعت وبصارت پر پردہ پڑا ہوا ہو"۔

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے اپنے کلام معجز نظام میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ (اعراف:198)

"اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا"۔

نبی کریم ﷺ کی ہیبت، وقار، جلال اور طہارت لوگوں کے قلوب ونفوس کے درمیان ایک دیوار تھی۔ آپ کی ہیبت اور بزرگی کے پیش نظر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور ہو جاتے تھے کیونکہ انہیں بصورتِ دیگر حیا محسوس ہوتی تھی۔ آپ میں نورانیت، شیریں کلامی اور مہابت جمع تھی۔ زمین کے جس ٹکڑے کو آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا، وہ آپ کی نورانیت سے رشکِ قمر ہو جاتا(1)، شیریں کلامی کا گہوارہ کہلانے لگتا اور آپ کی ہیبت سے وہاں کے جوہر مستعد ہو جاتے تھے۔ جب فخرِ دو عالم ﷺ پردہ فرما گئے تو اس سراجِ کائنات کے ساتھ اس کی حقیقی روشنی بھی رُوپوش ہوگئی اور وہ پہلے جیسی چمک دمک، حلاوت اور مہابت بھی نہ رہی۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو زمین کے سپرد کر کے ابھی ہاتھوں کی مٹی بھی صاف نہیں کرنے پائے تھے کہ ہم نے اپنے دِلوں کا انکار کر دیا۔ اِس جملے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی دِلی کیفیت بیان کی ہے، کیونکہ انہیں باری تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے تو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا لیکن بعض لوگوں کی ایمانی حالت کے بدل جانے کا خطرہ پریشان کر رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی تھے۔ جس نے آپ کو پہچانا اور آپ کی معرفت اس طریق سے اس کے اندر متمکن ہوگئی ہو، بھلا وہ شخص جب آپ کو

1۔ کعبہ کسی کا، عرشِ بریں ہے کسی کا نام ۔۔۔ کچھ اِس قدر ہیں اُن کے قدم، رہگذر نواز (اختر الحامدی)

غائب یا مفقود دیکھے گا تو اپنے دِل کا انکار کیوں نہ کرے گا؟ اس کے دل و دماغ پر تو رسول اللہ ﷺ کی بادشاہی تھی۔ جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو دِل کی مُہار زمین پر گرتی ہوئی نظر آنے لگی اور یوں محسوس ہونے لگا کہ اسے چھوڑ دیا گیا ہے، جس سے اپنی خواہشات کی جانب متوجہ ہونے کا خطرہ تھا۔ لیکن جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت سمائی ہوئی ہو اور وہ اس پر غلبہ پا چکی ہو، وہ آپ کی وفات سے اپنے دل کا انکار نہیں کرے گا، کیونکہ آپ کے پردہ فرمانے سے اس کے دل کی حالت نہیں بدلے گی۔ ایسے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو صِدّیق کہتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایسے حضرات کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے وہ چیز دلوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے جو انہیں متحیّر کیے رکھتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ مارے ہیبت کے ان کی اپنی ذات ایک لحاظ سے مرہی گئی ہوتی ہے۔ یہی ہیبت ہے جو ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھرپور رکھتی ہے اور مخلوق کی محبت کو اس نے ڈھانپ رکھا ہوتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی محبت زائل ہو جاتی ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ جتنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہیبت دلوں میں بڑھتی جاتی ہے اسی لحاظ سے سرورِ کون و مکاں ﷺ کی محبت دلوں میں بڑھتی رہتی ہے اور آپ کی محبت تمام دنیاوی کدورات سے پاک صاف ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ہیبت لوگوں کی محبت پر غالب آ کر اسے ڈھانپ لیتی ہے، اس طرح دوسروں کی محبت ظاہر نہیں ہوتی جیسے سمندر میں ایک ٹیلہ ہو، وہ اپنی ہیبت کے ساتھ سمندر میں کھڑا تو ہوتا ہے لیکن دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتا، یا جس طرح چاند کہ اس کی روشنی تو ہر وقت برقرار رہتی ہے لیکن جب مہرِ درخشاں کی تابانیاں اس کے بالمقابل آتی ہیں تو سورج کی کرنیں چاند کی روشنی کو اپنے اندر ڈھانپ لیتی ہیں، حالاں کہ چاند کی چمک دمک حقیقت میں وہی رہتی ہے لیکن سورج کی وافر ضیاء باریوں کے باعث دیکھنے والے کو چاند کی حالت کچھ اور ہی نظر آ رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہیبت، رسول اللہ ﷺ کی محبت و ہیبت پر غالب آ جاتی ہے۔ یہ بحث نہایت نفیس اور دقیق ہے۔ باری تعالیٰ شانہٗ ہمیں اس کلام سے اور اس کے موقف سے نفع اندوز کرے۔ (آمین)

خدا کی محبت اور اتباعِ رسول

امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوادر الاصول کی اصل ایک سو پچپن (۱۵۵) میں آیہ کریمہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فخرِ دو عالم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو

تو نیکی، تقویٰ، تواضع اور نفس کشی میں میری اتباع کرو۔ نیکی سے مراد وہ فرائض ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عائد کیے۔ تقویٰ ان کاموں سے اجتناب کرنے کو کہتے ہیں جن سے پروردگارِ عالم نے روکا ہے۔ تواضع کا یہ مطلب ہے کہ آدمی اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دے۔ نفس کشی کا یہ مفہوم ہے کہ روزی وغیرہ کے سلسلے میں اپنی خواہشات کو اس کے درجات پر چھوڑ دے۔ آدمی اِن چاروں چیزوں کو اسی وقت قائم کر سکتا ہے جبکہ وہ عبودیت میں صفائی یعنی اخلاص رکھتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بارگاہِ رسالت میں یمن کا ایک وفد حاضر ہوا اور انہوں نے کہا کہ ابیت اللعن (آپ لعنت سے دور رہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! ایسے کلمے تو بادشاہوں سے کہے جاتے ہیں۔ حالانکہ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں تو محمد بن عبداللہ ہو۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ وہ عرض گزار ہوئے کہ ہم آپ کا نام لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا: میں ابوالقاسم بھی ہوں۔ وہ عرض کرنے لگے: اے ابو القاسم! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم آپ سے ایک چیز چھپا رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ! ایسا تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن میں کاہنوں، ان کی تصدیق کرنے والوں اور کہانت کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ ان میں سے ایک شخص پوچھنے لگا: اس بات کی گواہی کون سی چیز دیتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے زمین کی جانب دستِ معجز نما بڑھایا، ایک مٹھی سنگریزے لیے اور فرمایا: یہ بے جان کنکریاں تک میری رسالت کی گواہی دے سکتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ان سنگریزوں نے آپ کے دستِ اقدس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی اور یوں گویا ہوئے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس کے بعد وہ عرض گزار ہوئے کہ جو کلامِ الٰہی آپ پر نازل ہوتا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی سنائیے۔ آپ نے وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا سورت پڑھنا شروع کی لیکن جب اس ارشادِ باری تعالیٰ پر پہنچے کہ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ تو آپ اس درجہ بے حس و حرکت ہو گئے کہ جسم کی کوئی رگ بھی حرکت نہیں کر رہی تھی اور چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا، جس کے قطرے ریش مبارک کے اوپر سے ڈھلکتے ہوئے متواتر ٹپک رہے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو روتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کیا جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، اسی کے خوف سے آپ رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں اسی کے خوف سے رو رہا ہوں جس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اس نے مجھے ایسے سیدھے راستے پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کے لیے بھیجا ہے، جو تلوار کی دھار کے مانند ہے۔ اگر میں ذرا بھی اِدھر اُدھر ہو جاؤں تو ہلاکت میں پڑ جاؤں گا، کیونکہ

میرے مالک کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (بنی اسرائیل:86)

''اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے''۔

خصائصِ مصطفیٰ

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل دوسو انتالیس (۲۳۹) میں نبی کریم ﷺ کے خصائص بیان کرتے ہوئے ارشادِ نبوی اُعطِیتُ خَمسًا کے اسرار پر بحث کرنے کے دوران تحریر کیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں:

۱۔ میں ہر سیاہ اور سرخ (جملہ انسانوں) کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، حالانکہ مجھ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی جانب بھیجا جاتا تھا۔

۲۔ ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔

۳۔ رُعب اور دبدبے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے، جو میرے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک کارفرما ہوتا ہے۔

۴۔ مالِ غنیمت میرے لیے حلال ٹھہرایا گیا ہے، حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے غنیمت حلال نہیں قرار دی گئی۔

۵۔ مجھے شفاعت عطا فرمائی ہے جو میں نے اپنی امت کے لیے ذخیرے کے طور پر محفوظ رکھ چھوڑی ہے۔ اس میں سے ہر اس امتی کو حصہ ملے گا جس نے خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔

سربراہ مملکت کی حیثیت

نبی کریم ﷺ ساری مخلوق کی طرف ایک سربراہِ مملکت کی حیثیت سے مبعوث فرمائے گئے ہیں، جسے امارت، ولایت، اور رعایا دی جاتی ہے۔ حاکم کی مثال ایک بکریوں کے چرواہے کی مانند ہے، جو اپنی بکریوں کو موٹی تازی دیکھنے کے لیے چراگاہ میں چراتا ہے، انہیں صاف پانی پلاتا ہے، ان کے لیے گرمی اور سردی سے بچاؤ کا بندوبست کرتا ہے، رات آنے سے پہلے روزانہ ان کی جگہ کو صاف کر کے رہنے کے لیے تیار کرتا ہے، انہیں ہلاکت کے مقامات سے ہٹاتا، وبائی جگہوں سے بچاتا اور درندوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے، اگر ایک بکری ریوڑ سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو اسے ہانک کر دوسری بکریوں میں لاتا ہے، لنگڑی بکری کا خیال رکھتا اور بیمار بکریوں کو دوائی کھلاتا ہے۔ دودھ اور ان کی پشم

وغیرہ کو مالک کے لیے محفوظ رکھتا ہے مخلص ایسے ہی چرواہے کو کہتے ہیں اور ایسے ہی شخص کو اس کی پوری اجرت دی جاتی ہے۔ وہ چرواہا ریوڑ کے مالک سے بلحاظ اس کی ملکیت کے اچھے سے اچھے معاوضے کا بجا طور پر امیدوار رہتا ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق کے چرواہے ہیں اور جملہ مخلوق ان کا ریوڑ۔ اس ریوڑ کی حفاظت ہی کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے انہیں مبعوث فرمایا ہے شریعتِ مطہرہ اس ریوڑ کے چرنے کی وادی ہے۔ کونسی چیز بکریاں کھائیں تو نفع پہنچائے گی اور کونسی نقصان دہ ہیں؟ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرایا ہے اور ریوڑ کو صاف پانی کی جگہ پر لے جانا، اس سے مراد علم کے چشمہ صافی سے انہیں سیراب کرنا ہے۔ گرمی سردی سے بچاؤ کی تدبیروں سے مراد زندگی کی استعداد اور تندرستی ہے یعنی بڑھاپے سے پہلے قوتِ جوانی اور موت سے پہلے صحت یا مرض۔ رہنے کی جگہ تیار رکھنے سے مراد یہ ہے کہ فتنے جورات کے اندھیرے کی طرح چھاتے ہیں، ان سے محفوظ رہنے کے ذرائع اور امن وامان کی جگہ تلاش کرنا، جہاں آرام سے رہا جا سکے۔ انہیں ہلاکت کی جگہوں سے روکنے کا مطلب نفسانی خواہشات سے بچانا ہے کیونکہ خواہشات ہی ہلاکت کا سبب ہیں۔ وبا والی جگہوں سے بچانا یہ ہے کہ انہیں اس قسم کی خوشیوں سے بچانا ہے جو دلوں میں سما جاتی ہیں اور ان کے باعث اچھے بھلے دل بیمار ہو جاتے ہیں۔ بچھڑنے والی بکری کی بھیڑیوں کے خوف سے حفاظت کرنا یہی ہے کہ لوگوں کو شیطان کے پھندوں میں پھنسنے سے بچاتے ہیں تاکہ وہ لعین انہیں گناہوں میں ملوّث نہ کر دے اسی لیے لوگوں کو توجہ کی جانب متوجہ کرتے رہتے ہیں اور افسردہ دلوں کو تسلی دے کر ان کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ بیمار بکری کی دوا دارُو کرنے سے مراد ہے کہ جو شخص شُتر بے مُہار بنا ہوا ہو اسے وعظ نصیحت کر کے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور پند ونصائح کے ذریعے ان کو نفوس کے فتنوں سے نجات دلاتے ہیں۔ ان کے بچوں کی بار برداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کو زیورِ تعلیم وادب سے آراستہ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ دودھ اور پشم وغیرہ کو مالک کے لیے محفوظ رکھنے کا یہ مفہوم ہے کہ لوگوں کے لیے وہ دعائیں مانگتے، استغفار کرتے اور ان کے اعمال کی مقبولیت کے لیے دست بدعا رہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لحاظ سے مخلوق کے راعی اور حقیقت میں کائنات ارضی وسماوی کے سربراہِ مملکت اور فرمانروا ہیں، جو دنیا والوں کو ادب سکھاتے، انہیں مشکل امور پر قابو پانے کے لیے ابھارتے، استقامت کی راہ پر ادب کے کوڑے سے گامزن کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ خالقِ کائنات کے سامنے پیش ہونے کے قابل بن جائیں۔ ہر راعی کے پاس ایک عصا ہوتا ہے جس سے وہ اپنی بکریوں

کے لیے پتے جھاڑتا ہے اور انہیں ہانکتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا ذکر فرمایا ہے۔

ہر راعی کی مشقت اس کی بکریوں کی تعداد کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر امیر کی ذمہ داریاں اس کی رعایا کے افراد کی تعداد وغیرہ پر منحصر ہیں۔ جو ایک جماعت کا امیر بنایا جائے اسے اتنے ہی وسائل واسباب کی ضرورت پیش آتی ہے جتنے اس مختصر سی ولایت میں تصرف کرنے کے لیے ضروری اور کافی ہوں۔ یہ اسباب نوکر چاکر، مویشیوں، سواری کے جانوروں اور خزانوں وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور مملکت کی ضروریات کے مطابق، تاکہ انہیں اپنی امارت میں مناسب طور پر مصرف میں لائے، جسے صرف مجارستان کا امیر بنایا جائے، اسے مذکورہ اشیاء میں سے بہت ہی تھوڑا حصہ ملے گا، لیکن جس کو خراسان کا والی بنا دیا جائے، اس کی ضروریات اور رعایا کے مطلوبہ لوازمات بہت زیادہ ہوں گے۔ جو امیر المومنین ہو اس کی ضروریات والیِ خراسان سے بھی زیادہ ہوں گی، لیکن جس کی بادشاہی مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب (اور عرشِ معلّٰی سے تحت الثریٰ تک ہو) اس کے لیے تو بہت ہی زیادہ خزانے درکار ہوں گے تاکہ وہ اپنی مملکت کا بخیر وخوبی انتظام واہتمام کر سکے۔

ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ بارِ رسالت کے مطابق انہیں توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر عطا فرمائے گئے۔ پس جس رسول کو زمین کے ایک گوشے میں بسنے والی اس کی قوم کی جانب بھیجا گیا، اس کو نبوت کے معاون اسباب (معجزات وغیرہ) اور دیگر خزانوں سے اس کی ذمہ داریوں اور رعایا کی تعداد کے مطابق حصہ ملا۔ لیکن جس کو زمین پر بسنے والی ساری مخلوق کی جانب بھیجا گیا ہو، خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، وہ ہمارے آقا ومولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ آپ کو علوم ومعرفت سے اتنا ہی وافر حصہ ملا، جس طرح آپ کی بعثت عالمگیر ہے، تاکہ اپنی ساری رعیت کا بندوبست کر سکیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ (میں ہر سرخ وسیاہ کی جانب مبعوث ہوا ہوں) اور اسی لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ کَحَظِّهٖ مِنْ وِلَایَةِ مُلْکٍ یَّمْلِکُ الدُّنْیَا وَجَوَاهِرَ شَرْقِهَا وَغَرْبِهَا وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَنْ مَلَکَ الْاَرْضَ کُلَّهَا مَلَکَ جَوَاهِرَهَا وَمَعَادِنَهَا۔ (ص ۶۳)

”نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر تمام لوگوں کیلئے رسول بنا کر۔ اسی کے مطابق جیسا کہ ملک کی ولایت میں آپ کا حصہ ہے کہ آپ مشرق ومغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان

سب چیزوں کے مالک ہیں۔ کیونکہ جو ساری زمین کا مالک ہے وہی اس کے جواہرات اور معاون کا مالک ہے"۔

لیکن جس کو زمین کے ایک کونے کا مالک بنایا گیا ہے وہ اسی کونے کے جواہرات کا مالک ہو سکتا ہے۔ اسی لیے تو سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا ہے: اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ (میں جامع کلمات دیا گیا ہوں) اور اسی لیے آپ کی کتاب دیگر تمام کتب کی جامع ہے۔ قرآنِ کریم مضامین کے لحاظ سے توریت، انجیل، زبور اور فرقان پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ طوال مفصّل اس امت کے لیے بصورتِ نافلہ خصوصی انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عربی زبان میں وحی نازل فرمائی جو سب زبانوں پر غالب ہے کیونکہ اہلِ جنت کی زبان یہی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ جملہ بنی آدم کے لیے رسول ہیں تو یقیناً آپ کو خزانے بھی اتنے عطا فرمائے گئے ہیں، جو تمام لوگوں کے لیے کافی ہوں اور حکمت بھی اس کے جواہر سمیت آپ کو مرحمت فرمائی گئی ہے۔ آپ کو ختمِ رسالت اور رعب دیا گیا۔ مختصر اور جامع کلام کا آپ کو علم عطا فرمایا۔ وہ توریت جس کو ستر (۷۰) طاقت ور اونٹ اٹھاتے تھے۔ اسی کے ساتھ زبور اور انجیل بھی قرآنِ کریم میں جمع کر دی گئیں اور فرقانِ حمید کو سورۂ فاتحہ میں جمع کر دیا گیا، اسی لیے اس کا نام اُمُّ الْکِتَاب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ (الحجر)

"بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن"۔

سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور اسے مثانی اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں جمع فرمایا ہوا ہے۔ لوگوں کی ضرورت معلومہ اور ان کی احتیاج کے مطابق اللہ تعالیٰ ان میں سے اپنے ہر رسول پر نازل فرماتا رہا لیکن سورۂ فاتحہ کو ان سب سے مستثنیٰ کر لیا اور اسے امتِ مرحومہ کے لیے محفوظ رکھا۔ کیونکہ توریت، زبور، انجیل اور فرقان کے تمام علوم اسی اُمُّ الْقُرْاٰن سے نکلے ہیں۔ قرآنِ کریم اپنی اسی اصل سے مستخرج ہے اور باقی تمام کتابیں قرآنِ مجید سے ہی نکلی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں توریت کی جگہ سبع طوال، انجیل کی جگہ مثانی، زبور کی جگہ مئین دیا گیا ہوں اور مفصّل کے ساتھ مجھے فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ لیکن روزِ روشن کی طرح ان واضح حقائق کے باوجود:

فَمَنْ عَمِیَ قَلْبُهٗ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَلَمْ یَكُنْ فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرُ الْهِدَایَةِ لَمْ یَبْصُرْ اٰثَارَ النُّبُوَّةِ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ وَاِنَّمَا یَبْصُرُ مِنْهُ شَخْصَهٗ

وَجِسْمَهٗ۔(ص ٦٤)

''جس کا دل اللہ تعالیٰ کی جانب سے اندھا ہو جاتا ہے اور اس میں نورِ ہدایت کا قحط پڑ گیا ہو، تو ایسا شخص نبی کریم ﷺ کی نبوت کے آثار نہیں دیکھ سکتا بلکہ وہ آپ کی ظاہری شخصیت اور جسم وغیرہ کو دیکھتا ہے''(1)۔

باری تعالیٰ شانہٗ نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے:

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾ (اعراف:198)

''اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا''۔

جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور کی جانب ہدایت فرمائی ہو اور اس کی قلبی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں اور ان میں معرفت قرار پکڑ چکی ہو تو اس کے ذریعے وہ آپ کی نبوت کے آثار کو واضح طور پر دیکھ لے گا، جو حیات، ذکاوت، بیداری، اطاعت، سرعت، سبقت، چشم پوشی، کرم، وسعت، سخاوت، حیا، مسکنت، وقار اور حلم کے ساتھ مزین دیکھے گا اور اعمال میں مسواک، حجامت، خوشبو اور جماع وغیرہ میں ایسی معرفت رکھنے والا نبوت پر رسالت کو بلند دیکھے گا اور یہ خصوصیت ان حضرات کو شانِ جلال، صاحب حسن و جمال، پاکیزگی، شیریں کلامی، خوب صورتی، ملاحت، ہیبت اور دبدبہ و سلطنت کے باعث حاصل ہے اور ان جملہ صفاتِ عالیہ کی اصل یقین، محبت اور حیات سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی معرفت سے اہل ایمان صرف اسی قدر حاصل کر سکتے ہیں جتنی انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جس نے فخر دو عالم ﷺ کی آپ کی مصاحبت میں رہ کر تصدیق کی، تو ایسی تصدیق کو محض معرفت کی بناء پر سمجھنا چاہئے اور جس کسی کو آپ کی ذاتِ گرامی کا علم ہوتا ہے اسی کے مطابق ظاہری آنکھ کے آئینے میں دیکھ سکتا ہے، جیسا کہ خصائل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نور سے وہی شخص زیادہ حصہ لے سکتا ہے جسے سیدِ عالم ﷺ کی معرفت زیادہ حاصل ہوتی ہے اور آپ کی قدر و منزلت، بزرگی اور ذاتِ مقدّس کا علم اسی کو زیادہ میسّر آئے گا جو آپ کے ارشادات کو ماننے والا اور اپنی جان و مال کو آپ پر قربان کر دینے والا ہو۔

کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا بھید ظاہر کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو انہوں نے فوراً اس بات کی تصدیق کی اور

1۔اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:۔

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے   دیدۂ کور کو کیا نظر آئے، کیا دیکھے؟

تردّد یا تامّل ان کے نزدیک بھی نہ پھٹک سکا اور نہ کسی قسم کی بے قراری کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے کے لیے کہا تو میں عرض گزار ہوا کہ پہلے اپنے والد محترم سے اجازت حاصل کرلوں۔ تھوڑی دیر میں وہ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے اور آپ کی نبوت و رسالت کا اعتراف کرلیا اور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعوے کی تصدیق کی۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد تصدیق کی۔ انتالیس (۳۹) اشخاص کے اسلام قبول کرلینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک رات دعا کی کہ اے اللہ! عمر بن خطّاب یا عمرو بن ہشام میں سے ایک کو مسلمان کرکے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔ اگلے روز صبح کے وقت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ دعا اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوجہل سے گزر کر محبّ خدا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدّر سے ٹکرائی اور یہ سعادت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آگئی جبکہ ابوجہل بدبخت کا بدبخت ہی رہ گیا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرلینے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس (۴۰) ہوگئی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عزت بخشی ہے اور آپ کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ہر نبی کے لیے ایک وزیر مقرر فرمایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چار وزیر بنائے، یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو رسالت کے وزیر ہیں اور عثمانِ غنی و علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبوت کے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ہر وزیر کو خصوصی کمالات سے نوازا یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں عصمت و حلم اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حقّانیت و ولایت اور عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں نور و حیاء اور مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں حُرمت و خُلّت آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مصاحبت اور آپ کی سیرتِ مقدسہ سے اِن حضرات نے اپنے اپنے طبعی خواص کے مطابق کسبِ فیض کیا، اِسی وجہ سے اُن کی خصوصیات میں تفاوت ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ اس دنیا سے اپنے مالک حقیقی کی جانب کوچ کرنے کا وقت قریب ہے اور آپ بیمار ہوئے یہاں تک کہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں جانا مشکل ہوگیا تاکہ اپنی امت کے ساتھ نماز پڑھ سکیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ امت محمدیہ نے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر اتفاق کیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بھی احسان ہوا کہ وفات کے روز آپ کے مرض میں تخفیف ہوگئی۔ آپ حجرے سے باہر تشریف لائے جبکہ مسلمان فجر کی نماز ادا کررہے تھے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم مبارک گھسیٹتے جارہے تھے، آخرکار

آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے اور نماز ادا کی تا کہ سب مسلمانوں کو آپ کے فعل سے یہ واضح ہو جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت سے اللہ کا رسول خوش ہے اور کسی مخالف کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا، یا بیہوشی کی حالت میں ایسا فرما دیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے امامتِ صدیقِ اکبر پر مسلمانوں کو متفق کرنے کی خاطر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں تخفیف فرمائی تا کہ وہ مسجد نبوی میں پہنچ سکیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کو بحال رکھتے ہوئے ان کے پہلو میں جلوہ گر ہوں۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا چکے تو آپ نے باقی نماز ادا کی۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل میں بڑی طویل بحث کی ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ہدیہ کرنے والے کی جانب سے رحمت ہوں۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے ہدیہ ہیں اور آپ سے پہلے تمام رسول اپنی امتوں پر حجت اور عطیہ تھے۔ ہدیہ کو عطیہ کی مانند نہیں سمجھنا چاہیے۔ جس نے عطیہ قبول کیا اس کے لیے برکت ہے اور جس نے قبول نہ کیا اس پر حُجت قائم ہو گئی، جس کے باعث وہ عنقریب عذاب دیا جائے گا۔ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطیہ بھی ہیں اور ہدیہ بھی۔ جس نے آپ کو ہدیہ اور عطیہ دونوں لحاظ سے قبول کیا وہ سعادت مند اور ہدایت یافتہ ہوا۔ وہ دوسروں پر سبقت لے گیا اور مقربِ بارگاہِ الٰہیہ ہو گیا لیکن جس شخص نے آپ کو عطیہ کے طور پر تو قبول کیا مگر ہدیہ کے لحاظ سے تسلیم نہ کیا، وہ نیک بخت تو ہے لیکن اسے ہدایت کا پھل نہیں ملے گا۔ وہ نیک بختی کے باعث نجات پا جائے گا اور جس نے آپ کا انکار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا اور جحود کیا، اس کا حصہ نیک بختی سے صرف اتنا ہی ہے کہ وہ پہلی امتوں کے عام عذاب سے تو دنیا میں نجات پائے گا لیکن آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔

جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ اور عطیہ دونوں کے بطور قبول کیا، اللہ تعالیٰ اسے دوسرے لوگوں پر فضیلت دیتا ہے۔ جس نے آپ کو عطیہ کے بطور قبول کیا اسے انابت اور عاجزی کے باعث راہِ ہدایت دکھائے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ (شوریٰ)

"اللہ اپنے قُرب کے لیے چن لیتا ہے، جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع لائے"۔

عطیہ رحمت سے ہے اور ہدیہ محبت سے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تنگی اور کمزوری کی حالت میں

دیکھ کر اس پر نظرِ رحمت رکھے، اسے تقویت پہنچائے اور اس کی کمزوری کو دور کر دے تو یہ عطیہ اور رحمت ہے لیکن وہ اس سے محبت کرے اور اسے خلعت اور سواری وغیرہ سے نوازے تو اس طرح اس کے دل کو اپنی جانب مائل کر لے گا۔ اسے ہدیہ کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے دِل مائل ہو جاتا ہے۔

پس انبیاء و مرسلین ہمارے رب کی جانب سے جو مخلوق کی رہنمائی کے لیے بھیجے جاتے ہیں وہ عطیہ ہیں۔ جنہیں اپنی رحمت سے مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تھا اور ان کے ذریعے کفر کی سختی کو دور فرمایا اور ان کی بدحالی کو دور کیا۔ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ عطیہ اور ہدیہ بنا کر بھیجے گئے۔ ایمان اور اسلام کو عطیہ میں اور ان کی حکمت کو ہدیہ میں رکھا گیا۔ اسی سلسلے میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۲﴾

"وہی ہے جس اَن پڑھوں میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ اُن پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے"۔ (الجمعہ)

پس ایمان اور اسلام کی حکمت اس امت کے لیے ہدیہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خاص الخاص بعثت کے باعث اس امت کو باقی امتوں پر فضیلت دیتا ہے (1) اور:

وَالْهَدِيَّةُ كُنُوْزُ الْمَعْرِفَةِ مِنْ خَزَائِنِ السُّبْحَانِ اِحْتَظٰى بِهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ حَتّٰى صَارُوْا مَوْصُوْفِيْنَ فِى التَّوْرَاةِ صَفْوَةُ الرَّحْمٰنِ وَفِى اِنْجِيْلَ حُكَمَاءُ عُلَمَاءُ اَبْرَارٌ اَتْقِيَاءُ كَاَنَّهُمْ مِنَ الْفِقْهِ اَنْبِيَاءُ۔ (ص ٦٦)

"ہدیہ تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے معرفت کا خزانہ ہے، جس کے باعث اس امت کی حفاظت فرمائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ توریت میں صفوۃ الرحمٰن کے نام سے موصوف ہوئے اور انجیل میں انہیں حکماء، علماء، ابرار اور اتقیاء کہا گیا۔ دین کی سمجھ بوجھ میں یہ لوگ گویا انبیاء کرام کی طرح ہوتے ہیں"۔

1۔ کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا — خاک کے ذرّوں کو ہم دوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اَوروں کے رہبر ہو گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا — اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا (ہری چند اختر)

اسی سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ (آل عمران:73)

''اللہ ہی کی ہدایت ہی ہدایت ہے''۔

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا اُعْطِيَتْ اُمَّةٌ مِنَ الْيَقِيْنِ مَا اُعْطِيَتْ اُمَّتِيْ فَاِنَّمَا صَيَّرَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَنَا لِيَهْدِيَنَا اِلٰى اَعَالِيْ دَرَجَاتِ الدُّنْيَا عُبُوْدَةً لِتَكُوْنَ غَدًا فِيْ اَعَالِيْ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ بِالْقُرْبِ مِنْ رَسُوْلِنَا لِتَقِرَّ عَيْنُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَا۔(ص ٦٦)

''جس قدر یقین کی دولت سے میری امت کو مالا مال فرمایا گیا ہے اتنا یقین اور کسی امت کو نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری جانب مبعوث فرمایا تاکہ ان کی ہدایات و رہنمائی میں ہم دنیا کے اعلیٰ درجے حاصل کریں اور اظہارِ عبودیت کے باعث کل قیامت میں جنت کے اعلیٰ درجے اور اپنے آقا کا قرب حاصل کر سکیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بھی ٹھنڈی ہوں''۔

فخرِ آدم و بنی آدم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (میری رُعب کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے) رُعب اصل میں اللہ تعالیٰ کا غضب اور جلال ہے جو دوزخ کے دروازے سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری تعالیٰ شانہٗ نے رعب کے ساتھ اس طرح مدد فرمائی کہ آپ کو ایسا لشکر عطا کیا جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، دیگر کسی رسول کو ایسا رعب نہیں دیا گیا(1)۔ چنانچہ:

ذَالِكَ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَمَا ذُكِرَ مِنْ مَسِيْرَةِ شَهْرٍ وَقَعَ ذٰلِكَ الرُّعْبَ فِيْ قَلْبِ عَدُوِّهٖ فَذَلَّ بِمَكَانِهٖ۔(ص ٦٦)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہاں بھی ایک ماہ کی مسافت تک ذکر چھڑ جاتا، تو دشمن کے دل میں آپ کا رُعب سما جاتا اور اس کے باعث وہ اپنی جگہ پر ہی ذلیل ہو کر رہ جاتا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ (میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے) مالِ غنیمت پلید ہوتا ہے کیونکہ یہ دشمن سے لیا جاتا ہے اور دشمن کی جملہ املاک پلید ہیں۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساتھیوں کے زیورات کا قرآنِ کریم میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

1۔ اصنام اوندھے منہ گرے سنتے ہی جاء الحق ﴿ پتھر کو موم کرتی ہے ہیبت رسول کی (مفتی ریاض الحسن نیّر)

أَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ (طٰہٰ:87)

''بوجھ اُس قوم کے گہنے (زیور) کے''۔

زینتِ قوم کو اس کی نجاست اور پلیدی کے باعث اوزار کہا گیا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے یعنی آپ کی امت کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ نے غنائم کو حلال فرما دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (انفال:69)

''تو کھاؤ، جو غنیمت تمہیں ملی، حلال پاکیزہ''۔

وصلّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وصحبہ وسلّم

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

رحمتِ دو عالم

حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۳۰ھ) اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی فصل اوّل میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکاں ﷺ کی بعثت کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

بایں وجہ آپ کے دشمن بھی اس وقت تک عذاب سے محفوظ رہے جب تک ان میں آپ کی جلوہ گری رہی کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام معجز نظام میں یہ وعدہ فرمالیا تھا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (انفال:33)

''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو''۔

باوجود اس کے کہ آپ کے دشمن عذاب کے نزول کی فرمائش کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نہ بھیجا کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے ہم بیکسوں کے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ بنایا ہے لیکن جب آپ انہیں چھوڑ کر مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو کفار پر عذاب بھیج دیا گیا یعنی کوئی قتل ہوا اور کسی کو قید کیا گیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ (زخرف:41)

''تو اگر ہم تمہیں لے جائیں، تو ان سے ہم ضرور بدلہ لیں گے''۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سب جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا گیا ہوں۔ پھر اپنی ہی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں گزارش پیش کی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ مشرکین کی تباہی اور بربادی کے لیے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے نعمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے، عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

شانِ مصطفیٰ

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ کی فضیلت اسی سے عیاں ہے کہ خود اللہ رب العزت نے آپ کے منصبِ رفیع اور ظاہری و باطنی عظمت کی خبر دی ہے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے قرآنِ کریم میں آپ کے اسمِ مبارک کے ساتھ کسی جگہ خطاب نہیں فرمایا(1)، بلکہ خبر بھی دی ہے تو کنایۃً اور وہ بھی نبوت و رسالت کے ساتھ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فخر ہو سکتا ہے اور اس سے ارفع و اعظم اور زیادہ باعزت مقام اور کونسا ہے؟ حالانکہ دیگر انبیائے کرام اور ان کی قوموں کو نام لے کر مخاطب کیا گیا اور ان کے منصب کا ذکر بھی کنایۃً نہیں کیا کیونکہ کنایہ اعلیٰ ترین منصب پر دلالت کرتا ہے، ہاں جس مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ نبی کریم ﷺ بھی مذکور ہوں تو خطاب و خبر میں مشارکت کے باعث وہاں سب کا ذکر کنایہ کے طور پر کیا گیا، لیکن جب علیحدہ ان کا ذکر ہوا تو نام لے کر۔

جب کسی بزرگ یا معظم مخاطب کو نام لے کر نہ پکارا جائے بلکہ کنایۃً اس سے خطاب کیا جائے تو اس میں اس بزرگ کی غایت درجہ تعظیم ہے کیونکہ جو تعظیم کے غایت درجے پر پہنچا ہوا ہو اسی کے نام سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ بادشاہ ہے تو یَا اَیُّهَا الْمَلِکُ کہا جاتا ہے۔ اگر امیر ہے تو یَا اَیُّهَا الْاَمِیْرُ کہا جائے گا۔ اگر خلیفہ ہو تو یَا اَیُّهَا الْخَلِیْفَةُ سے مخاطب کیا جائے گا، اگر وہ عالمِ دین ہے تو اسے اَیُّهَا الْحِبرُ، اَیُّهَا الْقِیسُ، اَیُّهَا الْعَالِمُ، اَیُّهَا الْفَقِیْهُ کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو فضیلتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے اور چونکہ آخری رتبے اور فضیلتِ علیہ تک پہنچایا ہے، اسی لیے خالق و مالک ہونے کے باوجود آپ کو یوں مخاطب فرمایا: یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ .... یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ .... یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ .... یَآ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ .... کتنی ہی آیات میں اسی طرح خطاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہ السلام کو ان کا نام لے کر مخاطب کیا گیا ہے اور اسی طرح ان کے متعلق خبر دیتے وقت، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ (بقرہ:35)

”اے آدم! تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو“۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

1۔ یا آدم است با پدر انبیاء خطاب　　یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ خطاب محمد است　　(جامی)

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝۱۲۱ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝۱۲۲

''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔ پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی''۔ (طٰہٰ)

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یوں مخاطب کیا:

يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (ہود:48)

''فرمایا گیا: اے نوح! کشتی سے اُتر ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ''۔

مزید حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یوں خبر دی گئی:

وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا۔

''اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے تھا اے میرے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا''۔

تیسرے مقام پر آپ کے نبی آخر الزماں ہونے کا اعلان فرماتے ہوئے یوں آپ کا اسمِ گرامی مذکور ہوا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (احزاب 40)

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے''۔

چوتھے مقام پر آپ کی رسالت پر ایمان لانے کی تلقین فرماتے اور قرآن کریم کی حقانیت کا اعلان کرتے ہوئے یوں ذکر فرمایا:

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ (محمد:2)

''اور اس پر ایمان لائے، جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے رب کے پاس سے حق ہے''۔

مندرجہ بالا آیات میں آپ کا اسمِ گرامی مذکور ہونے میں یہ حکمت ہے، تاکہ آپ کا ہر منکر و مخالف بھی جان لے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور ان کی کتاب برحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ علاوہ بریں وہ لوگ آپ کو محمد کے علاوہ اور کسی نام سے جانتے نہ تھے۔ اگر قرآنِ کریم میں آپ کا اسمِ گرامی مذکور نہ ہوتا تو کتاب سے آپ کا نام معلوم نہ کیا جا سکتا، جیسے جن انبیائے کرام کے اسمائے گرامی قرآنِ مجید میں مذکور ہو گئے وہ اب بھی متعارف ہیں (دوسروں کے اسمائے گرامی تک

معلوم نہیں)۔

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسمِ گرامی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ذکر فرمایا ہے، یہ آپ کے فضائل وکمالات اور وقار وشرف کو اور بڑھاتا ہے کیونکہ آپ کا یہ اسمِ گرامی اللہ تعالیٰ کے نام سے مشتق ہے جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيُجِلَّهُ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

(حضرت حسان رضی اللہ عنہ)

"نبی کریم ﷺ کے نام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے مشتق کیا (نکالا) ہے، تا کہ آپ کو یہ شرف حاصل ہو، کیونکہ عرش کا مالک محمود ہے اور ان کا اسمِ گرامی محمد رکھا۔ (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام اور حبیب ﷺ کا یکجا ذکر فرمایا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نام لیا لیکن اپنے حبیب ﷺ کا نبوت کے کنایہ سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ شانہٗ ہے:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط (آل عمران)

"بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے، جو اُن (۱) کے پیرو ہوئے اور یہ (۲) نبی اور ایمان (۳) والے"۔

اس طرح ذکر فرمانے سے باری تعالیٰ شانہٗ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اس کی بارگاہ میں نبی کریم ﷺ کی جلالتِ شان، رفعت، مرتبے کی فضیلت اور عظمت کتنی ہے۔ جملہ انبیائے کرام آپ سے پہلے مبعوث ہوئے لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا تو آپ کے اسمِ گرامی کو مقدم رکھا مثلاً:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ (النساء)

"بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد (علیہم السلام) کو زبور عطا فرمائی"۔

قرآنِ کریم میں دوسرے مقام پر دیگر انبیائے کرام کے ساتھ یوں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ

"اور اے محبوب! یاد کرو، جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے"۔ (احزاب:7)

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ آیت کی تفسیر و وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: میں تخلیق کے لحاظ سے تمام نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت کے لحاظ آخر میں ہوں۔

حافظ ابونعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فضیلت و خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اجلال و اکرام کی خاطر یہ اہتمام فرمایا کہ انبیائے ماسبق کے اُمتی جس طرح اپنے نبیوں کو مخاطب کرلیا کرتے تھے آپ کو اِس بارے میں اُن سے جُدا کر دیا گیا۔ یعنی اگلی امتوں میں لوگ اپنے اپنے نبی سے رَاعِنَا سَمْعَکَ کہا کرتے تھے یعنی مزید رعایت فرمایئے تاکہ ہم آپ کی بات سُن سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس طرح مخاطب کرنے سے امتِ مرحومہ کو منع فرما دیا، جس میں توہین و تنقیص کا پہلو نکل سکتا ہو انہیں ایسا راستہ اختیار کرنے ہی سے روک دیا گیا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ (بقرہ:104)

"اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور! ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سُنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

حافظ ابونعیم علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رَاعِنَا لفظ یہود کی زبان میں گالی ہے لہٰذا اِس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہنے کا حکم فرمایا گیا، جس سے مراد ہے کہ ہمیں پھر سنایئے اور ہمارے اوپر نظرِ کرم فرمایئے۔ اِس ممانعت کے بعد جب صحابہ کرام نے یہ طے کرلیا کہ آئندہ جس کی زبان سے رَاعِنَا کا لفظ برائے مخاطبہ سُنو، تو فوراً اُس کی گردن اُڑا دی جائے۔ یہود کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہ لفظ استعمال کرنا ہی چھوڑ دیا۔

معاندین سے دفاع

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ دوجہاں، سائرِ لامکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر ان کی تکذیب کرنے والوں نے بیوقوفی، گمراہی اور جھوٹ جیسے عیوب کی تہمت بھی لگائی تھی اور ان کے جواب میں انبیائے کرام اپنی صفائی پیش فرمایا

کرتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ پر لگائے جانے والے الزامات کے جواب دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار نے حضرت نوح علیہ السلام پر تہمت لگائی تھی کہ:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (اعراف:60)

"بیشک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اِس الزام کا انہیں یہ جواب دیا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ (اعراف:61)

"اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں"۔

لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام پر یوں زبانِ طعن و تشنیع دراز کی:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ...... (اعراف:66)

"بیشک ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں"۔

آپ نے اس عیب کی اپنے ذات میں ہونے سے یوں نفی فرمائی:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ...... (اعراف:67)

"اے میری قوم! مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ؟"۔

فرعون جیسے متکبر اور بدبخت نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر یوں الزام تراشی کی:

اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:101)

"اے موسیٰ! میرے خیال میں تم پر جادو ہوا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس ظالم بادشاہ کو بَرملا یوں جواب دیا کہ وہ بوکھلا اٹھا یعنی:

اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

"میرے گمان میں تو اے فرعون! تو ضرور ہلاک ہونے والا ہے"۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عظمت و شرف کے باعث لگائے گئے الزامات کا جواب دینے سے بے نیاز کر دیا تھا، مثلاً باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم:2)

"تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں"۔

ایک نے کہا:

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ (ص)

”بیشک یہ میرا بھائی ہے۔ اِس کے پاس ننانویں دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے“۔

تو داوٗد علیہ السلام نے ایک فریق کی زیادتی اور حد سے بڑھنے کے بارے میں یوں فرمایا:

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (ص:24)

”داوٗد نے فرمایا: بیشک یہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری دُنبی اپنی دُنبیوں میں ملانے کو مانگتا ہے اور بیشک اکثر ساجھے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں“۔

جب داوٗد علیہ السلام پر اِس مکالمے کی حقیقت منکشف ہوئی تو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوئے:

وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ (ص:25)

”اور داوٗد سمجھ گیا کہ ہم نے یہ اُس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا اور ہم نے اسے معاف فرما دیا“۔

اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کی لغزشوں کا ذکر کیا لیکن نبی کریم ﷺ کو مغفرت کا مژدہ سُناتے وقت کسی لغزش کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ آپ کا انتہائی اکرام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح:2)

”تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے“۔

یہ فضیلت اور شرف کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

میثاقِ انبیاء

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کے فضائل سے یہ امر بھی ہے کہ:

اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ عَلٰى جَمِيْعِ اَنْبِيَائِهٖ اِنْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ اٰمَنُوْا بِهٖ وَنَصَرُوْهُ فَلَمْ يَكُنْ لِيُدْرِكَ اَحَدٌ مِنْهُمُ الرَّسُوْلَ اِلَّا وَجَبَ عَلَيْهِ الْاِيْمَانُ بِهٖ وَالنُّصْرَةُ لَهٗ لِاَخْذِ الْمِيْثَاقِ مِنْهُ فَجَعَلَهُمْ كُلَّهُمْ اَتْبَاعًا لَهٗ يَلْزَمُهُمُ الْاِنْقِيَادُ وَالطَّاعَةُ لَهٗ لَوْ اَدْرَكُوْهُ۔ (ص ۷۰)

”اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے انبیاء سے عہد لیا کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ اُن کے پاس تشریف لائیں تو اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں۔ اگر کوئی آپ کا زمانہ اقدس

پاتا تو اُس پر واجب یہ تھا کہ آپ پر ایمان لاتا اور آپ کی مدد کرتا اس وعدہ لینے سے اللہ تعالیٰ نے سارے انبیائے کرام کو آپ کا تابعدار بنادیا یعنی اگر وہ زمانے کے لحاظ سے آپ کو پالیتے تو اُن پر آپ کی فرمانبرداری اور اطاعت لازم ہوگئی تھی"۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعِيْ كِتَابٌ اَصَبْتُهٗ مِنْ بَعْضِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰى كَانَ حَيًّا مَّا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ۔ (ص ۷۰)

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو میں نے کسی اہلِ کتاب سے لی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر یہاں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اُنہیں میرے اتباع کے سوا اور چارہ کار نہ ہوتا"۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے فضائل میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کسی شرط اور استثناً کے بغیر فرض ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت تمام لوگوں پر کسی شرط اور استثناء کے بغیر فرض فرمائی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ

"اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وُہ لو"۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (توبہ:63)

"کیا اُنہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اُس کے رسول کا"۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (مائدہ:33)

"وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں، ان کا بدلہ یہی ہے کہ......"

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ...... (توبہ:29)

"اور اس چیز کو حرام نہیں مانتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے"۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ...... (انفال:13)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے''۔

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ (انفال:1)

''تم فرماؤ، غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں''۔

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:59)

''تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو''۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ (توبہ:59)

''اور کیا اچھا ہوتا، اگر وہ اس پر راضی ہوتے، جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا''۔

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ (توبہ:59)

''کہتے ہمیں اللہ ہی کافی ہے اب دیتا ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول''۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (انفال:4)

''تو پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول کا ہے''۔

وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (توبہ:74)

''اور انہیں کیا برا لگا؟ یہی نہ کہ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا''۔

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ (توبہ:90)

''اور وہ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا''

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (احزاب:37)

''جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی''۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ نبی آخر الزماں ﷺ کے نام کو ملایا ہے اور یہ انتہائی تعظیم اور شرف کی بات ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔

فضیلتِ مصطفیٰ از احادیثِ مطہرہ

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کے فضائل میں بہت سی احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ان میں سے ایک وہ ہے جو ابو ہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا: اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان میں روح پھونکی۔حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا کہ: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جبکہ آدم علیہ السلام کی مٹی کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم اگرچہ سب سے پچھلے ہیں لیکن قیادت میں سب پر سبقت لے جانے والے ہوں گے (یعنی جنت میں جاتے وقت سب سے آگے ہوں گے یا تعداد میں سب سے زیادہ ہوں گے)۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک، جن سے میں پیدا ہوا، ان سب کے نکاح ہوئے تھے، ان میں کوئی بھی بدکار نہیں تھا یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کسی کے نزدیک سے بھی بدکاری (زنا) قطعاً نہیں گزری تھی۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے والدین سفاح میں کبھی اکٹھے نہیں ہوئے۔اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک اصلاب سے پاک رحموں کی جانب منتقل کرتا رہا ہے، جو ہمیشہ صاف اور مہذب رہے۔جہاں بھی میرے آباؤ اجداد میں دوسری شاخ پھوٹی تو مجھے ان میں سے بہتر شاخ میں رکھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ: قریش آپس میں بیٹھ کر حسب ونسب کا تذکرہ کر رہے تھے تو انہوں نے آپ کی مثال اس کھجور جیسی بیان کی جو اونچی زمین پر اُگی ہو۔راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہتر مخلوق میں رکھا، جب قبائل بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں پیدا فرمایا، جب نفسوں کو پیدا کیا تو مجھے بہتر نفوس میں رکھا، جب گھروں کی تقسیم فرمائی تو مجھے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔پس میں قریش سے باپ کے اعتبار سے اور نفسِ ذات کے اعتبار سے بہتر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کتنے ہی انبیائے کرام کے پاک اصلاب سے منتقل ہوتے آئے، یہاں تک کہ آپ کی والدۂ ماجدہ نے آپ کو جنا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکان ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ان میں سے بنی آدم کو اختیار کیا، بنی آدم سے عرب کو چنا، عرب سے مضر، مضر سے قریش، قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے پسند فرمایا۔ تو میں بہتر لوگوں سے اگلے بہتر افراد کی جانب منتقل ہوتا آیا ہوں۔ پس جو شخص اہلِ عرب سے محبت کرے وہ میرے ساتھ محبت رکھنے کے باعث ہی محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ مجھ سے بغض رکھنے کے باعث ہی ان سے بغض رکھے گا۔ (محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز ہی محبت کے لائق ہے)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: میرے متعدد نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں کیونکہ لوگوں کا حشر میرے قدموں میں ہوگا۔ میں عاقب ہوں کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرتِ ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس میرے دس نام ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ان میں سے آٹھ نام یہ ہیں: محمد، احمد، ابوالقاسم، فاتح، خاتم، عاقب، حاشر اور ماحی۔ رواى کا بیان ہے کہ مجھے یہی یاد ہے۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ طٰہٰ اور یٰسین بھی آپ کے نام ہیں۔ صلوات اللّٰہ و سلامه علیه و بارک و سلّم۔

حیاتِ مصطفیٰ کی قسم

اس فضیلت کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکان ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی ہے، حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے معزز باری تعالیٰ شانہٗ نے کسی فرد کو پیدا نہیں فرمایا کیونکہ آپ کے علاوہ اور کسی کی حیات کی قسم اللہ تعالیٰ نے یاد نہیں فرمائی لیکن آپ کے بارے میں فرمایا:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾ (الحجر)

''اے محبوب! تمہاری جان کی قسم، بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں وَحَیَاتُکَ یَا مُحَمَّدُ یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری حیاتِ طیبہ کی قسم۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات عقلاء کے مسلمات سے ہے کہ معظم، محترم اور اکرم ہستیوں کی قسم ہی کھائی جاتی ہے۔ اس سے سیدنا

ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالتِ شان اور آپ کے احکام کی عظمت کا سکہ دلوں میں بیٹھ جاتا ہے نیز اللہ رب العزت نے آپ کی زبان حق ترجمان سے جو شرعی احکام جاری کروائے، اپنے بندوں کو ان کے ذریعے وحدانیت کا سبق ازبر کروایا اور دولتِ ایمانی سے مالا مال کرنے کی جانب دعوت دینے کی عظمت مبرہن ہوتی ہے۔ اس قسم سے آپ کی نبوت ورسالتِ جلیلہ کا مکمل یقین ہو جاتا ہے اور یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ باری تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق سے معزز اور دائرۂ تخلیق کا مرکز ومحور ہیں(1)۔

بزمِ محشر میں شانِ محبوبی

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت اور اس سے متعلقہ احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا زمین سب سے پہلے میرے لیے کھلے گی اور میں اپنے روضہ اطہر سے باہر تشریف فرما ہوں گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا، جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام تشریف فرما ہوں گے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اپنے روضہ انور سے باہر نکلوں گا، جب وہ وفد کی صورت میں چلیں گے تو ان کا قائد میں ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہوں گے تو ان کی جانب سے گفتگو کرنے والا میں ہوں گا، جب وہ جنت میں داخل ہونے سے روک دیئے جائیں گے تو ان کی شفاعت کرنے والا میں ہوں گا، جب وہ مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری دوں گا، کرامت کا جھنڈا، جنت کی کنجیاں اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اس روز آدم علیہ السلام کی ساری اولاد میں سب سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا(2) ہوں گا۔ ایک ہزار خادم میرا طواف کریں گے گویا وہ چھپی ہوئی سفیدی ہیں یا بکھرے موتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جنوں اور انسانوں بلکہ ہر کالے گورے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہوں۔ جملہ انبیائے کرام میں سے غنیمتیں صرف میرے ہی لیے حلال قرار دی گئی ہیں۔ ساری زمین میرے لیے پاک اور مسجد ٹھہرا دی

1۔ گرگردش میں جس کے گرد ہے پرکارِ کائنات ۔۔۔ وہ ایک خاص مرکز دوراں ہے مصطفیٰ (اختر الحامدی)

2۔ ایسے حضرات کی جرأت کا اندازہ بھلا کون کرسکتا ہے جو اپنے دین وایمان کی لٹیا ڈبو کر، عقل کی آنکھوں پر بغض وعناد اور ہٹ دھرمی کی پٹی باندھے ہوئے بضد ہو کر آج تک تقویۃ الایمان میں یہی لکھتے اور شائع کرتے آرہے ہیں کہ "سب انبیاء اور اولیاء اس کے نزدیک ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں"۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

گئی۔ میں اپنے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک رعب کے ساتھ مدد فرمایا گیا ہوں۔ مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیات مرحمت فرمائی گئی ہیں، جو جنت کے خزانوں سے ہیں۔ مجھے مفصل (سورتوں کے ساتھ) فضیلت دی گئی ہے۔ مَیں دنیا اور آخرت میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں۔ زمین سب سے پہلے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے کھُلے گی۔ یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا (یعنی تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں) قیامت کے روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد سے سارے انبیائے کرام اُس روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ بروزِ قیامت جنّت کی کُنجیاں میرے سپرد فرمائی جائیں گی اور یہ فخر وغرور کے طور پر نہیں کہتا۔ اُس روز میرے ہی وسیلے سے درِ شفاعت کھُلے گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ اُس روز مخلوقِ خدا کو جنت کی طرف لے جانے والا میں ہوں گا۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ میں اہلِ محشر کا امام ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے پیچھے چلے گی(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا: وہ شخص میں ہوں جس کے لئے زمین سب سے پہلے کھُلے گی، پھر ابوبکر کے لئے پھر عمر کے لئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)، پھر اہلِ بقیع آئیں گے اور میرے پاس جمع ہو جائیں گے، پھر میں مکّہ والوں کا انتظار کروں گا اور حرمین شریفین کے درمیان سب کو اکٹھا کروں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا میں ہوں گا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلے شفاعت میں کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی(2)۔ یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ بروزِ قیامت حمد کا جھنڈا میرے ہی دستِ مبارک میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہا ہے۔ اُس روز بنی آدم کا سردار میں ہوں گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ میرے بعد سب سے پہلے جنت میں فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) داخل ہوگی کیونکہ اِس اُمّت میں اُس کی مثال ایسی ہے جیسی بنی اسرائیل میں حضرت مریم علیہ السلام کی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ النَّاسَ يَصْعِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ وَعَنْ اُمِّ كُرْزٍ

1۔ اسی لیے تو مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

فقط اِتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا ۔۔۔ کہ اِن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

2۔ یہ عصیاں شعار بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہے:

ترے صدقے مجھے اِک بوند بہت ہے تیری ۔۔۔ جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا (رضا)

رَضِیَ اللّٰہُ عَنھَا اَنَّھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَنَا سَیِّدُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا بُعِثُوْ وَسَائِقُھُمْ اِذَا وَرَدُوْا وَمُبَشِّرُھُمْ اِذَا اَبْلَسُوْا وَاِمَامُھُمْ اِذَا سَجَدُوْا وَاَقْرَبُھُمْ مَجْلِسًا مِنَ الرَّبِّ تَعَالٰی اِذَا اجْتَمَعُوْا اَقُوْلُ فَاَتَکَلَّمُ فَیُصَدِّقُنِیْ وَاَشْفَعُ فَیُشَفِّعُنِیْ وَاَسْئَالُ فَیُعْطِیْنِیْ۔(ص ۴۳)

’’بروزِ قیامت جب سارے انسان بیہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ام کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ مسلمان جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اُن کا سردار میں ہوں گا۔جب وہ آئیں گے تو میں اُن کی رہنمائی کروں گا۔جب وہ نا اُمید ہو جائیں گے تو میں خوشخبری دُوں گا۔جب وہ سجدے میں پڑیں گے تو میں اُن کا امام ہوں گا۔جب وہ اکٹھے ہوں گے تو میں رب تعالیٰ کے دوسروں کی نسبت زیادہ قریب متمکن ہوں گا۔جب کلام کروں گا تو اللہ تعالیٰ میری معروضات کو قبول فرمائے گا۔شفاعت کروں گا تو قبول ہو گی۔سوال کروں گا تو عطا فرمایا جائے گا‘‘۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سارے نبیوں پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت دیا گیا ہوں (۱) مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں (۲) رُعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے۔(۳) ایک روز میں سو رہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں۔(۴) میں سارے انسانوں کا رسول ہوں۔(۵) غنیمتیں صرف میرے لیے حلال فرمائی گئی ہیں۔(۶) نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا گیا ہے۔جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی ذات میں وہ تمام علوم و معارف بھی جمع فرما دیئے ہیں جو سابقہ کتب میں مندرج تھے۔صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی تمنا

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے محمد بن احمد بن حسن نے خبر دی، اُنہیں محمد بن عثمان بن ابو شیبہ نے، اُنہیں جبارہ بن مغلس نے، انہیں ربیع بن نعمان نے، اُنہیں سہل بن صالح نے اپنے باپ سے، اُنہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام پر جب توریت نازل ہوئی اور اُس میں سے اِس اُمتِ مرحومہ کے فضائل پڑھے تو بارگاہِ الٰہی میں

عرض گزار ہوئے کہ اے میرے رب! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی امّت کا تذکرہ پایا ہے جو سب سے آخری لیکن سب پر سبقت لے جانے والی ہے، اُسے میری اُمت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض گزار ہوئے: اے باری تعالیٰ! میں نے توریت میں ایک ایسی اُمت کا ذکر دیکھا ہے جس کے بارے میں سب سے پہلے شفاعت قبول فرمائی جائے گی، اُسے میری امت بنادے۔ اللہ رب العزّت نے فرمایا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: اے پروردگار! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا بیان پڑھا ہے جو تیری جانب رجوع کرتی رہے گی اور تو ان کی دعائیں قبول فرماتا رہے گا، اُسے میری امت بنادے۔ جواب ملے گا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔

پھر عرض کیا: اے رب العزّت! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا بیان پڑھا ہے، جو تیرے احکام کی کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلے گی اور اُسے ازبر پڑھے گی، اُسے میری اُمت کردے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض گزار ہوئے: اے پالنے والے! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا حال پڑھا ہے جو فَیٔ کھائے گی۔ اُسے میری اُمت بنادے۔ جواب ملا، وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امت ہے، پھر عرض کرنے لگے: اے پروردگار! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت دیکھی ہے جو صدقہ خود کھائے گی لیکن اس پر بھی ثواب کی حقدار ہوگی، اسے میری اُمت بنادے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر ملتجی ہوئے: اے اللہ رب العزّت! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کے حالات پڑھے ہیں کہ جب وہ لوگ نیکی کا قصد کریں گے تو ایک نیکی کا ثواب اُسی وقت لکھ لیا جائے گا خواہ اُس پر عمل نہ کرسکیں اور اگر اُس نیکی کو کر پائے تو نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اُسے میری اُمت بنادے۔ جواب ملا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: ربِّ غفور! میں نے توریت میں ایک ایسی اُمت کے حالات پڑھے ہیں کہ اگر وہ لوگ برائی کا قصد کریں گے اور اُس کا اِرتکاب نہ کرسکیں تو کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب اُس برائی کے مرتکب ہوجائیں تو صرف ایک بُرائی لکھی جائے گی۔ اُسے میری اُمت کردے۔ جواب دیا گیا: وہ احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔

پھر عرض پرداز ہوئے: اے ربِّ کریم! میں نے توریت کی تختیوں میں ایک ایسی اُمت کا تذکرہ دیکھا ہے، جنہیں اگلے پچھلے کا علم مرحمت فرمایا جائے گا اور وہ گمراہی کے عالم گیر سرچشمہ یعنی اُس سب

سے بڑے دجّال کے ساتھ جہاد کریں گے جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے ہلاک کرنا ہے اسے میری اُمت کر دیا جائے۔ جواب ملا: وہ تو احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اُمت ہے۔ یہ سُن کر موسیٰ علیہ السلام سراپا التجا ہو کر عرض گزار ہوئے:

یَارَبِّ فَاجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ فَاُعْطِیْ عِنْدَ ذٰلِکَ خَصْلَتَیْنِ۔ (ص ۴۷)

"اے رب! مجھے احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا اُمتی بنا دے۔ اِس سے مجھے دو خوبیاں حاصل ہو جائیں گی۔ (رسالت اور نبی آخرالزماں ﷺ کا اُمتی)"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت اور شرف ہمکلامی کے لیے تمہیں لوگوں سے چُن لیا ہے۔ پس جو میں نے عطا فرمایا ہے اُسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور شکر ادا کرتے رہو۔ عرض کرنے لگے: اے پروردگار! میں تیری رضا پر دل و جان سے راضی ہوں۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث، سہیل کی غریب حدیثوں سے ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہو، سوائے اِس سند کے۔ سہیل سے روایت کرنے میں ربیع بن نعمان متفرد ہیں۔ سند کے لحاظ سے اِس حدیث میں نرمی ہے۔ صلوات اللّٰہ و سلامہٗ علیہ۔

خُلقِ عظیم

حافظ ابونعیم نے نبی کریم ﷺ کے خُلقِ عظیم اور صفاتِ عالیہ کے بارے میں اپنی سند سے متعدد احادیث ذکر کی ہیں، اُن میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خُلق قرآنِ کریم تھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ فخرِ دوعالم ﷺ سے بہتر اخلاق والا اور کوئی نہیں۔ کوئی صحابی یا گھر والا جب بھی آپ کو پکارتا تو آپ فوراً لبیک کہتے۔ باری تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے خُلق کی قرآنِ کریم میں یوں تعریف فرمائی ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾ (القلم:4)

"اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے"۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فخرِ دوعالم ﷺ کے بعض اخلاقِ کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا: میں اُس مولائے کائنات کا ہمسایہ تھا۔ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو میری جانب پیغام بھیجا جاتا۔ میں حاضر ہو کر وحی لکھا کرتا تھا۔ جب ہم دنیا کا ذکر کرنے لگتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر فرماتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرنے لگتے۔ ہم جب طعام کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اُسی کا ذکر فرماتے۔ یہ تھا سرورِ

کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلقِ عظیم کہ اس درجہ دلجوئی فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ مہربان تھے۔اللہ کی قسم کوئی غلام،لونڈی یا بچہ آپ کے پاس سخت سردی میں پانی لے کر(تبرک حاصل کرنے کے لیے) حاضر ہوتا کہ آپ اُس میں منہ ہاتھ دھولیں،تو آپ کسی صورت میں بھی ایسا کرنے سے نہ رُکتے۔اگر کوئی سائل سوال کرتا تو آپ بغور اُس کی بات سنتے اور اُس وقت تک وہاں سے نہ جاتے جب تک سائل خود نہ چلا جاتا۔اگر کسی نے آپ کا دستِ مبارک پکڑا تو آپ اُس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا،اُس وقت تک اُسی کے ہاتھ میں ہاتھ رہنے دیتے۔

اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اُن میں سے آسان ہی کو اختیار فرمایا جبکہ اُس میں کوئی گناہ نہ ہوتا ورنہ اُس سے بہت دُور رہتے۔آپ اللہ تعالیٰ کے محارم کے سوا اپنی ذات کا آپ نے کبھی انتقام نہیں لیا۔آپ کا بدلہ لینا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عورت کو کبھی نہیں پیٹا اور نہ اپنے ہاتھ سے جہاد کے سوا کسی کو مارا۔اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا۔ہاں جب اللہ تعالیٰ کے محارم کی خلاف ورزی ہوتی تو خدا کے لیے ضرور انتقام لیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سالہا سال تک آپ کی خدمت میں رہا۔اِس دوران میں آپ نے مجھے کبھی گالی نہیں دی،نہ مارا،نہ ڈانٹا اور نہ تیوری چڑھائی۔جب آپ نے مجھے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا اور مجھ سے سُستی واقع ہوگئی تو کبھی نہیں جھڑکا اور اگر گھر والوں میں سے کوئی ڈانٹتا تو آپ فرماتے: اِسے چھوڑ دو،اگر قسمت میں ہوتا تو وہ کام ضرور ہو جاتا۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کم عقل عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگی: مجھے آپ سے کام ہے۔آپ نے فرمایا: اے فلاں کی والدہ! تم جس راستے سے جانا چاہتی ہو،وہ مجھے بتادو،میں تمہیں اُسی راستے میں کھڑا ہوا ملوں گا اور اُس وقت تک واپس نہیں آؤں گا جب تک تمہارا کام نہ ہو جائے۔وہ عورت راستے کے ایک جانب جا کھڑی ہوئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے وہیں گفتگو فرماتے رہے حتّٰی کہ وہ گفتگو کر کے چلی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔آپ نے موٹے کناروں والی چادر اُوپر ڈالی ہوئی تھی۔ایک دیہاتی ملا اور اُس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے

کھینچا، یہاں تک کہ میں نے چادر کو زور سے کھینچنے کے نشانات آپ کی گردن پر دیکھے۔ اِس کے بعد وہ دیہاتی کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا مال ہے مجھے اُس میں سے کچھ دو۔ آپ اُس کی جانب متوجہ ہو کر مسکرائے اور اُس کو مال دے دینے کا حکم صادر فرمایا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

قرآن کی مثل ناممکن ہے

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ قرآنِ عزیز دلوں میں جاگزیں ہوگیا ہے، وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ کا جمالِ جہاں آراء بھی دلوں میں سماتا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتنے ہی اہلِ علم و دانش پہلی ہی ملاقات میں مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے اپنے حبیب ﷺ کی اس درجہ تائید و نصرت فرمائی کہ دنیا میں اتنی کسی اور کی تائید نہیں فرمائی گئی۔ آپ کو ایسے خصائص سے ممتاز و سرفراز فرمایا گیا جو دیگر انبیائے کرام کے معجزے اور اولیاء اللہ کی کرامات پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کی پہچان اُس کے مرتبے کے لحاظ سے ہوتی ہے، جو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مرحمت فرمایا جاتا ہے نبیِ کریم ﷺ کے مرتبے کی پہچان کے لیے سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے۔ جس میں کسی قسم کی فروگزاشت نہیں ہوئی۔ اِس سے بڑھ کر نبوّت پر دلالت کرنے والی کوئی آیت یعنی نشانی ایسی نہیں جس کی نظیر نہ ہو اور وہ دِلوں میں اِس درجہ گھر کرنے والی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو ایسے زمانے میں نازل فرمایا جبکہ مدعیانِ عقل و دانش، صاحبانِ فہم و فراست، تیز زبان والوں، ستھری طبیعت والوں، صائب الرائے، تجربہ کاروں اور حیلہ گروں کی کمی نہ تھی۔ جب معاندین نے قرآنِ عزیز سنا تو گپیں ہانکنے لگے کہ اِس کا معارضہ کرنے کی وہ بھی استطاعت رکھتے ہیں اور اگر چاہیں تو اس جیسا کلام وہ بھی بنا کر پیش کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں پچھلے لوگوں کے قصّے اور کہانیوں کے علاوہ اور دھرا ہی کیا ہے؟ فخرِ دو عالم ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ پر قرآنِ مجید کا معارضہ طلب کیا حتّٰی کہ اِذنِ عام دے دیا کہ وہ کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسا کلام بنا کر لے آئیں، جس کے بارے میں اُن کا یہ گمان ہو کہ اِس جیسی تو ہم معمولی سی کوشش اور ناقابلِ ذکر محنت کر کے ہی بنا سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اہلِ زبان اور میدانِ فصاحت و بلاغت کے شہسوار تھے لیکن سب مل کر بھی اِس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر رہے اور قاصر کیوں نہ رہتے جبکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل:88)

”تم فرماؤ، اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اِس قرآن کی مانند لے آئیں تو اِس کا مثل نہ لاسکیں گے اگر چہ اُن میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہو“۔

نبی کریم ﷺ کے اعلان فرما دینے کے باوجود معاندین ومنکرین اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود قرآنِ کریم کی کسی چھوٹی سی سورت کے مانند بھی بنا کر لانے پر قادر نہ ہوئے کیونکہ باری تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ پر جو کلام نازل فرمایا تھا اُس کے بارے میں خود یوں خبر دی:

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ﴿۱۴﴾ (الطارق)

”بے شک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں“۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ (البروج)

”بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے، لوحِ محفوظ میں“۔

فضائل ومعجزات میں دیگر انبیاء سے تقابل

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی تینتیسویں فصل میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے فضائل کا نبی کریم ﷺ کے فضائل سے اور اُن کے معجزات کا آپ ﷺ کے معجزات کے ساتھ موازنہ ومقابلہ کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا تو ہم کہیں گے کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے نبی آخرالزماں ﷺ کو بھی اپنا خلیل بنایا بلکہ حبیب بھی ٹھہرایا ہے اور حبیب تو خلیل سے بدرجہا زیادہ موردِ الطاف وکرم ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تین پردوں کے ساتھ نمرود کی سازش سے محفوظ رکھا گیا تو ہم کہیں گے کہ فخرِ دوعالم ﷺ کے قتل کی جب اہلِ مکہ نے سازش کی تھی تو آپ کی پانچ پردوں کے ساتھ حفاظت فرمائی گئی چنانچہ اس بارے میں باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ (یٰسین)

”اور ہم نے اُن کے آگے ایک دیوار بنا دی اور اُن کے پیچھے ایک دیوار اور اُنہیں اُوپر سے ڈھانک دیا، تو اُنہیں کچھ نہیں سوجھتا“۔

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ (بنی اسرائیل)

''اور اے محبوب ﷺ! جب تم نے قرآن پڑھا، تو ہم نے تم پر اور اُن میں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا''۔

فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ (یٰسین)

''وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے''۔

پس یہ پانچ پردے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے اپنی نبوت کی حقانیت پر ایسی قاطع برہان پیش کی کہ اُسے مبہوت اور بھونچکا کر دیا جس کی باری تعالیٰ شانہٗ نے خبر دی ہے کہ:

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ (بقرہ:258)

''تو ہوش اُڑ گئے کافر کے''۔

تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے پاس اُبی بن خلف آیا جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی تھی جسے وہ اپنے ہاتھوں سے مسل کر باریک کر رہا تھا۔ کہنے لگا: ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ محکم برہان نازل فرمائی:

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ (یٰسین:79)

''تم فرماؤ، اُنہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اُنہیں بنایا''۔

جب اُس نے آپ کی نبوت کو ایسی قاطع برہان سے مزیّن دیکھا تو مبہوت ہو کر واپس لوٹ گیا۔

اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑ ڈالا تھا کیونکہ وہ غضبِ الٰہی کا باعث تھے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے تین سو ساٹھ بتوں کو پامال کر دیا تھا، جو خانہ کعبہ کے اِردگرد نصب تھے۔ آپ کے دستِ مبارک کے اشارے ہی سے وہ سارے بت اُوندھے منہ گرتے چلے گئے(1)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کا ایک عصا مرحمت فرمایا تھا جو بہت بڑا اژدہا بن کر

1۔ مجددِ مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: ؎

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مُجرے کو جھکا ۔۔۔ تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا

جادوگروں کے جادو کو نگل گیا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا بنا دیا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اس سے اعلیٰ معجزات مرحمت فرمائے گئے تھے۔ چنانچہ خشک لکڑی کے ستون کا آپ کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر رونا، درختوں کا آپ کے بلانے پر حاضر ہونا، اکٹھے ہو جانا، پھر آپ کے حکم اور اجازت سے اپنی جگہ کی جانب واپس لوٹ جانا۔ اگر چشمِ بصیرت ہو تو یہ معجزات اُس معجزے سے زیادہ تعجب خیز ہیں۔

اگر کہا جائے کہ میدانِ تیہ میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ایک پتھر پر مارا، تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ کے لیے اِس سے زیادہ تعجب خیز معجزہ ثابت ہے کیونکہ پتھروں سے پانی نکل آنا عام مشاہدہ ہے لیکن گوشت، خون اور ہڈیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جانا کتنی تعجب خیز بات ہے۔ اگر آپ برتن میں دستِ مبارک رکھتے تو آپ کی اُنگلیوں سے پانی کے چشمے بہہ نکلے تھے(1)۔ اور وہ پانی نہر کی طرح جاری ہوا اور میٹھا تھا۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے وہ پانی پیا، حتّٰی کہ اُن کے اُونٹ اور گھوڑے تک سیراب ہو گئے اور ایسا متعدد بار واقع ہوا۔

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر پھٹ گیا تھا جبکہ انہوں نے اپنے عصا کو پانی پر مارا تھا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر اُس سے پار ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کے واقعات تو نبی آخر الزماں ﷺ کی اُمت کے بعض افراد کے ذریعے ہونا بھی مشہور ہے۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بحرین میں تھے اور سمندر عبور کرنے پر مجبور ہوئے تو اپنے ساتھیوں سمیت اِس طرح سمندر پار کر گئے جیسے پانی کی سطح پر چل رہے ہوں اور اُن کے کپڑے تک نہ بھیگے۔

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے لیے مکڑی، جنگلی چوہوں، مینڈکوں اور خون کا عذاب لے کر آئے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے تو ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قریش پر دھواں بھیجا جو بہت بڑی نشانی اور عذاب تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ (الدخان)

''تو تم اس دن کے منتظر رہو، جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے۔ یہ ہے دردناک عذاب''۔

نبی کریم ﷺ نے قریش کو متنبہ کرنے کی دعا فرمائی تو وہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔ سرورِ کون و

1۔ اُنگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ (اعلیٰحضرت)

مکاں ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! مضر قبیلے پر اپنا عذاب سخت کر دے اور اِن پر یوسف علیہ السلام کے زمانے والی قحط سالی مسلّط فرما دے۔

اگر کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو مَنّ و سَلویٰ کھلایا گیا یعنی بٹیر جیسے جانور کا گوشت اور ترنجبین کھلائی گئی اور اُن پر بادلوں کے ذریعے سایہ کیا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ منّ وسلویٰ اُنہیں بیٹھے بٹھائے ملتا تھا جس کے لیے کسی قسم کی مشقت نہیں اُٹھانی پڑتی تھی تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ اور آپ کی اُمت کو وہ اعلیٰ اور ارفع چیز عطا فرمائی گئی جس سے پہلے تمام انبیائے کرام تک بھی محروم رہے اور وہ مالِ غنیمت ہے جو کسی نبی کے لیے بھی حلال قرار نہیں دیا گیا۔ علاوہ بریں مذکورہ بالا قسم کے کمالات تو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو بھی عطا فرما دیئے تھے مثلاً جب اُنہیں کسی غزوہ پر بھیجا گیا اور اثنائے سفر میں زادِ راہ ختم ہونے پر وہ بھوک کی پریشانی میں مبتلا ہوئے تو قریبی سمندر نے اُن کی جانب بہت بڑی مچھلی کو باہر پھینک دیا، جس کا گوشت اُنہوں نے ایک ماہ تک کھایا اور چربی استعمال کرتے رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ تو تھوڑے سے طعام اور دودھ (1) سے بہت بڑی جماعت کو بھی سیر کر دیا کرتے تھے اور مزید کھانے پینے سے منہ پھر جاتا تھا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم تین سو سواروں کو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ایک قافلے کی گھات میں بھیجا۔ اُس روز ہمارے امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح تھے۔ ہمیں راستے میں سخت بھوک لگی، حتّٰی کہ درختوں کے پتے تک کھانے پڑے۔ اسی لیے اس غزوہ کو جیش الخبط کہتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سمندر کے نزدیک ہوئے تو اُس نے ایک بہت بڑی مچھلی ہماری جانب پھینک دی، جسے عنبر کہا جاتا ہے۔ ہم مہینہ بھر اُس کا گوشت کھاتے رہے اور چربی استعمال کی، یہاں تک کہ ہم خوب موٹے تازے ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی ایک پسلی کو کھڑا کیا اور لشکر میں سے ایک لمبے آدمی کو حکم دیا کہ کسی قد آور اُونٹ پر سوار ہو کر اِس پسلی کے نیچے سے گزرے۔ چنانچہ حسبِ حکم وہ آدمی پسلی کے نیچے سے سوار ہو کر گزر گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اُس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا ہے؟ ہم نے بچا ہوا گوشت بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا تو آپ نے بھی اُس میں سے تناول فرمایا۔

1۔ ایسے ہی ایک واقعے کی جانب اعلیٰ حضرت نے یوں اشارہ کیا ہے:

کیوں جنابِ بُوہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر　　　جس سے ستّر صاحبوں کا دُودھ سے مُنہ پھر گیا

اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کو عصا مرحمت ہوا تھا، جو اژدہا بن جاتا تھا اور وہ فرعونی جادوگروں کے سارے جادو کو نگل گیا تھا، حتیٰ کہ اُس سے ڈر کر فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ سے بھی بعینہٖ اِس قسم کے معجزے کا ظہور ہوا تھا، چنانچہ ابوجہل بن ہشام کا واقعہ ہے کہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک بہت بڑا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں جائے گا تو وہی پتھر اُس کے سر پر دے ماروں گا اور جب رسول اللہ ﷺ نماز میں مصروف ہوئے اور سجدے میں گئے تو وہ بدبخت پتھر لے کر آپ کی جانب بڑھا لیکن نزدیک پہنچتے ہی مبہوت رہ گیا اور مارے خوف کے ہانپتا کانپتا واپس بھاگ گیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا، مارے خوف کے لرزہ براندام تھا اور دونوں ہاتھ اپنی قوت کھو بیٹھے تھے، جس کے باعث پتھر اُس کے ہاتھوں سے گر گیا تھا۔ قریش کے چند آدمی اُس کے پاس پہنچے اور صورتِ حال پوچھی تو ابوجہل کہنے لگا: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ کچھ کرنے کے ارادے سے گیا تھا، جیسا کہ گزشتہ رات تم سے وعدہ کر کے آیا تھا لیکن جب میں اِس ارادے سے اُس کے قریب گیا تو میرے سامنے ایک بہت بڑا اُونٹ آ گیا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اتنے موٹے سر والا ایسے قد و قامت والا یا اِتنے لمبے دانتوں والا کبھی کوئی اُونٹ نہیں دیکھا۔ وہ اونٹ مجھے کھانا چاہتا تھا۔ جب سرورِ کون و مکاں ﷺ سے اِس واقعے کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اگر ابوجہل میرے نزدیک آنے کی کوشش کرتا تو اُسے ہلاک کر دیا جاتا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

حضرت صالح علیہ السّلام

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کے لیے اُونٹنی ظاہر کی اور وُہ اُن کے لیے حُجت اور نشانی بنائی گئی چنانچہ ایک روز اُونٹنی پانی پیتی تھی اور دوسرے روز وُہ قوم پانی پیتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اِس قسم کی حُجت تو فخرِ دو عالم ﷺ کو بھی مرحمت فرمائی گئی تھی بلکہ اِس سے اعلیٰ و ارفع، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی بولتی نہیں تھی اِسی وجہ سے وہ صالح علیہ السلام کے نبی ہونے کی شہادت بھی نہیں دے سکی لیکن نبی آخرالزماں ﷺ کی بارگاہ میں ایک اُونٹ حاضر ہوا اور اس نے آپ کی نبوت کے بارے میں شہادت دی تھی۔ اُونٹ کا مالک اُسے ذبح کرنا چاہتا تھا۔ اونٹ اُس کے ارادے کو بھانپ کر بھاگ نکلا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اس نے اپنا استغاثہ پیش کر دیا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیئے تھے جو اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرتے تھے اور اُن کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا جاتا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ فخر دو عالم ﷺ کو بھی یہ معجزے عطا ہوئے بلکہ اِس بھی بڑھ کر، مثلاً یہ کہ کنکریوں نے آپ کے دستِ مبارک میں اور تصدیق کرنے والوں کے ہاتھ میں تسبیح بیان کی۔ اِس میں آپ کی اور تصدیق کرنے والوں کی عظمت اور سرفرازی زیادہ ہے۔

حافظ ابُونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سوید بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی مسجد (مسجد نبوی) میں حاضر ہوا۔ وہاں ابُوذر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، میں نے تنہائی میں اُن کے ساتھ بیٹھنے کو غنیمت جانا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اتفاقیہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تنہا بیٹھا تھا۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک روز میں مسجد نبوی میں گیا۔ آپ وہاں تشریف فرما تھے۔ میں خاموشی سے آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے دریافت فرمایا: اے ابوبکر! کیسے آنا ہوا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی غرض سے آیا ہوں۔ وُہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔ اُن کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا: اے عمر! کیسے آئے ہو؟ عرض کی کہ بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے ارادے سے آیا ہوں اور وہ آپ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اِن کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ پہنچے۔ آپ نے دریافت فرمایا: اے عثمان کس غرض سے آئے ہو؟ اُنہوں نے بھی پہلے دونوں حضرات کی طرح یہی جواب دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے ارادے سے آیا ہوں۔ حضرت ابُوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سات کنکریاں پکڑی تو اُنہوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح بیان کرنی شروع کر دی (1)۔ حتّٰی کہ میں (حضرت ابوذر) نے بھی اُن کی آواز سُنی، جو ایسے محسوس ہو رہی تھی جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ جب آپ نے اُن کنکریوں کو رکھ دیا تو خاموش ہو گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے وہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا دیں۔

1۔ مجدّد مأتہ حاضر قدس سرّہٗ نے فرمایا ہے: ؎

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں ۔۔۔ سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اِن کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح بیان کرنے لگیں جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ جب اِنہوں نے بھی کنکریوں کو رکھ دیا، تو خاموش ہو گئیں۔

آپ نے پھر اُن کو پکڑا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اِن کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح بیان کرنے لگیں جیسے شہد کی مکھی بھنبھناتی ہے۔ جب اِنہوں نے بھی وہ کنکریاں رکھ دیں، تو خاموش ہو گئیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں بھی کنکریوں نے اِسی طرح تسبیح بیان کی۔

اگر کہا جائے کہ پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیئے گئے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ پرندوں کے علاوہ اُونٹ جیسے بہائم عظیمہ بھی رسول اللہ ﷺ کے تابع تھے نیز سخت قسم کے شکاری پرندے بھی آپ کے فرماں بردار تھے۔ بھاگنے والے اونٹ نے آپ کا حکم مانا، بھیڑیئے نے آپ کی دعوت اور نبوت و رسالت کی تصدیق کی، یہاں تک کہ ایک شیر کے پاس سے رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ گزر رہے تھے تو اُس نے سرگوشی کی اور راستہ بتایا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوا اور وہاں سے حمرہ کے انڈے لے آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حمرہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئی اور عاجزی کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا: اِس جانور کو کس نے ستایا ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں اِس کے انڈے لے آیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ فوراً اِس کے انڈے واپس کر دو اور حمرہ پر شفقت فرمائی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، حتیٰ کہ وہ لوہے کی زرہیں ہاتھ سے بنا لیتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تو بڑے بڑے پتھر بھی نرم ہو جاتے حتیٰ کہ غار بن جاتے تھے جیسا کہ غزوۂ اُحد کے روز آپ ایسی ہی غار کے ذریعے جنگ کا معائنہ فرماتے رہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک کو پہاڑ کی جانب مائل فرمایا تاکہ آپ مشرکینِ مکہ کو نظر نہ آئیں، تو وہ پتھر نرم ہو گیا اور آپ نے اپنے سر مبارک کو اُس میں چھپا لیا۔ یہ معجزہ عجیب تر ہے کیونکہ لوہے کو آگ نرم کر دیتی ہے لیکن ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ آگ نے پتھروں کو بھی نرم کیا ہو۔ اُحد پہاڑ میں وہ نشان ابھی تک باقی ہے اور لوگ اُس کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح مکہ مکرمہ کی اضم نامی ایک وادی میں وہ پتھر بھی ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے استراحت فرمائی تو

وہ پتھر اتنا نرم ہو گیا تھا کہ آپ کی کہنیوں اور کلائیوں تک کے نشانات اُس پر پڑ گئے تھے۔ یہ بات عام مشہور ہے اور حاجی لوگ اُس پتھر کی زیارت کو جاتے ہیں۔ معراج کی رات میں بیت المقدس کا ایک پتھر آپ کے لیے اِتنا نرم ہو گیا تھا کہ آپ نے براق کو اُس کے ساتھ باندھا تھا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی عطا فرمائی گئی جو اُن کے بعد کسی کو عطا نہیں فرمائی، تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کو زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں مرحمت فرمائی گئیں(1)۔

لیکن آپ نے تھوڑی شے اور قلیل طعام کو رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیا اور دنیا کو حقیر جانتے ہوئے اور آخرت کے بلند مراتب کو پسند فرماتے ہوئے، اُن کنجیوں کو لینے سے انکار کر دیا تھا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ شانہٗ نے وادیِ بطحاء کو میرے لیے سونا بنا دینے کے بارے میں مجھ سے پوچھا: میں عرض گزار ہوا کہ اے پروردگار! میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں تو پسند کرتا ہوں کہ ایک روز سیر ہو کر کھاؤں اور تین دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں گا تو تیرے حضور عاجزی پیش کروں گا اور تیری یاد میں مصروف رہوں گا۔ جب شکم سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیری حمد و ثنا بیان کروں گا اور شکر بجالاؤں گا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ میرے پاس ایک فرشتہ حاضر ہوا، جس کی کمر عمارتِ کعبہ جتنی محیط تھی، اُس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کے رب نے سلام بھیجا ہے اور پوچھا ہے کہ آپ نبی عبد بننا پسند کرتے ہیں یا نبی بادشاہ؟ آپ دونوں میں سے جو کچھ بننا چاہیں گے اُسی کے مطابق ہو جائے گا۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی جانب (برائے مشورہ) نظر اٹھائی تو اُن کا اشارہ تواضع کی جانب تھا۔ میں بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوا اے پروردگار! میں نبی عبد رہنا چاہتا ہوں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوائیں مسخر تھیں، جو اُنہیں تمام زمین کی سیر

1۔ مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں (رضا)

کراتی تھیں، جس کے باعث اُن کی صبح کی منزل ایک ماہ کی راہ اور شام کی منزل بھی ایک ماہ کی راہ ہوا کرتی تھی، تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس سے بھی زیادہ عنایات سے نوازا گیا ہے کیونکہ آپ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ معظّمہ سے بیت المقدس تک کی سیر فرمائی، جو ایک مہینے کی مسافت ہے اور آسمانی بادشاہی کا نظارہ کرنے کے لیے آسمانِ دنیا تک گئے جو پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ یہ سفر بھی رات کے وقت ایک قلیل مدّت میں طے فرمایا۔ اِس کے بعد ایک آسمان سے دوسرے کی جانب گئے اور وہاں کے عجائبات کا معائنہ فرمایا، جنت اور دوزخ کو دیکھا، اپنی امت کے اعمال، جو پیش کیے گئے تھے ملاحظہ فرمائے۔ انبیائے کرام اور فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ تمام عجائبات کو دیکھتے ہوئے حجابات سے بھی گزر گئے۔ پھر ایک سبز رفرف آپ کو اور اوپر لے گیا، یہاں تک کہ باری تعالیٰ شانہٗ کی خاص تجلیات نے آپ کو آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی فرمائی اور جو اُس نے چاہا وحی فرمائی۔ آپ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات بھی مرحمت ہوئیں جو عرشِ الٰہی کا نیچے والا خزانہ ہے۔ آپ سے یہ وعدہ بھی فرمایا گیا کہ آپ کے دین کو باقی تمام ادیان پر غالب رکھا جائے گا حتّٰی کہ زمین کے مشرق و مغرب میں آپ کے دین کے علاوہ اور کوئی دین نہ ہوگا۔ یہ بھی وعدہ فرمایا گیا کہ کافر ہمیشہ آپ کے پیروکاروں کے باجگزار رہیں گے اور ہمیشہ ذلیل ہو کر رہیں گے۔ وہیں آپ کی اُمت پر پانچ نمازیں فرض فرمائی گئیں۔ وہیں موسیٰ علیہ السلام سے بار بار ملاقات ہوئی اور نمازوں کی تخفیف کا مرحلہ درپیش رہا۔ یہ تمام واقعات رات کے ایک ذرا سے حصے میں واقع ہو گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جنات آتے تھے۔ وہ آپ کے تابع اور مجبور کر دیئے گئے تھے اور آپ اُن کے سرکشوں کو زنجیر میں جکڑ کر قید رکھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جن برضا و رغبت مطیع ہو کر آتے، آپ کی تعظیم و توقیر بجا لاتے، آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے اور ایمان لے آتے تھے۔ والہانہ طور پر آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے اور عاجزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ آپ سے عنایات طلب کرتے اور کھانے پینے کی چیزیں مانگتے تھے۔ اُن کے جواب میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب وہ گوبر کو پائیں گے تو اُن کی خوراک بن جایا کرے گا اور ہر ہڈی گوشت والی ہو جایا کرے گی۔ ایک مرتبہ بڑے بڑے جن اور اُن کے نو (۹) سردار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، جن کا اللہ جل شانہٗ نے قرآنِ کریم میں یوں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (احقاف:29)

''اور یاد کرو جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے ہی جن پھیرے''۔

نیز یوں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ (الجن:2)

''تم فرماؤ کہ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا، تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہزارہا جن حاضر ہوئے اور نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور مسلمانوں کے ساتھ پیار محبت کا سلوک کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے بیعت کی اور آپ کے سامنے اس بات پر معذرت چاہی کہ اُنہوں نے اللہ رب العزت کے بارے میں جہالت کے باعث ناروا باتیں بھی کہی تھیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے نبوت کے باعث اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جنوں کو مسخر کر دیا حالانکہ وہ شرارتی ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اولاد کے قائل تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت جنوں اور انسانوں کے بے شمار امور کو شامل ہے۔ چنانچہ جو کچھ اس سلسلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا تھا۔ اُس کی نسبت یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، کہیں افضل و اعلیٰ ہے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران ہم سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ قضائے حاجت کے لیے ایک جانب تشریف لے گئے۔ آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لیے دور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو میں پانی کا مشکیزہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے آپ کے پاس جھگڑنے کی آوازیں اور شور و غوغا سنا، حالانکہ اِس سے پہلے بارگاہِ رسالت میں ایسا منظر کبھی دیکھا نہیں تھا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا: بہت خوب اور پانی مجھ سے لے لیا۔ طہارت کے بعد وضو فرمایا۔ میں عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں نے آپ کے پاس بلند آوازیں سنی ہیں اور شور و غوغا دیکھا ہے، حالانکہ اِس سے پہلے آپ کی بارگاہ میں یہ بات دیکھی نہیں گئی۔ آپ نے فرمایا: اُس وقت میرے پاس مسلمان جن اور مشرک جن آپس میں جھگڑ رہے تھے اور وہ مجھ سے اپنے رہنے کی جگہ مانگ رہے تھے میں نے مسلمان جنوں کو جبس میں اور کافر جنوں کو غور میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ عبد اللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم سے

دریافت کیا کہ جبس کیا چیز ہے اور غور کس مقام کو کہتے ہیں؟ اُنہوں نے بتایا کہ جبس سے مراد بستیاں اور پہاڑ ہیں جبکہ غور پہاڑوں اور سمندروں کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ کثیر فرماتے ہیں کہ جبس میں جانے والوں کو ہم نے سلامت ہی دیکھا ہے لیکن جو غور میں پہنچ جاتا ہے اُس کا پھر خدا ہی حافظ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کوئی جن حضرت سلیمان علیہ السّلام کی اگر نافرمانی کرتا تھا تو آپ اُس کو جکڑ دیتے اور قید کر دیا کرتے تھے اور اِس امر کی اللہ تعالیٰ نے اُنہیں قدرت دی تھی، اسی لیے جن ہر کام میں اُن کے حکم کی تعمیل پر کمربستہ رہتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہ صرف فخرِ دو عالم ﷺ کو بلکہ آپؐ کے اصحاب میں سے کتنے ہی حضرات کو اللہ تعالیٰ نے جنات پر تسلّط دیا تھا اور وہ سلیمان علیہ السلام کی طرح جنّوں کو قبضے میں رکھتے اور سرکشوں کو مبتلائے عذاب کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک خبیث جن آج رات کو مجھ پر کودا تاکہ میری نماز ٹوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس پر قدرت دی اور میں نے اُسے پکڑ لیا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ صبح ہوتے ہی مسلمان بھی اُس کا حشر دیکھ لیں، لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا یاد آ گئی، جو اُنہوں نے اس سلسلے میں اللہ رب العزت سے مانگی تھی کہ:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ (ص)

”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ بے شک تو ہی بڑی دَین والا ہے“۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس جن کو میرے پاس سے ذلیل وخوار کر کے لوٹایا۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جنّوں کے ایسے کتنے ہی واقعات ذکر کیے ہیں، جن سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جنّات اُن کے لیے بھی مسخر فرمائے گئے تھے اور اُنہوں نے ایسی احادیث بھی نقل فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی مدد اور اطاعت کی ہے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں اور چیونٹیوں کا کلام سمجھ لیتے تھے اور اُنہیں اِن چیزوں پر تسلّط بھی دیا گیا تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو اِس سے بھی زیادہ قدرت دی گئی ہے۔ قبل ازیں ہم بارگاہِ رسالت میں بہائم اور

درندوں کا کلام کرنا، ستون کا رونا، اُونٹ کا شکایت کرنا، درختوں کا کلام کرنا، کنکریوں اور پتھروں کا تسبیح بیان کرنا، آپ کا پتھروں کو بلانا اور اُن کا حاضرِ بارگاہ ہو جانا، بھیڑیئے کا آپ کی نبوت کا اقرار کرنا، پرندوں کا آپ کے حکم کو بجالانا، ہرنی کا کلام کرنا بلکہ آپ سے شکایت کرنا، گوہ کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرنا وغیرہ کے متعدد واقعات نقل کر چکے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

اگر کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں سب سے زیادہ خوبصورت مشہور ہیں بلکہ ساری مخلوق سے بڑھ کر خوب صورتی کا مجسمہ تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی آخرالزمان ﷺ کی خوبصورتی، جس کے ساتھ صحابۂ کرام آپ کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے، اُس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے کیونکہ اُنہوں نے آپ کی مثال چمکتے ہوئے سورج اور چودھویں رات کے چاند سے دی ہے حالانکہ آپ چاند سے بھی زیادہ حسین و جمیل تھے۔ آپ کا چہرۂ انور سونے کی طرح دمکتا تھا جیسے چاند اپنی پوری تابانی دکھا رہا ہو۔ آپ کے پسینے کی خوشبو مہکنے والی مُشک (کستوری) کی طرح تھی۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف دریافت کیے تو اُنہوں نے جواب دیا: اے بیٹے!

لَوْ رَأَيْتَهٗ رَأَيْتَ الشَّمْسَ الطَّالِعَةَ۔ (ص ۸۰)

"اگر تو اُنہیں دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا کہ سورج چمک رہا ہے"۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ:

صِفْ لِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَسَنَ الْوَجْهِ يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ (ص ۸۰)

"رسول اللہ ﷺ کی صفتِ حسن و جمال میرے سامنے اِس طرح بیان کیجئے، جس سے محسوس ہو کہ گویا میں خود اُس جمال جہاں آراء کی زیارت کر رہا ہوں۔ کہا اچھا۔ رسول اللہ ﷺ ایسے حسین اور چمکدار چہرے والے تھے جیسے چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے"۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حسنِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ کیفیت تھی کہ:

اِذَا سَرَّهُ الْاَمْرُ اِسْتَنَارَ وَجْهُهُ كَاَنَّهُ دَارَ الْقَمَرِ۔ (ص ۸۰)

"جب خوشی کا موقع ہوتا تو آپ کا چہرہ اِس طرح دمکتا جیسے چاند کا گھیرا چمکتا ہے"۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ:

كَانَ عِرْقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ وَجْهِهٖ مِثْلَ اللُّؤْلُؤْا اَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ الْاِذْفَرِ وَكَانَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَاَنْوَرَهُمْ لَوْنًا لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَالَ بَمَعْنٰى صِفَتِهِ الْاَشْبَهِ وَجْهَهٗ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۸۱)

"رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر پسینہ موتیوں کی طرح معلوم ہوتا تھا، جو مُشکِ اذفر سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ کا چہرہ تمام انسانوں سے زیادہ حسین تھا اور رنگ نورانی تھا۔ اگر کوئی آپ کے حُسن و جمال کی تعریف کرنا چاہے تو کماحقہٗ توصیف نہیں کر سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ پُر نور کی کوئی بھی توصیف کرنے والا چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا"۔

حضرت یحییٰ علیہ السّلام

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کو بچپن ہی میں حکم عطا فرمایا گیا تھا اسی لیے وہ گناہوں سے بچے رہنے کے باوجود بھی روتے رہا کرتے اور وصال کے روزے رکھا کرتے تھے یعنی متواتر روزے رکھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اس خوبی میں اُن پر بھی فضیلت دی گئی ہے کیونکہ یحییٰ علیہ السلام بت پرستی اور جاہلیت کے زمانے میں مبعوث نہیں ہوئے تھے جبکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو اُس دور میں مبعوث فرمایا گیا تھا جب جاہلیت اپنے شباب پر تھی اس کے باوجود آپ کو بچپن ہی میں بت پرستی اور شیطانی جماعت سے اجتناب کرنے کا حکم ملا اور ایسی فراست مرحمت فرمائی گئی، جس کے باعث نہ آپ نے کبھی بتوں کی جانب رغبت کی اور نہ بت پرستوں کے ساتھ اُن کے میلوں تہواروں میں شرکت کی۔ علاوہ بریں کسی نے آپ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں سنی بلکہ قوم اور ماحول کے اندر آپ سچے، امین، حلیم، شفیق اور مہربان مشہور تھے اور:

كَانَ يُوَاصِلُ الْاُسْبُوْعَ صَوْمًا فَيَقُوْلُ اِنِّيْ اَظِلُّ عِنْدَ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ حَتّٰى يُسْمَعَ لِصَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ۔(ص۸۱)

''آپ ایک ایک ہفتے تک متواتر روزے رکھتے رہتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب (خوفِ الٰہی سے) روتے تو آپ کے سینۂ اقدس سے ایسی آواز آتی جیسے ہانڈی جوش مارتی ہے اور اس وقت ہانڈی سے آواز آتی ہے''۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ حصور تھے یعنی عورتوں کی جانب رغبت نہیں رکھتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام بیشک نبی تو تھے لیکن اپنی قوم کی جانب مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے۔ اِن حالات میں وہ تنہا اپنے احوال کی اصلاح میں مصروف رہتے تھے لیکن نبی آخرالزماں ﷺ کو تمام انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا، تاکہ اپنے قول اور فعل کے ذریعے مخلوق کو خدا کی طرف بلائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے مختلف احوال اور بلند مقامات ظاہر فرمائے جن میں آپ کے تصرف کے لحاظ سے تفاوت ہے تاکہ ہر مرتبے کا انسان آپ کے افعال واوصاف کی اقتدا کرسکے۔ چنانچہ صدیق اپنی بزرگی میں، شہداء اپنے مراتب میں اور صالحین اپنے مختلف حالات کے مطابق اُس ہادیِ کائنات کی پیروی کریں اور ہر اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط درجے کا آدمی بلکہ ایک خاص منصب پر فائز ہونے والا بھی آپ کے مختلف اور اپنے مطابق احوال وکردار سے رہنمائی کا سامان حاصل کر کے نفع اندوز ہوسکے۔

یہ تو ظاہر بات ہے کہ نکاح کی جانب نفس کو خاص رغبت ہے اور خواہشات کا اس طرف خاص میلان ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اپنی اُمت کو نکاح کا حکم دیا اور اس کی رغبت دلائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو اِسی کے مطابق رکھا ہے اور اِسی لیے انسانوں کے لیے اِسے مباح کیا ہے تاکہ اِس کی بدولت وہ زناکاری سے محفوظ رہیں۔ بایں وجہ آپ بھی لوگوں کی خاطر ظاہری طور پر اِس فعل میں شامل ہوئے اور اُن کے ساتھ نام کی شمولیت ہوگئی کیونکہ آپ دوسروں جیسے نہیں بلکہ انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِسی لیے فرمایا ہے:

تَزَوَّجُوْا فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ۔ فَاِنْ غَلَبَ عَلَيْهِ وَعَلٰى قَلْبِهٖ مَا اَفْرَدَهُ الْحَقُّ بِهٖ مِنْ قَوْلِهٖ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ تَلَطَّفَ عَلَيْهِ

الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ فِیْ مَرْضَاتِہٖ۔(ص۸۱)

''نکاح کرو تا کہ میں تمہاری کثرتِ تعداد کے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں کیونکہ آپ پر یا آپ کے قلب مبارک پر عورتوں کی جانب میلان غالب ہوتا جبکہ آپ کی انفرادیت تو توجہ الی اللہ تھی جیسا کہ فرمایا ہے: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ یہ معاملہ نہ ہوتا بلکہ اپنی خواہشات سے لطف اندوز ہوتے''۔

آپ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے، تم مجھے اجازت دو کہ میں آج کی رات عبادت میں بسر کروں۔ وہ عرض کرتیں: اگرچہ مجھے آپ کا قرب محبوب ہے لیکن آپ کی رضا بھی محبوب ہے۔ پس آپ نماز میں مشغول ہو جاتے اور ساری ساری رات نماز پڑھتے اور بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کرتے ہوئے گزار دیتے۔ بعض اوقات جنت البقیع کی طرف تشریف لے جاتے وہاں اپنے رب کے حضور میں عجز و نیاز پیش کرتے، قبرستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے مستفید فرماتے اور اس طرح اہلِ قبور کی قسمت جگاتے۔ کبھی رات بھر سرگوشی کے انداز میں بار بار صبح تک اس آیت کو پڑھتے رہتے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ (المائدہ)

''اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے''۔

علاوہ بریں بشریت کے احکام اور نفس کے تقاضوں سے تو آپ شقِ صدر کے وقت ہی پاک ہو چکے تھے جبکہ فرشتوں نے آپ کے قلبِ اطہر کو ایمان اور حکمت کی ہر ممکن دولت سے بھر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا ساری اُمّت کے ساتھ بھی وزن کیا گیا تو آپ ہی بھاری رہے تھے۔ یہ اسی وجہ سے تو تھا کہ آپ کے قلبِ مبارک پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا ہوا تھا۔ صلوات اللّٰہ تعالٰی و سلامہٗ علیہ۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُلُّ فَضِیْلَةٍ اُوْتِیَ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَدْ اُوْتِیَهَا نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّهَا لَمْ یُنْكِرْهَا مُتَدَبِّرٌ مَعَ مَا اِطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ خُصُوْصًا مِنَ الْغُیُوْبِ الَّتِیْ لَمْ یَطَّلِعْ عَلَیْهَا غَیْرُهٗ مِنَ الْفِتَنِ الْكَائِنَاتِ الَّتِیْ لَمْ

يُخْبَرُبِهَا سِوَاهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص۸۱)

ہر وہ فضیلت جو عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی وہ نبی کریم ﷺ کو ضرور مرحمت فرمائی گئی یہ ایسی یقینی بات ہے جس کا کوئی دین کی سمجھ رکھنے والا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اِس کے علاوہ آپ کو ایسے خاص غیوب پر بھی مطلع فرمایا گیا، جن کی آپ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں بخشی گئی مثلاً اِس کائناتِ ارضی پر ظہور پذیر ہونے والے فتنے، اِن کی خبر فخرِ دوعالم ﷺ کے علاوہ کسی نبی یا مرسل نے بالکل نہیں دی۔

اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اُن کی والدۂ ماجدہ کی جانب بھیجا گیا، جو مکمل بشری صورت میں حاضر ہوئے اور کہا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ (مریم)

''بے شک میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں''۔

نیز جب کنواری ہونے کے باعث عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر قوم نے اعتراض کیا تو مریم علیہا السلام نے آپ کی جانب اشارہ فرمایا۔ اُس وقت اللہ رب العزت نے آپ کو قوتِ گویائی مرحمت فرمائی اور پنگوڑے میں تشریف فرما ہونے کے باوجود آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ (مریم)

''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا''۔

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا والوں کے لیے بہت بڑی نشانی اور بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مثال تھے۔ لیکن یہ نہیں سنا گیا کہ دوسرے کسی نبی کو ایسی خصوصیت مرحمت فرمائی گئی ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ فخرِ دوعالم ﷺ کو بھی یہ خصوصیات مرحمت فرمائی گئی تھیں اور اِن جیسی متعدد اور بھی، جو آپ کی پیدائش مقدسہ سے متعلق تھیں اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے تشریف لانے کی بشارت دے دی گئی تھی اور تولّد کے وقت بھی متعدد عجیب باتیں ظہور میں آئیں۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں تشریف فرما ہونے کی کئی چیزوں نے دلالت کی۔ منجملہ اُن کے قریش کے ہر جانور نے اُس رات کلام کیا اور کہا: اے ربِّ کعبہ کی قسم نبیِ آخر الزماں ﷺ اپنی والدۂ ماجدہ کے بطنِ مبارک میں تشریف لا چکے ہیں۔

آپ کا وجود دُنیا کے لیے امن و سلامتی کا ضامن ہے اور آپ اس کائناتِ ارضی و سماوی کے سورج

ہیں۔ قریش اور عرب کے دیگر قبائل میں کوئی کاہن مرد یا عورت ایسا باقی نہ رہا جس کے پاس خبریں لانے سے اُس کا جن روک نہ دیا گیا ہو، گویا کاہنوں کا علم آپ کی تشریف آوری کے باعث چھن گیا۔ بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو کر گر گئے اور شاہانِ عالم مُہر بلب اُس روز اُن میں سے کوئی بھی کلام نہ کر سکا۔ مشرق کے درندوں نے مغرب کے درندوں کو بشارت دی۔ سمندروں نے ایک دوسرے کو آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ شکمِ مادر میں رونق افروز ہوتے ہی ہر ماہ ایک آواز زمین پر اور دوسری آسمان پر سنی جاتی تھی کہ دنیا والوں کو مبارک ہو کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برکتیں اور رحمتیں لے کر دنیا میں تشریف لا رہے ہیں۔

آپ کی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب حمل کو کئی ماہ گزر گئے تو کسی نے مجھے خواب کی حالت میں پیر کی آہٹ سے اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا: اے آمنہ! تیرے شکم مبارک میں وہ نادرِ روزگار ہستی ہے جو دونوں جہانوں میں سب سے بہتر ہے جب وہ رونق آرائے گیتی ہو جائے تو اس کا نام محمد رکھنا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اِس معاملے کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ جس طرح بچوں کی پیدائش کے وقت عورتوں کو تکلیف ہوتی ہے اُسی طرح مجھے بھی دردِ زِہ شروع ہوا۔ ہماری قوم کے کسی مرد یا عورت کو اُس وقت یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں گھر میں اکیلی ہوں۔ آپ کے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب اُس وقت خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک سخت آواز سنی، جو قابلِ ذکر ہے اور میں اس سے خوفزدہ ہوئی۔ وہ پیر کا روز یعنی دوشنبہ تھا۔ اِسی اثناء میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سفید پرندہ میرے دل کے اُوپر اپنا پَر پھیر رہا ہے، جس کے باعث خوف، گھبراہٹ اور درد کا تصوّر تک میرے نزدیک نہ رہا۔ اِس کے بعد اچانک ایک سفید چیز نظر آئی، میں نے سمجھا تھا کہ وہ دودھ ہے، چونکہ مجھے سخت پیاس محسوس ہو رہی تھی، اسی لیے میں نے اُس میں سے کچھ پی لیا تو فوراً میرے پاس سے ایک نور چمکتا ہوا فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ اِس کے بعد میں نے چند عورتوں کو دیکھا جو کھجور کے درختوں کی طرح دراز قد تھیں، گویا وہ حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادیاں ہیں اور وہ میرے گرد کھڑی تھیں۔ میں نے سمجھا چونکہ میں متعجب ہو کر کہہ رہی تھی وَاَغوثَاہُ یعنی اے فریاد رس! شاید یہ عورتیں میری تکلیف کو محسوس کر کے خبر گیری کے لیے آئی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک عظیم اور خوفناک آواز سنی تھی۔ اسی اثناء میں اچانک کیا دیکھتی ہوں کہ زمین و آسمان کے درمیان سفید ریشم لٹک رہا ہے اور کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ اُسے لوگوں کی نگاہوں سے

پوشیدہ کردو۔

آپ فرماتی ہیں کہ میں نے چند مرد دیکھے جو اپنے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے پکڑے ہوئے فضا میں کھڑے تھے۔ اُس وقت میرے جسم سے مشک جیسا خوشبودار پسینہ موتیوں کی طرح ٹپک رہا تھا اور میں کہہ رہی تھی: کاش! حضرت عبدالمطلب اِس وقت میرے پاس ہوتے کیونکہ وہ مجھ سے دور گئے ہوئے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے پرندے دیکھے نہیں معلوم وہ کہاں سے آئے تھے؟ اُن میں سے ہر ایک کی چونچ زمرّد کی اور پَر یاقوت کے تھے۔ اُنہوں نے میرے حُجرے کو گھیر رکھا تھا۔ مزید فرمایا:

فَكُشِفَ لِیْ عَنْ بَصَرِیْ فَابْصَرْتُ فِیْ سَاعَتِیْ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا وَرَأَیْتُ ثَلَاثَةَ اَعْلَامٍ مَضْرُوبَاتٍ عَلَمًا فِی الْمَشْرِقِ وَعَلَمًا فِی الْمَغْرِبِ وَعَلَمًا عَلٰی ظَهْرِ الْكَعْبَةِ۔(ص ۸۲)

''اُس وقت میری نگاہوں کے سامنے سے پردے اُٹھ گئے، پس میں نے زمین کو مشرق اور مغرب تک دیکھ لیا تھا۔ اُسی دوران میں یہ بھی میں نے دیکھا کہ تین جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ ایک جھنڈا مشرق میں تھا، دوسرا مغرب میں اور تیسرا خانۂ کعبہ کی چھت پر نصب تھا''۔

آپ کا بیان ہے کہ درد کی شکایت کے باعث میری حالت عجیب وغریب تھی۔ اِسی اثناء میں کیا دیکھتی ہوں کہ چند عورتوں نے مجھے سہارا دیا ہوا ہے۔ وہ قطار اندر قطار میرے پاس آرہی تھیں اور میرے گھر میں اِس قدر عورتیں جمع ہوگئیں کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اِس غیبی بارات کی آمد پر وہ آقائے کائنات میرے بطن سے فضائے عالم میں رونق افروز ہوگئے۔ دنیا میں تشریف لاتے ہی آپ نے سجدہ کیا اور عجز و نیاز پیش کرنے کے ساتھ شہادت کی دونوں انگلیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ میں آپ کو اِس حالت میں تعجب کے ساتھ دیکھ رہی تھی کہ ایک سفید بادل نظر آیا، جو آسمان سے زمین کی جانب اُترا اور اُس نے آپ کو ڈھانپ لیا پھر مجھ سے غائب کر دیا۔ اِس کے بعد ایک ندا کرنے والے کی آواز سنی، جو کہہ رہا تھا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو زمین کے مشرق و مغرب کی سیر کراؤ اور تمام سمندروں کو آپ کی زیارت کے شرف حاصل کرنے کا موقع دو، تاکہ وہ آپ کو اوصاف اور صورت کے لحاظ سے پہچانیں اور جان لیں کہ آپ ماحی کے اسم سے موسوم ہیں، کیونکہ آپ کی بدولت شرک ایسا مٹے گا کہ اُس کا نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ سفید بادل ہٹ گیا اور آپ صوف کے سفید کپڑوں میں ملبوس آرام فرما تھے۔ اُس کپڑے کا رنگ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔ آپ کے نیچے سبز ریشم تھا اور ہاتھ میں تین چابیاں تھیں، جن کا رنگ موتیوں کی طرح چمکدار تھا۔ ایک شخص یہ منادی کر رہا تھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصرت، ذبح اور نبوت کی کنجیاں سنبھال لی ہیں۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ بناتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑنے لگتا تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس قسم کے معجزات صادر ہوئے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار جنگِ بدر میں ٹوٹ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں لکڑی مرحمت فرمائی جو کسی پودے کی جڑ تھی۔ وہ اُن کے ہاتھ میں لوہے کی ایک ایسی تلوار بن گئی جو سفید، مضبوط اور لمبی تھی اور وہ فرمانِ مصطفیٰ کے مطابق اُسی تلوار کے ذریعے معرکہ آراء رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین مرحمت فرمائی۔ وہ ایامِ ردّت تک اُسی تلوار کے ساتھ جنگوں میں حصہ لیتے رہے۔ جو بات اِس میں ہے کہ لکڑی کو لوہا بنا دیا اور وہ مدّتوں تلوار کی شکل میں کام دیتا رہا، وہی نوعیت اس جانب ہے کہ مٹی سے پرندہ بنا دیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں آپ کے ہاتھ میں سخت پتھروں سے اللہ جل شانہٗ کی تسبیح و تقدیس کے ترانے سننا، درختوں اور پتھروں کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا، درختوں کا آپ کے حکم پر جمع ہونا اور ایک دوسرے سے مل جانا یہ جملہ امور مردے زندہ کرنے اور مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اُڑا دینے کے مانند ہیں اِن معجزات کی نوعیت ایک ہی جیسی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اندھوں، بہروں اور کوڑھیوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست کر دیا کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ جنگِ اُحد کے دوران تیر لگنے سے باہر نکل آئی تھی۔ اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُس نکلی ہوئی آنکھ کو اُس کے مقام پر رکھ دیا اور وہی آنکھ اِس طرح کام کرنے لگی کہ کسی کو یہ شک بھی نہیں گزرتا تھا کہ اِن کی کون سی آنکھ متاثر ہوئی تھی۔ لُطف کی بات تو یہ ہے کہ اُس آنکھ کی بینائی دوسری سے بڑھ گئی۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حبیب بن خدیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُن کے والد محترم اُنہیں ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اُن کی آنکھیں بالکل سفید ہو چکی تھیں، جس کے باعث بینائی ختم ہو چکی تھی۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس کی وجہ دریافت فرمائی۔ عرض گزار ہوئے کہ میرا پاؤں ایک سفید سانپ کے اُوپر پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے میری بینائی جاتی رہی اور اُس وقت میں اپنے اونٹ کی ٹانگیں مل رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر دم کیا

تو بینائی لوٹ آئی۔ حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے والدِ محترم کو دیکھا کہ عمر کی اسّی منزلیں طے کر لینے کے باوجود بینائی کا یہ حال تھا کہ سوئی میں دھاگا ڈال لیا کرتے تھے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بدر کے روز مجھے تیر لگا، جس کے باعث میری ایک آنکھ باہر نکل آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پر لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی تو میری تکلیف بالکل جاتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں خیبر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن لگایا جبکہ وہ آشوبِ چشم تھے، تو فوراً تندرست ہو گئے اور اِس کے بعد کبھی یہ عارضہ پھر لاحق نہ ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بیمار اور مصیبت زدہ آتے تو آپ اُن کے حق میں دعا فرماتے اور اپنا دستِ شفقت اُن پر پھیرتے تو وہ تندرست ہو کر واپس لوٹتے تھے۔

بارگاہِ رسالت میں ایک بچہ لایا گیا جسے شیطان تنگ کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے خدا کے دشمن! دور ہو جا۔ فوراً اُس بچے نے قے کر دی اور ساتھ ہی وہ شرارتی جن پلّے (کتے کا بچہ) کی شکل میں نکل کر بھاگ گیا اور اُس بچے کی تکلیف دور ہو گئی حالانکہ وہ پرندے کے اُس بچے کی مانند ہو گیا تھا، جس کی علالت کے باعث بال بھی جھڑ گئے ہوں۔ پھر آپ نے اُس کے لیے دعا فرمائی تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی رسیوں سے باندھے ہوئے کو کھولا جا رہا ہو۔ ایسے کتنے ہی واقعات ہیں کہ بیماروں نے آپ کے ذریعے شفا پائی۔ جو بارگاہِ رسالت سے شفا کے طلب گار ہوئے اور اپنی تکلیف بیان کی، تو آپ اُن کے لیے دعا فرماتے اور وہ صحت و تندرستی سے ہمکنار ہو کر لوٹتے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابیض بن حمال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُن کے چہرے پر کوئی پھوڑا جیسی چیز تھی جس کے باعث اُن کی ناک بھی ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ کرم پھیرا تو اُن کے چہرے پر پھوڑے کا نشان تک نہ رہا۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز مجھے مہمان کی حیثیت میں ایسے لوگوں کے پاس ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، جن کے ہاں گوشت کی ہانڈی اُبل رہی تھی۔ مجھے اُس کی چربی بہت پسند آئی اور زیادہ مقدار میں کھا گیا۔ اِس کے بعد متواتر ایک سال تک بیمار رہا، تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں سات آدمیوں کی نظر لگی ہے۔ اِس کے بعد میرے پیٹ پر اپنا دست مبارک پھیرا تو مجھے سبز رنگ کی قے آئی اور تندرست ہو گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اُس روز سے

لے کر آج کے دن تک میرے پیٹ میں پھر کبھی درد نہیں ہوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ اِس سے بھی عجیب تر وہ واقعہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان کو بلند فرمایا اور معجزہ بھی ایسا جسے ایک پوری جماعت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یعنی آپ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی بکری کو زندہ کیا تھا نیز یہ معجزہ بھی عجیب ہے کہ آپ کے عہدِ مبارک میں ایک انصاری عورت کے لڑکے کو زندہ فرمایا گیا اِن کے علاوہ بھی حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ اور کئی واقعات احادیث سے پیش کیے ہیں، جو اِس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں دیتے تھے کیونکہ جو کچھ لوگ کھاتے تھے اور جو گھروں میں جمع کر کے رکھتے، وہ اُن کے متعلق بتا دیا کرتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو غیبی امور کے بارے میں خبریں دی ہیں وہ اِن سے زیادہ عجیب ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف اُن چیزوں کی خبر دیتے تھے جنہیں لوگ گھروں کی چار دیواری میں کھاتے پیتے تھے لیکن فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن چیزوں کی خبر بھی دے دیا کرتے تھے جو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے پر ہوں مثلاً آپ نے نجاشی کے وصال کی خبر دی نیز غزوۂ موتہ میں معرکہ آرائی کرنے والے سپہ سالاروں یعنی حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفرِ طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی خبریں دیں۔ جب کوئی شخص کچھ پوچھنے آتا تو آپ فرماتے: اگر تم چاہو تو میں بتا دوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ چنانچہ اِس قسم کے متعدد واقعات ہیں۔ منجملہ اُن کا ایک یہ واقعہ ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمیر بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا تھا کہ جنگِ بدر میں مشرکین کے سرداروں کی ہلاکت کے بعد، اُنہوں نے اور صفوان بن اُمیہ نے اِس بات پر اتفاق کیا تھا کہ وہ خفیہ طور پر بتھر کے ساتھ آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ جب عمیر نے یہ بات سنی تو مسلمان ہو گئے۔ غیب کی خبریں دینے کے بارے میں قرآن و حدیث کے کتنے ہی دلائل پیچھے گزر چکے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیر و سیاحت بھی کی تھی اور وہ جنگلات میں سفر کیا کرتے تھے، تو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کثرت کے ساتھ اِس سے عظیم سیاحت فرمائی اور وہ جہاد ہے۔ چنانچہ آپ نے دس سال کے عرصے میں کتنے ہی شہر اور دیہات طے کیے اور قبائل فتح فرمائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زاہد تھے۔ تھوڑی چیز پر قناعت کرتے اور معمولی شے سے بھی راضی ہو جایا کرتے تھے۔ جب تک اِس زمین پر تشریف فرما رہے تو بقدرِ کفایت چیز پر ہی گزارہ کرتے رہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ زاہد تھے۔ آپ کا دستر خوان خالی اُٹھایا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی تھی۔ فاقے کے باعث اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ آپ کا لباس اُون کا، بچھونا بکری کے چمڑے کا اور تکیہ بھی چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کا بورا بھرا ہوا ہوتا تھا۔ بعض اوقات دو تین مہینے تک آپ کے گھر میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔ بوقتِ وصال آپ کی زِرہ رہن رکھی ہوئی تھی حالانکہ:

وَلَمْ یَتْرُکْ صَفْرَآءَ وَلَا بَیْضَآءَ مَعَ مَا عُرِضَ عَلَیْهِ مِنْ مَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَ وُطِیَ لَهٗ مِنَ الْبِلَادِ وَمُنِحَ مِنْ غَنَائِمِ الْعِبَادِ فَکَانَ ﷺ یُقَسِّمُ فِی الْیَوْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَ اَلْفٍ وَیُعْطِی الرَّجُلَ مِاَةً مِّنَ الْاِبِلِ وَیُعْطِیْ مَا بَیْنَ الْجَبَلَیْنِ مِنَ الْاَغْنَامِ وَیَاْتِیْهِ السَّائِلُ فَیَقُوْلُ ﷺ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ مَا اَمْسٰی فِیْ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَاعٌ مِّنْ شَعِیْرٍ وَلَا مِنْ تَمْرٍ اَجُوْعُ یَوْمًا وَاَشْبَعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُ وَکَیْفَ لَا یَکُوْنُ کَذٰلِکَ مَنْ عَظَّمَ اللّٰهُ خُلُقَهٗ۔ (ص ۸۵)

"نبی کریم ﷺ نے سونے چاندی کا ترکہ نہیں چھوڑا حالانکہ آپ کے حضور زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی تھیں۔ آپ نے کتنے ہی شہروں کو فتح کیا اور وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت اور غلام ہاتھ لگتے۔ سرورِ دو عالم ﷺ ایک ہی روز میں تین ہزار تک تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ ایک آدمی کو آپ نے ازراہِ کرم ایک سو اُونٹ مرحمت فرما دیئے۔ آپ نے ایک آدمی کو اتنا بڑا ریوڑ عنایت فرمایا جس سے دو پہاڑیوں کے درمیان کی جگہ بھری ہوئی تھی۔ اگر کوئی سائل آتا تو شفیع المذنبین ﷺ فرماتے: قسم اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آلِ محمد کے گھر میں شام تک جَو یا کھجور کا ایک صاع بھی نہیں بچا۔ میں ایک روز بھوکا رہتا ہوں اور دوسرے روز سیر ہو کر کھا لیتا ہوں جب بھوکا رہتا ہوں تو بارگاہِ الٰہی میں عاجزی پیش کرتا ہوں اور جب شکم سیر ہوتا ہوں تو شکر بجا لاتا ہوں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں خُلقِ عظیم عطا فرمایا تھا"۔

چنانچہ اپنے حبیب ﷺ کے خُلق کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (القلم)

"اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے"۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اُٹھائے گئے، تو ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بوقتِ وصال اللہ جل شانہٗ نے یہ اختیار دیا تھا کہ دنیاوی اور اُخروی زندگی میں جسے چاہیں پسند کر لیا جائے۔ آپ نے دنیاوی زندگی پر اُخروی زندگی کو ترجیح دی۔ لیکن آپ کی روح مبارک کو قبض کرنے کے بعد اللہ رب العزت نے اپنے خاص قرب میں لے لیا۔ اگر آپ دنیوی بقا کو پسند فرماتے تو حضرت خضر، حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی طرح آپ بھی آسمانوں اور زمین میں رہتے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں مقیم ہیں اور حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام جہاں چاہتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جاتے رہتے ہیں۔

اِس کے علاوہ نبی آخرالزماں ﷺ کی اُمت سے ایک جماعت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمانوں پر اٹھایا گیا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ تھے، جب اُنہیں آسمان کی طرف اٹھایا جا رہا تھا تو لوگ اُنہیں دیکھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے تو اُنہیں دشمن کی مقبوضہ زمین میں دفن کر دیا گیا۔ صحابہ کرام نے اِس خوف سے کہ کفار اُن کی لاش کو جوشِ انتقام میں قبر سے نکال کر باہر پھینک دیں گے، اُنہیں دشمن کی مقبوضہ زمین سے منتقل کرنے کے لیے قبر کو کھولا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ معلوم نہیں وہ کدھر چلے گئے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُنہیں رسول اللہ ﷺ نے قریش کی جاسوسی کیلئے بھیجا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس ستون کے قریب پہنچا جس پر اُنہیں باندھ کر شہید کیا گیا تھا۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا لیکن میں ستون پر چڑھ گیا اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو کھولا تو وہ زمین پر گر گئے اور میں بھی ان کے قریب ہی گرا۔ اُٹھتے ہی میں نے لاش کی جانب دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا، گویا اُسے زمین نگل گئی کیونکہ آج کے دن تک حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کا کسی کو پتہ ہی نہیں لگ سکا۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مُشرکینِ مکّہ سے بنو حارثہ نے ایک لکڑی کے ستون کے ساتھ باندھ کر قتل کیا تھا۔ حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے پاس گئے اور اُنہیں کھولا، لیکن اِس کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ وہ گئے کدھر؟ اِس کے بعد اُن کی لاش کسی کو نہ مل سکی۔ اللہ تعالیٰ

اُن سے اور رسول اللہ ﷺ کے سارے ہی اصحاب سے راضی رہے۔(آمین)

اِس کتاب کا جامع فقیر یوسف نبہانی عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی تالیف حجة اللّٰه علی العالمین میں، جو معجزات سرورِ کائنات وسیّد المرسلین ﷺ کے بیان پر مشتمل ہے، مواہب لدنیہ مصنفہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کی جنس ہی سے ہیں۔ میں اُن بیانات کو اپنے لفظوں میں بلا کم وکاست بیان کرتا ہوں:

صحابۂ کرام سے لے کر اب تک کے اولیائے اُمّتِ محمدیہ کی کرامات کا اگر کوئی شخص تتبع کرے تو اس پر روشن ہو جائے گا کہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے ہر معجزے کی جنس سے یہاں اتنی کرامتوں کا وقوع نظر آئے گا، جن کو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اُن میں سے ہزاروں کرامتیں کتابوں میں مذکور ومحفوظ ہیں۔ لیکن یہ جمع شدہ کرامتیں غیر جمع شدہ کرامتوں کے مقابلے میں اُتنی ہی قلیل ہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ کیونکہ کرامتوں کا ظہور تو ہر جگہ اور ہر زمانے میں اولیاء اللہ سے ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا اور اولیائے اُمّتِ محمدیہ کی یہ جملہ کرامتیں ہمارے آقا ومولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے معجزات ہیں۔

کتاب حجۃ اللہ علی العالمین کی اشاعت کے بعد میں نے ایک اور جامع کتاب لکھی، جس کا نام میں نے جامعِ کراماتِ اولیاء رکھا ہے۔ پس بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں جو آگ میں کود ے لیکن اُن پر آگ نے ذرا بھی اثر نہ کیا، جیسے ابو مسلم خولانی تابعی رحمۃ اللہ علیہ۔ علاوہ بریں ایسے واقعات ہر زمانے میں بکثرت واقع ہوتے رہے ہیں حالانکہ دوسری جانب یہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔ بعض بزرگوں نے سمندر کو عبور کیا اور اُنہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بحرین پر حملہ کیا تو اُنہیں دریا کو بغیر کسی سہارے کے عبور کرنا پڑا، سارا لشکر پار ہو گیا اور ایک آدمی کا نقصان بھی نہیں ہوا اور نہ کوئی چیز ہی ضائع ہوئی۔ اِسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مدائنِ کسریٰ کو فتح کیا، تو اُنہوں نے بہت بڑے لشکر سمیت دریائے دجلہ کو عبور کیا، حالانکہ اُس میں سیلاب تھا اور دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا(1)۔ لیکن اُن کا کسی ایک چیز کا بھی نقصان نہیں ہوا۔ جب اہلِ فارس نے اُنہیں اِس طرح دریا عبور کرتے ہوئے دیکھا تو اُنہیں یہ یقین ہو گیا کہ ضرور یہ جنّات ہیں، انسان ہرگز نہیں اور اُن کا لشکرِ جرّار یہ کہتے ہوئے سر پر پیر رکھ کر بھاگ گیا

1۔ اسی لیے تو شاعرِ مشرق نے کہا ہے:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے ۔ بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

کہ ہم اِن کے ساتھ مقابلے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن کسریٰ پر قابض ہوگئے، حالانکہ یہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔ اِسی قبیل سے بعض اولیائے کرام کا پانی کی سطح پر زمین کی طرح چلنا پھرنا ہے اور ہر زمانے میں ایسے واقعات کثیر تعداد میں وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔

بعض اولیائے امتِ محمدیہ کے ہاتھوں مُردے زندہ ہونے کے واقعات بھی مشہور ہیں جیسا کہ متعدد علمائے کرام نے لکھا ہے۔ چنانچہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ (رسالہ قشیری) میں لکھا ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقاتِ کبریٰ میں سیّدی شیخ ابراہیم مقبول رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ فقراء سے اُن کے حالات دریافت کیا کرتے اور اُن سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ایسے شخص کو دیکھا جو بہت عبادت گزار اور نیکوکار تھا اور لوگ اُس کے بہت معتقد تھے۔ شیخ مقبول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ تم عبادت تو بہت کرتے ہو لیکن تمہارا درجہ بہت ناقص ہے، لیکن تمہارے والد محترم تو تم سے ناراض نہیں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں ایسی ہی بات ہے۔ شیخ نے فرمایا: تم اُن کی قبر پہچانتے ہو۔ اُس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: ہمارے ساتھ اُن کی قبر پر چلو، شاید وہ راضی ہوجائیں۔ شیخ یوسف کردی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، میں نے خود اُس کے والد کو دیکھا کہ وہ قبر سے باہر آئے اور سر سے مٹی جھاڑ رہے تھے، حالانکہ شیخ علیہ الرحمۃ نے ابھی آواز ہی دی تھی۔

شیخ مقبول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ فقراء آپ کے لڑکے کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہیں کہ آپ اِس سے راضی ہوجائیں۔ اُس کے والد نے جواب دیا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے لڑکے سے راضی ہوگیا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: تو اپنی جگہ واپس لوٹ جایئے۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا۔ اُس کی قبر راس حسینیہ میں جامع شرف الدین کے قریب واقع ہے، حالانکہ مُردوں کو زندہ کرنا سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اِس کے علاوہ خود نبی کریم ﷺ کا مُردے(1) زندہ کرنا ثابت ہے۔

اولیائے کرام کے ہاتھوں بیماروں کا شفا پانا اور اولیاء اللہ کا غیب کی خبریں دینا یہ بھی بکثرت اولیائے کرام سے ہر جگہ اور ہر زمانے میں واقع ہوتا رہا ہے حالانکہ یہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے مشہور

1۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے:۔

جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات　　ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

ہے۔ اِسی طرح بعض اولیاء اللہ جب ارادہ کرتے تو اُن کے ہاتھوں میں لوہا نرم ہو جایا کرتا تھا۔ منجملہ اُن کے اِس زمانے میں والیِ کبیر، مشہور بزرگ، شیخ علی عمری شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو طرابلس شام میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر دراز کرے نیز ہمیں اور سب مسلمانوں کو اُن سے نفع حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (وہ ۱۳۲۱ھ میں فوت ہوئے) میں (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے بچشم خود دیکھا ہے کہ وہ دائیں ہاتھ سے لوہے کی بڑی چابی کو پکڑ کر اُنگلی سے لپیٹ لیا کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ میں نے اُن کی یہ کرامت اور بھی کتنے ہی ثقہ حضرات سے سُنی ہے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ایسے واقعات دیکھے تھے۔

اُنہوں نے شیخ علی عمری شامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ چاندی کو بھی لوہے کی طرح ہی جدھر چاہتے توڑ مروڑ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ریال مجیدی یا اُس جیسے دوسرے کسی سکّے کا ایک کنارہ کسی کے منہ پر رکھتے اور دوسرے سرے کو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کی ذراسی حرکت سے یوں بآسانی دوہرا کر دیتے جیسے وہ آٹے سے بنایا گیا ہے۔ پھر اُسی حالت پر اُسے رہنے دیتے اور وہ شخص اُسے تبرک کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھتا تھا۔ میں نے خود اور دیگر مختلف حضرات نے اُن کی متعدد کرامتیں دیکھی ہیں، جن میں سے بعض کا وقوع ہم نے اولیائے ماسبق سے سنا ہے اور بعض کا واقع ہونا سنا بھی نہیں ہے۔ اگر شیخ موصوف کی کرامتیں بیان کی جائیں تو اُن کا شمار ہزاروں تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی برکات سے ہمیں دنیا و آخرت میں لطف اندوز کرے۔ اِس میں شک نہیں کہ لوہے کا نرم کرنا سیّدنا داوٗد علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔

بعض اولیائے کرام صاحبِ خطوہ ہوتے ہیں، جو ذراسی دیر میں مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ طے کرلیا کرتے ہیں۔ بعض ہوا میں اُڑتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے جنّات تابع ہوتے ہیں۔ یہ تینوں قسم کی کرامتیں ایسی ہیں کہ اولیائے امتِ محمدیہ سے اِن کا وقوع اِس کثرت سے ہوا ہے جن کے بیان سے بے شمار کتابیں بھری پڑی ہیں حالانکہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشہور معجزے ہیں۔

اگر ہر نبی اور رسول کے معجزات کو شمار کرو اور اولیائے اُمتِ محمدیہ کی کرامتوں کو اُن کے بالمقابل رکھو تو صاف نظر آئے گا کہ اُن میں کمال درجہ مطابقت ہے۔ یہ جان لینے کے بعد فخرِ دوعالم ﷺ کے علیحدہ علیحدہ ہر معجزے کی اُن کے ساتھ مطابقت دکھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

امام خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور اُس نے اُنہیں نہ جلایا اسی طرح فخرِ دوعالم ﷺ بھی کفار کے ساتھ جنگ و جدل کی آتشِ شعلہ بار

سے دو چار ہوئے لیکن وہ آپ کو جلا نہ سکی۔ اُن کی تفصیلات میں جانے کی یہاں حاجت نہیں ہے کیونکہ یہاں تو اولیائے امتِ محمدیہ سے بھی اس قسم کے بے شمار واقعات ظہور پذیر ہوئے بلکہ عوام تک سے جو سیّد احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہیں اور یہ شیخ موصوف ہی کی کرامت ہے۔

لیکن میں (علاّمہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) دوسرے اعتبار سے کہتا ہوں کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کو دیگر انبیائے کرام پر فضیلت دینے میں اِس بات کی ضرورت ہی کیا ہے کہ آپ کے معجزات دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ سیّد المرسلین ﷺ کی فضیلت اُن پر اور ساری مخلوق پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ اِس امر کے دلائل اتنے کثیر اور واضح ہیں کہ اہلِ علم اور صاحبِ بصیرت کو اِنکار کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی افضلیت ایسی واضح ہے کہ ایک عام مسلمان جسے انبیاء و مُرسلین کے حالات و کمالات اور اُن کی شرائع کی معرفت حاصل ہے، وہ بھی اس سے بے خبر نہیں اور اس کے سامنے بھی اس حقیقت کے بے شمار دلائل موجود ہوں گے۔

دیگر انبیاء و مرسلین سے اُن معجزات کا ظہور ہوتا تھا، جو اُن کے زمانہ والوں کے حال کے مناسب ہوتا تھا، جن کی جانب اُنہیں مبعوث فرمایا جاتا تھا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بہت زور تھا، آپ کے لیے ایسا ہی معجزہ درکار تھا جس کے باعث جادوگروں کو مغلوب کر سکیں اور اُس کی بدولت جادوگروں سے ممتاز ثابت ہوں، چنانچہ آپ کو عصا مرحمت فرمایا جو اژدہا بن جاتا تھا اور مقابلے کے وقت وہ ساحروں کی ساری رسیّوں کو نگل گیا، جو لوگوں کی نگاہوں میں چلتے پھرتے سانپ معلوم ہوتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں پر علمِ طب کی معرفت کا غلبہ تھا۔ چنانچہ آپ کو ایسا ہی معجزہ ملنا چاہیے تھا، جس کے وقوع کا کوئی بڑے سے بڑا ماہرِ طب تصور بھی نہ کر سکے، چنانچہ آپ کو مُردے زندہ کرنے اور کوڑھیوں، مادر زاد اندھوں کو شفا دینے کا معجزہ مرحمت ہوا۔

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے جو معجزات کسی سبب کی مناسبت سے واقع ہوئے اُن میں سے بعض سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہیں کہ اُن پر آگ سرد اور سلامتی والی کر دی گئی جبکہ دشمنوں نے اُنہیں آگ میں ڈالا تھا۔ اِس معجزے کے وقت کفار کا مقصد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا تھا۔ اگر ہم ایسے ہی معجزے کا سرورِ کون ومکاں ﷺ کے لیے بھی اثبات کریں تو ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ آپ پر بھی آگ سلامتی والی سرد ہوئی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی باتوں کا وقوع تو اُمتِ محمدیہ کے بکثرت اولیائے کرام تک سے ہوا ہے جیسا کہ اِس سے پہلے مذکور ہوا۔

ایسے معجزات میں سے بعض سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں کہ اُن کے لیے سمندر کھل گیا تھا۔ یعنی اپنے لشکر سمیت فرعون اُن کا تعاقب کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سمندر کو پھاڑ کر راستے بنا دیے تاکہ وہ اپنی قوم سمیت دشمن سے نجات پا جائیں۔ اگر اِسی قسم کا معجزہ نبی کریم ﷺ کے لیے ثابت کرنا ہوگا تو ایسے ہی واقعے کا صدور دکھانا ہوگا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِس طرح کی مدد تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کی اُمت کے اولیائے کرام تک کی فرمائی ہے۔ صاحبِ مواہب نے جو نقل کیا ہے اُدھر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اُنہوں نے نقل کیا ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے معراج کی رات زمین و آسمان کے درمیان ملفوف نامی سمندر کو عبور کیا اور اِسے موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی مثل قرار دیا ہے۔ صحیح مطابقت میں یہ واقعات مذکور ہو چکے کہ حضرت علاء حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر سمیت سمندر کو عبور کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کو لے کر بغیر کسی معمولی نقصان کے دریائے دجلہ کو عبور کر گئے۔ یہ کرامتیں واقعی انفلاقِ بحر (سمندر پھٹنے) کے معجزے کی طرح ہیں۔

اِن معجزات میں سے بعض اور بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں مثلاً جب اُن کی قوم کو پانی کی حاجت ہوئی اور کہیں پانی نہ ملا تو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا اور اُس سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے تھے۔ اِس جیسا بلکہ اِس سے بھی عظیم معجزہ نبی کریم ﷺ سے مختلف صورتوں میں متعدد بار ظاہر ہوا، جن کا وقوع مختلف اوقات اور مختلف جگہوں پر ہوا، جیسا کہ صلح حدیبیہ اور جنگِ تبوک کے مواقع پر ایسے معجزات کا صدور ہوا۔ ہم اُن کی تفصیل مناسب مقام پر پیش کریں گے۔ علاوہ بریں بعض اوقات تھوڑے پانی میں لعابِ دہن ڈال دیتے تو اللہ تعالیٰ اُس پانی میں اِتنی برکت پیدا کر دیتا کہ وہی پانی ایک بہت بڑے لشکر کے لیے کافی ہو جاتا اور کبھی مسلمانوں کو تیر مرحمت فرما دیتے کہ اُسے خشک چشمے پر رکھ دیا جائے تو اُس چشمے سے پورے جوش و خروش کے ساتھ پانی نکلنا شروع ہو جاتا تھا اور کبھی اپنے دستِ کرم کو پیالے میں رکھتے، جس میں تھوڑا سا پانی ہوتا تو آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کے چشمے اُبل پڑتے، یہاں تک کہ خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوتے لیکن پانی کافی ہو جاتا(1)۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے عظیم تر ہے کیونکہ پتھر سے پانی کا جاری ہونا پھر عادی ہے اگرچہ معجزے کی صورت کے لحاظ سے اِس کی نوعیت ہی

1۔ اِسی لیے مجدّد دمأتہ حاضرہ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؂

اُنگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر　　ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

مختلف ہے لیکن انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا تو بالکل ہی عادی نہیں ہے۔

اِن میں سے بعض معجزات سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے جیسا کہ وہ بیماروں کو شفا دیتے ہیں۔ چنانچہ اِس قسم کے معجزات سرورِ انبیاء ﷺ سے بکثرت ظہور پذیر ہوئے، جو حد و شمار سے باہر ہیں۔ اِن کا تفصیلی بیان بھی عنقریب آگے آئے گا بلکہ بیماروں کو تندرستی دینا تو اولیائے امتِ محمدیہ سے ہر زمانہ اور ہر مقام پر واقع ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اِن میں سے جو شیخ علی عمری رحمۃ اللہ علیہ سے واقع ہوئے ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اُن کا شمار کیا جائے تو مختلف بیماریوں کے باعث وہ ہزاروں کی تعداد کو پہنچتے ہیں۔ اگر ایک قلیل عرصے کے لیے بھی کسی کو اُن کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا تب بھی یہی سامنے آتا کہ بے شمار مریض آپ کے باعث شفایاب ہو رہے ہیں حالانکہ اِس کے علاوہ اور متعدد قسم کی کرامتوں کا ظہور اُن سے دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے فیوض و برکات سے بہرہ مند کرے۔ (آمین)

اِن میں سے بعض معجزات سیّدنا سلیمان علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہیں، جیسا کہ جنّ اُن کے تابع تھے اور یہ اُن کے ملک کی قوت و شوکت کی مناسبت کے لحاظ سے تھا۔ یہ شرف اُنہیں باری تعالیٰ نے مرحمت فرمایا تھا جبکہ نبی آخرالزماں ﷺ کے لیے بھی یہ معجزہ ثابت ہے کہ جنّ آپ ﷺ کے تابع فرمان تھے۔ جنّوں کی بھاری تعداد آپ پر ایمان لائی اور طاعت گزاری پر کمر بستہ رہی، علاوہ ازیں آپ کی امت کے اولیائے کرام جب چاہیں جنّات سے خدمات لیتے ہیں بلکہ سیّد المرسلین ﷺ کی خدمت گزاری کا تو فرشتے بھی شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ جنگِ بدر اور دیگر مواقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر بھیج کر آپ کی مدد فرمائی۔ اُن خدمت گزار فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی مرحمت ہوا تھا کہ ہوا اُن کے تابع فرمان کر دی گئی تھی کہ اُس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل بھی ایک مہینے کی راہ ہوا کرتی تھی۔ یہ بھی آپ کی مملکت کی شان و شوکت کے لیے تھا، جس کے ذریعے اللہ جل شانہٗ نے آپ کو فضیلت بخشی تھی۔ لیکن اِس سے بھی عظیم تر معراج کی رات کا واقعہ ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ ایسا معجزہ ہے جس کے ساتھ دیگر انبیاء کے کسی بھی معجزے کو کوئی نسبت نہیں۔ چنانچہ آپ کو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک، وہاں سے آسمانوں تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے لامکان تک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سَیر کرائی، جس کے بارے میں سَیر کرانے والے اور سَیر کرنے والے کے

سوا اور کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ پھر رات کے قلیل عرصے میں واپس تشریف بھی لے آئے۔ کفار مکہ کو بیت المقدس کی تفصیلات بھی بتائیں، اُن کے قافلے کا ذکر بھی فرمایا، جو راستے میں ملا تھا، چنانچہ آپ کی یہ خبر واقعات کے مطابق ہی ثابت ہوئی۔ حالانکہ اہلِ مکہ جانتے تھے کہ اِس سے پہلے آپ کبھی بیت المقدس نہیں گئے تھے۔ (اِن حالات میں وہ انکار کی گنجائش نہیں پاتے تھے)

رہا یہ معجزہ کہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم ملک عطا فرمایا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم، نور مجسّم، فخرِ دو عالم ﷺ کو اختیار دیا تھا کہ وہ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا نبی عبد۔ آپ نے نبی عبد ہونے کو پسند فرمایا تھا۔ ایک فرشتے نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ تہامہ کی پہاڑیوں کو آپ کے لیے سونا بنا دیا جائے؟ آپ نے انکار فرما دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ سے اِس معجزے کی مناسبت کے لحاظ سے متعدد معجزات وقوع پذیر ہوئے، جن کا عنقریب ذکر ہوگا۔ (اِنشاءاللہ تعالیٰ)

سرورِ کون و مکاں ﷺ کے ایسے معجزات سے ایک یہ ہے کہ آپ نے جب ہجرت فرمائی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ غارِ ثور میں آرام فرما ہوئے تو غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ جب قریش کے جوان (تلاش کرنے والے) وہاں پہنچے تو غار میں داخل نہ ہوئے۔ اُن میں سے ایک شخص نے کہا مکڑی کا یہ جالا تو غار کے منہ پر اُن کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے اور اِس طرح نا اُمید ہو کر واپس لوٹ گئے۔ نبی کریم ﷺ اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر چل پڑے تو سراقہ بن مالک آپ کے پیچھے لگ گیا، تاکہ گرفتار کر کے قریش کے حوالے کرے اور انعام کے سو اونٹ حاصل کرے۔ جب آپ کے قریب پہنچا تو اُس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور وہ فریاد کرنے لگا۔ آپ نے دعا کی تو خلاصی پاتے ہی لوٹا اور سیدھا اپنے گھر جا پہنچا۔

اِس کے بعد آپ نے اُمِ معبد کے خیمے میں قدم رنجہ فرمایا، تو اُس کے گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ مہمان نوازی کا فریضہ ادا کرتی۔ اُس کے پاس صرف ایک بکری تھی جو بے حد کمزور ہو چکی تھی اور کمزوری کے باعث اُس کا دودھ خشک ہو گیا تھا اور باہر جانے سے بھی عاجز تھی۔ آپ نے اُس بکری کا دودھ دوہا، جو آپ، ابوبکر صدیق اور دوسرے ساتھیوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اِس کے بعد دوسرے برتن میں دوہا اور اُسے بھی دودھ سے بھر دیا اور اُسے اُمِ معبد کے حوالے کر کے آپ سرگرمِ سفر ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ نے بعض لڑائیوں میں کنکریاں اور مٹھی بھر مٹی پھینکی، جو اُن سب تک پہنچی اور وہ

شکست کھا کر بھاگ گئے۔ صحابۂ کرام کے کھانے پینے کی چیزوں میں بوقتِ ضرورت آپ کی بدولت اِتنی برکت ہو جایا کرتی تھی کہ وہی چند افراد کی ضرورت کا کھانا ہزاروں کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی زخم ہوتا یا پنڈلی ٹوٹ گئی ہوتی یا آنکھیں درد کرتی ہوں اور اُن سے پیپ بہتی ہو یا کسی کی آنکھ اُس کی جگہ سے نکل جاتی اور آپ اُس پر اپنا دستِ کرم پھیرتے تو تکلیف اور شکایت دور ہو جاتی۔ اِسی طرح حالات کے مطابق آپ سے غیب کی خبریں واقع ہوتی رہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بعض معجزات کا دیگر انبیائے کرام سے صادر ہونا اور اُن جیسے معجزات فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اگر ظاہر نہ ہوں تب بھی اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن حضرات کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فضیلت و سیادت حاصل ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ یہ نظریہ آپ کے مِنْ کُلِّ الْوجوہ فضائل و کمالات کے عقیدے کا خلاف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جس معجزے کا کسی نبی سے صدور ہوا اُس کا مقتضٰی فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں پایا ہی نہ گیا ہو اور اِس طرح بعینہٖ اُس معجزے کے صادر ہونے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا اور اُن کی خاطر سمندر کا پھٹ جانا اور صالح علیہ السلام کی قوم کے مطالبے پر پتھر سے اونٹنی کا پیدا ہو جانا، اِن کا مقتضٰی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک عہد میں پایا ہی کب گیا؟ لیکن دوسری جانب اِن سے بھی عظیم تر معجزات کا آپ سے وقوع ہو گیا۔

کفار کا آپ سے انشقاقِ قمر (چاند کا پھٹنے) کا مطالبہ کرنا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، یہ ایسا معجزہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات میں قطعاً اِس کی نظیر نہیں پائی جاتی چہ جائیکہ آپ کے عظیم ترین معجزہ یعنی قرآنِ کریم کی نظیر پائی جائے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا جبکہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کا آج نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایسے معجزات بھی کثرت سے صادر ہوئے کہ اُن جیسے معجزات کا کسی نبی سے صدور نہیں ہوا بلکہ آپ کی اُمت کے بعض اولیائے کرام سے ایسی عظیم کرامتیں بھی ظہور میں آئی ہیں کہ معجزے کے طور پر اُن کا وقوع دیگر انبیائے کرام سے نہیں ہوا۔ نہ اُن کی مثل اور نہ اُس جنس سے۔ لیکن اِس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جن اولیائے عظام سے ایسی کرامتوں کا وقوع ہوا، ایسے حضرات کو اُن انبیاء و مرسلین پر فضیلت حاصل ہو جائے جن سے اِن کرامتوں جیسے معجزات کا صدور نہیں ہوا اور اولیائے کرام پر رسولوں کو جو افضلیت حاصل ہے اس میں ایسے معجزات کے صادر نہ ہونے کے باعث کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اِس کے متعدد وجوہ ہیں:

پہلی وجہ

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفضول سے وہ کام صادر ہو گیا جس کے صدور کی افضل کو ضرورت پیش نہ آئی۔

دوسری وجہ

اِس اُمت کے اولیائے کرام کی تمام کرامتیں ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزات ہیں۔ اِس صورت میں سب پر حقیقی افضلیت فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو حاصل ہے اور اُمتِ محمدیہ کے ایسے اولیاء اللہ کو بالتبع ایک گنا فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

تیسری وجہ

جس مناسبت کے باعث کسی ولی سے ایسی کرامت کا صدور ہوا وہ مناسبت یا ضرورت اُس نبی کے زمانے میں پیش آتی تو عین ممکن ہے کہ نبی سے معجزے کی صورت میں وہی کچھ ظاہر ہوتا بلکہ اِس سے عظیم تر۔

چوتھی وجہ

جملہ اولیائے کرام پر ہر نبی کو جو فضیلت حاصل ہے وہ دوسرے فضائل اور دلائل کے لحاظ سے ہے۔ اگر ایک فعل بطور کرامت ولی سے صادر ہوا اور اُس کا صدور نبی سے نہیں ہوا تو نہ سہی، فضیلت کا انحصار صرف کرامت ہی پر نہیں ہے۔ بعینہٖ یوں سمجھئے کہ بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو دیگر انبیاء و مرسلین سے صادر ہوئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کا صدور نہیں ہوا، کیونکہ جس مناسبت کے لحاظ سے اُن حضرات سے ایسے معجزات کا صدور ہوا وہ مناسبت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نہ پائی گئی اگر وہ مناسبت پائی جاتی تو یقیناً آپ سے بھی اُن معجزات کا صدور ہوتا بلکہ اُن سے بھی عظیم تر صورت میں وقوع ہوتا۔ جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بکثرت معجزات اِسی عدمِ مناسبت کے باعث دوسرے انبیائے کرام سے صادر نہیں ہوئے۔

اِس تقریر سے واضح ہو گیا کہ بعض معجزات کا دیگر انبیائے کرام سے صادر ہونے اور ہمارے اور ساری کائنات کے آقا و مولیٰ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کا صدور نہ ہونے کے باعث آپ کی افضلیت پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ اِس سے کوئی حرج واقع ہوتا ہے کیونکہ دیگر انبیاء و مرسلین کے سارے معجزے بھی اگر اکٹھے کر لیے جائیں تو یہ مجموعہ بھی آپ کے اکیلے معجزۂ قرآنِ مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ تنہا قرآنِ مجید ہی ہزار ہا معجزات، آیاتِ بیّنات، علومِ نافعہ، انوارِ ساطعہ، اور ہر اُس معرفت کا

حامل ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی یا دور پھینک دیتی ہے۔ علاوہ بریں یہ ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور مسلمان اس سے ہمیشہ نفع حاصل کرتے رہیں گے کیونکہ اِس کی تلاوت بھی عبادت ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قرب میں لے جاتی رہتی ہے اور اِس کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔

مذکورہ بحث کی کتابت کے دو ماہ بعد میں (علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب الابریز کے چوتھے باب میں شیخ عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام اپنے مندرجہ بالا بیان کی تائید میں پڑھا۔ اُن کے شاگرد علامہ احمد بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روز میں آپ سے گفتگو میں مصروف تھا، تو میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جنوں، انسانوں، شیاطین اور ہوا پر تسلّط دیا تھا اور میں نے یہ بھی کہا کہ اُن کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسا معجزہ مرحمت ہوا کہ لوہے کو اُن کے ہاتھوں میں ایسا نرم کر دیا کہ آٹے کی طرح جدھر چاہتے پھر جاتا نیز یہ ذکر بھی کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا کمال معجزہ ملا کہ وہ بہروں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو بھی زندہ کر دیا کرتے تھے اور اِسی طرح بعض دیگر انبیائے کرام کے معجزات کا تذکرہ کیا۔ شیخ موصوف نے میری گفتگو کا ماحصل اور مرکزی خیال یہی قرار دیا کہ جب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیائے کرام سے افضل ہیں تو آپ سے اُن معجزات کا صدور کیوں نہ ہوا؟ کیونکہ جو دوسرے بے شمار معجزات آپ سے ظاہر ہوئے وہ دوسری نوعیت کے ہیں۔

شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک مرحمت فرمایا گیا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے جو مسخّر کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو اکرام ہوا، اللہ تعالیٰ نے یہ سب اور اِس سے بھی زیادہ اُمّتِ محمدیہ کے اہلِ تصرف حضرات کو مرحمت فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِن کے لیے جن، انسان، شیاطین، ہوا اور فرشتے بھی مطیع کر دیئے بلکہ جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ اِن کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور اِنہیں بہروں، کوڑھیوں کو شفا دینے اور مُردے زندہ کرنے کی طاقت بھی مرحمت فرمائی ہے لیکن یہ غیبی امر ہے جو چھپا ہوا ہے اور مخلوق میں عام ظاہر نہیں ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اِس پر ٹوٹ پڑیں اور اِس طرح اپنے رب کو بھلا بیٹھیں۔ اہلِ تصرف کو یہ قدرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ جملہ کرامتیں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے معجزات ہیں۔ حجۃ اللہ علی العالمین سے میری عبارت ختم ہوئی۔ اب میں صاحبِ عنوان کا باقی کلام نقل کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ:

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ کے پینتیسویں باب میں، جس پر وہ اِس

کتاب کو ختم کرتے ہیں، سرورِ کون و مکاں ﷺ کے اخلاقِ کریمہ، عادات شریفہ اور سیرتِ طیبہ کا ذکر کیا ہے، جو ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ یہ حدیث شمائلِ ترمذی میں بھی موجود ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے فرموداتِ گرامی کے تحت اِس کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس لیے طوالت کے خوف سے یہاں اُسے نقل نہیں کیا جاتا۔ علاوہ بریں تکرار کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اُنہوں نے آگے فرمایا ہے:

شمائلِ رسول

اُس دستِ قدرت کے شہکار کا رنگ بالکل سفید نہ تھا اور نہ گندمی، بلکہ آپ پھول کی مانند کھلے ہوئے رنگ والے تھے جسے ازہر کہتے ہیں اور یہ ایسا سفید و سرخ ہوتا ہے جس میں زردی کی ملاوٹ نہ پائی جائے جو علامتِ مرض ہے۔ اکثر حضرات نے آپ کی رنگت یہی بیان کی ہے لیکن یہ جسمِ اطہر کے اُن حصوں کا رنگ ہے جو عموماً کھلے رہتے ہیں اور جنہیں سورج کی روشنی اور ہوائیں بلاواسطہ پہنچتی رہتی ہیں، اُن کی رنگت واقعی سُرخی مائل تھی لیکن جو حصے عموماً لباس میں ڈھکے رہتے ہیں وہ سرخ و سفید تھے۔ جن حضرات نے بھی حسن مصطفیٰ کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کی اُنہوں نے آپ کا رنگ سفید ازہر ہی بیان کیا ہے۔ پس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جن حضرات نے آپ کا رنگ سفید ازہر بتایا اُن کی مراد اُن حصوں کا رنگ ہے جو عموماً کپڑوں میں ڈھکے رہتے ہیں اور اِس لحاظ سے وہ درست ہی کہتے ہیں لیکن جن حضرات نے سُرخی مائل رنگ بتایا ہے، اُن کی مراد وہی ظاہر حصے ہوں گے جن پر سورج کی کرنیں براہِ راست پڑتی ہیں اور جنہیں کھلی ہوا لگتی رہتی ہے اور اس لحاظ سے اُن حضرات نے بھی درست فرمایا ہے کیونکہ آپ کا اصل رنگ، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں وہ ازہر ہی تھا اور ظاہر حصوں کا سرخی مائل ہونا خارجی اثرات یعنی دھوپ اور ہواؤں کے باعث تھا۔ (فَسُبْحَانَ اللّٰهِ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ)

آپ کے چہرۂ انور کا پسینہ موتیوں کی طرح معلوم ہوتا تھا، جس میں تیز خوشبودار مُشک سے بھی زیادہ مہک تھی۔ بال لمبے اور خم دار، نہ بالکل سیدھے اور نہ ایک دوسرے میں اُلجھے ہوئے۔ جب شانہ کیا ہوا ہوتا تو مانگ اِس طرح نظر آتی جیسے ریتلی زمین میں راستہ واضح دکھائی دیتا ہے یا جیسے سخت پتھریلی زمین میں اُبھری ہوئی جگہ صاف نظر آتی ہے اور ہوائیں اُس سے اٹھکھیلیاں کرتی ہیں۔ شانہ فرماتے تو بال ایک دوسرے سے گتھ جاتے اور اِس طرح گھیرا کر لیتے جیسے انگوٹھی کے گھیرے ہوتے ہیں۔ شروع میں آپ بالوں کو آگے کی جانب لٹکا لیا کرتے تھے........ یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام کی گزارش پر بالوں کو پیچھے کی جانب کرنا شروع کر دیا جو بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے تھے

اور کبھی کانوں کی لَو تک۔ بعض اوقات آپ بالوں کے چار حصے کر لیتے۔ دو حصے دائیں گوش مبارک کو اور دو حصے دوسرے گوشِ اقدس کو گھیرے میں لے لیتے لیکن دونوں لعلِ سماعت کے کان باہر نکلے ہوئے ہوتے اور دیکھنے والا یوں محسوس کرتا جیسے بادلوں کی سیاہی کے اندر سے چمکدار ستارے نظر آ رہے ہیں۔ آپ کی ہر دو کنپٹی مبارک پر چند بال سفید تھے اسی طرح ریش مبارک میں ٹھوڑی کے گرد چند مُوئے مبارک سفید تھے، جن کی سفیدی چاندی کے تاروں کی مانند تھی، جن کا سیاہ بالوں کے درمیان میں چمکنا ایک نرالا اور دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ جب آپ زرد خوشبو استعمال کرتے اور عموماً آپ یہی خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے تو آپ کے سفید بالوں پر سنہری دھاریوں کا گمان گزرتا تھا۔

آپ کا چہرۂ انور تمام لوگوں سے خوبصورت اور رنگ سب سے چمکدار تھا کوئی واصف رُخِ مصطفیٰ کو چاند سے تشبیہ دیئے بغیر نہ رہ سکا جبکہ بعض تو چودھویں رات کے چاند سے بھی خوشنما اور بارونق قرار دیتے تھے(1)۔ اور ایسا کیوں نہ کہتے جبکہ وہ چہرۂ انور چاند کی طرح ہی چمکتا تھا۔ آپ کی رضا و رغبت کو چہرے ہی سے پہچانا جا سکتا تھا۔ جب آپ خوش و خرم ہوتے تو چہرۂ پُرنور آئینے کی طرح چمکتا اور جب ناراض ہوتے تو رُخِ مصطفیٰ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آنکھیں سُرخ ہو جاتیں۔ رضامندی کی حالت کا نقشہ آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں کھینچا ہے:

اَمِیْنٌ مُصْطَفٰی لِلْخَیْرِ یَدْعُوْا   کَضَوْءِ الْبَدْرِ زَایَلَهُ الظَّلَامُ

"وہ امین، ساری مخلوق سے چنے ہوئے اور بھلائی کی جانب بلانے والے ہیں۔ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح اندھیروں کو زائل کرنے والے تھے"۔

لوگ جب اِس شعر کو سنتے تو یہی کہتے کہ فخرِ دو عالم ﷺ واقعی ایسے ہی تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اکثر اوقات زہیر بن ابی سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ شعر وردِ زبان رکھتے:

لَوْ کُنْتَ مِنْ شَیْءٍ سِوٰی بَشَرٍ   کُنْتَ الْمُنَوَّرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ

"اگر آپ بشر کے سوا کوئی اور چیز ہوتے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح منوّر ہوتے"۔

جو شخص بھی اِسے سنتا تو کہتا کہ واقعی سرورِ کون و مکاں ﷺ ایسے ہی تھے۔ جب آپ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے گریہ وزاری کرتے ہوئے کہا:

اَعِیْنِیْ جَوْدَیْ بِالدُّمُوْعِ السَّوَاجِمِ   عَلَی الْمُصْطَفٰی کَالْبَدْرِ مِنْ اٰلِ هَاشِمِ

1۔ اسی لیے مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

گو ترقی پہ جمالِ مہِ کامل ہووے   منہ تو دیکھوں کہ ترے منہ کے مقابل ہووے

عَلَى الْمُصْطَفٰى لِلْبِرِّ وَالْعَدْلِ وَالتُّقٰى وَلِلدِّيْنِ وَالدُّنْيَا مُقِيْمُ الْمَعَالِمِ
عَلَى الصَّادِقِ الْمَيْمُوْنِ ذِى الْحِلْمِ وَالنُّهٰى وَذِى الْفَضْلِ وَالدَّاعِىْ لِخَيْرِ التَّرَاحِمِ

''اے میری دونوں آنکھو! مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فراق میں بہنے والے آنسوؤں کے ساتھ میری مدد کرو کیونکہ وہ قبیلۂ ہاشم کے چاند تھے۔

☆ اُس مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو بھلائی، انصاف اور پرہیزگاری کی حدود کو دین اور دنیا کے لیے قائم کرنے والے تھے۔

☆ اُس صادق اور بابرکت پر جو تحمل والا، عقلمند، صاحبِ فضل و کرم اور بہتر ہمدردی کی طرف بلانے والا ہے''۔

آپ کی پھوپھی نے بدر کے ساتھ ہی آخر الزماں ﷺ کو تشبیہ دی اور اُسی طرح آپ کی تعریف و توصیف کی جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے لوگوں کے دلوں میں اپنے حبیب ﷺ کی محبت رکھی ہوئی ہے حالانکہ وہ اپنی قوم کے دین پر تھیں۔

نبی کریم ﷺ کی پیشانی مبارک روشن تھی اور رات کے اندھیرے میں جب وہ بالوں کے اندر سے دکھائی دیتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے سورج ہے جس سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ رخسار مبارک صاف تھے، جن پر گوشت کم یا زیادہ نہ تھا۔ چہرۂ مبارک نہ لمبا تھا اور نہ بالکل گول۔ ریش مبارک بھاری تھی۔ ٹھوڑی کے بال اُبھرے ہوئے تھے، گویا اُس کے اردگرد دونوں جانب موتیوں کی سفیدی تھی۔ گردن مبارک سب لوگوں سے خوبصورت تھی جو بالکل مناسب تھی اسے نہ لمبی کہا جا سکتا نہ کوتاہ۔ گردن کا ظاہری حصہ یوں محسوس ہوتا کہ چاندی ہے جس میں سونے کی ملاوٹ ہو۔ اُس میں چاندی سونے جیسی دمک تھی کیونکہ چاندی کی سفیدی اور سونے کی سرخی اپنی نیرنگیاں دکھاتی تھی جبکہ گردن مبارک کا ملبوس حصہ چاند کے مانند تھا۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ کا سینۂ بے کینہ جو علوم و معارفِ الٰہیہ کا گنجینہ تھا۔ وہ کشادہ تھا۔ گلے کے نیچے سے ناف تک بالوں کی دھاری تھی۔ جو ناف کو گلے سے ملاتی تھی۔ اِن کے علاوہ آپ کے سینۂ اقدس یا شکم مبارک پر اور کسی جگہ بال نہیں تھے۔ آپ کی ہتھیلیاں کشادہ اور انگشت ہائے مبارک لمبی تھیں، گویا وہ چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ ہتھیلیاں ریشم سے زیادہ نرم اور ملائم تھیں، جن کی مہک کو دیکھ کر یہی گمان گزرتا تھا کہ شاید کسی عطار کی ہتھیلیاں ہیں آپ خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے، ہر حالت میں یہ اِسی طرح عطر بیزی اور عطر ریزی کا کام کرتی رہتی تھیں۔ اگر کوئی شخص مصافحہ کرتا تو اُس کے ہاتھ بھی

خوشبودار ہو جاتے۔ اگر آپ کسی بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو کے باعث دوسرے بچوں سے پہچانا جاتا۔

ازار سے نیچے آپ کی رانیں اور پنڈلیاں مبارک بھی خوبصورت اور معتدل تھیں۔ آپ آگے کی جانب ذرا سا جھک کر چلا کرتے تھے، جیسے اُونچی جگہ سے نشیبی جگہ کی جانب اُترنے کی حالت ہوا کرتی ہے۔ آرام سے چلتے اور اُس میں متکبرانہ انداز کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ چلتے وقت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اور آرام سے اٹھاتے۔ جب کسی نیک کام کے لیے جانا ہوتا تو جلدی فرماتے اور سب لوگوں سے آگے چلتے اور جن مواقع پر ایسی کوئی جلدی نہ ہوتی تو لوگوں کے پیچھے چلتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ باقی لوگوں سے مجھے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ مناسبت ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خلق اور پیدائش میں میرے مشابہ تھے یہ اُس حصے کی نقل ہے جس کا میں نے حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف دلائل النبوۃ سے انتخاب کیا تھا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

امام کبیر و صدر مشاہیر قاضی ابوالحسن ماوردی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرمودات گرامی

B

اخلاق وفضائل

قاضی ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) نے اپنی تصنیف لطیف اعلام النبوۃ کے بیسویں باب کو سرورِ کون ومکاں ﷺ کے اخلاقی شرف اور فضائلِ کمالیہ کے بیان کی خاطر وضع فرمایا ہے کیونکہ اخلاق کے لحاظ سے آپ سب سے شرف والے ہیں اور آپ کے افعال سب سے حسین و جمیل ہیں۔ بلحاظ اعلیٰ مراتب اور افضل اعمال کے اِس کائنات کے گوہرِ یک دانہ آپ ہیں، کیونکہ اصول وقوانین ہمیشہ اپنی مناسبت کی جانب رجوع ہوتے اور مخالف سمت سے نفرت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اِس دنیا میں نبوّت سے اُوپر اور کوئی منصب نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان نبوت ہی سفارتی تعلقات کا ذریعہ ہے۔

تُبْعَثُ عَلٰی مَصَالِحِ الْخَلْقِ وَطَاعَةِ الْخَالِقِ فَكَانَ اَفْضَلُ الْخَلْقِ بِهَا اَخَصَّ۔ (ص ۹۳)

"مخلوق کی بھلائی اور خالق کی اطاعت کیلئے نبی کو مبعوث فرمایا جاتا ہے۔ پس جو ساری مخلوق سے افضل ہو وہی اس کے لیے مختص کیا جاتا تھا"۔

نبی اپنے معاصرین سے اعلیٰ اور کامل اوصاف کے لائق ہوگا اور اِس کا ثبوت پیش کر سکے گا۔
رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو فضیلت میں کسی طرح بھی آپ ﷺ کا ہم پلّہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص ہی تھا جو اخلاقی و تخلیقی صفات میں یا اقوال وافعال کے کمالات میں آپ سے نزدیک ہو۔ اِسی لیے تو اللہ رَبّ العزت نے اپنی کتاب میں آپ کی یوں توصیف فرمائی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (القلم)

"اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے"۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کے فضائل تو نبوت کی دلیل نہیں ہو سکتے کیونکہ سنا نہیں گیا کہ کسی نبی نے اپنی اُمت کے سامنے اِنہیں نبوّت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہو اور نہ اپنی رسالت کی مقبولیت میں اِن پر اعتماد کیا ہے کیونکہ اِن میں کبھی غیر نبی بھی شریک ہو جاتا ہے۔ لیکن نبی جب خرقِ عادت امر (معجزہ) ظاہر کرے پھر اُن سے ممتاز شخصیت ثابت ہوتا ہے۔ اِس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ ہی دلیلِ نبوت ہے نہ کہ دیگر فضائل واوصاف۔

اِس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ فضیلت نبوت کی متاع اور نشانیوں سے ہے اگرچہ اُس کے معجزات میں شمار نہیں، حالانکہ فضیلت میں کمال درجے کو پہنچنا انتہائی کٹھن مرحلہ ہے اور مرتبہ کمال تک پہنچنا بھی معجزے کی مانند ہے۔ دوسرے انداز سے دیکھیے تو جھوٹ سے بچنا کمال فضیلت ہے اور جو شخص دعوئ نبوت ہی میں جھوٹا ہو وہاں فضیلت کیسی اور کمال کہاں؟ لہٰذا کمال فضل صدق کا موجب ہوا اور صدق کلام کی مقبولیت کا باعث اور موجب ہے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ انبیاء و مرسلین کے لیے فضیلت میں کمال رکھنا، اُن کی نبوت و رسالت کی دلیل بن سکتا ہے۔ جب یہ امر واضح ہو چکا تو جان لینا چاہیے کہ کمالات بشریہ کے معتبر ہونے کی چار وجوہات ہیں، یعنی:

۱۔ کمال پیدائش ۲۔ کمال اخلاق

۳۔ کلام کے فضائل ۴۔ اعمال کے فضائل

پہلی وجہ

اعتدالِ صورت کے بعد آپ کے اخلاقِ عالیہ کا کمال درجہ چار اوصاف کے لحاظ سے ہے:

اوّل

وقار و طمانیت، جو ہیبت اور تعظیم کا سبب بنتی اور تقدیم و تسلیم کی جانب بلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی بڑی ہیبت تھی، یہاں تک کہ کسرٰی کے قاصد جب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو اُن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، حالانکہ ایران کے بادشاہوں کی سطوت و دبدبہ اور ظلم و تشدّد کے باوجود اُن سے اِتنے خائف نہ تھے لیکن آپ ﷺ کی ہیبت اُن کے دلوں اور دماغوں پر مسلّط ہو جاتی اور اُن کی نگاہوں میں آپ کی عظمت سما جاتی تھی، حالانکہ آپ نے کبھی شاہانہ عظمت دکھانے کا تکلّف نہیں فرمایا تھا اور نہ کبھی اِس انداز سے فخر کیا جس سے سطوت و دبدبے کی نمائش مترشح ہوتی کیونکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ تو تواضع کی صفت سے مُتصِف اور اِس وصف میں شہرہ آفاق تھے۔

دوم

خندہ پیشانی، جو اخلاص کی مُوجب اور مودّت و خلوص کا باعث ہے۔ رسولِ خدا ﷺ لوگوں میں محبوب تھے کیونکہ خندہ پیشانی کے سبب دلوں میں آپ کی محبت مستحکم ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ بارگاہِ رسالت میں اکثر حاضر رہنے والے حضرات بھی کبھی ناراض نہ ہو سکے اور جو آپ کے قریب تھا وہ کبھی دور نہ ہوا۔ فخرِ دو عالم ﷺ کو اپنے اصحاب اُسی طرح محبوب تھے جیسے ایک باپ کو اپنے بیٹے عزیز ہوتے ہیں یا ایک پیاسے کو جس طرح ٹھنڈا پانی محبوب ہوتا ہے، اِن سے بدرجہا محبوب تھے۔

سوم

حسنِ قبول، جو دلوں کو آپ کی جانب مائل کرتا تھا۔ اسی لیے لوگ آپ کی اطاعت گزاری میں تیزی دکھاتے اور موافقت پر تلے رہتے تھے۔ آپ اُن میں اس درجہ مقبول تھے کہ دِلوں کو جیت رکھا تھا۔ اِسی لیے قلوب میں آپ کی مصاحبت اور محبت کے جذبات مضبوط و مستحکم ہو گئے تھے، یہاں تک مخالف بھی آپ سے بھاگتا نہ تھا اور نہ دور ہونے والا آپ سے متوحش ہوتا، ہاں جو بدبختی کے باعث حسد کی آگ میں جلنا پسند کرتا یا محرومی کی بدولت آپ کی مخالفت پر کمر بستہ رہتا، اُس کا معاملہ ہی اور ہے۔

چہارم

آپ کی اطاعت گزاری کی جانب دلوں کا مَیلان اور لوگوں کا آپ کی موافقت کے لیے ایسا اطاعت شعار بن جانا کہ خواہ وہ ظلم وستم کی چکّی میں خوب پیسے جاتے لیکن اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آتی۔ یہی وجہ ہے کہ خلوصِ دل سے حلقہ بگوش ہونے والا کوئی آپ سے جدا نہ ہوا اور خواص میں سے کسی نے دوری گوارا نہ کی۔ یہ چاروں اوصاف سعادت کی طرف بلانے والے اور قوانینِ رسالت ہیں۔ یہ اوصاف نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مکمل طور پر پائے جاتے تھے اور آپ اُن اخلاق و صفات میں بھی کامل تھے جو اِن کے موازی شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مقتضی کے آپ پوری طرح مستحق تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ آپ کے اخلاقی کمال سے متعلق ہے اور یہ چھ اوصاف و خصائل پر مشتمل ہے:

پہلی خصلت

یہ عقلِ مصطفیٰ کے بارے میں ہے کہ آپ کا ذہنی رجحان اور خیالات صحیح اور فراست مبنی بر صداقت تھی۔ فہم و فراست کے وفور و کمال پر آپ کی اصابت رائے، حسنِ تدبیر اور احسن تالیف دلالت کرتی ہیں۔ آپ نے تدبیر میں کبھی غفلت اور سختی میں عجز کو قطعاً اختیار نہیں فرمایا بلکہ شروع ہی میں انجام تک غور فرما لیتے اور اُن کے عیوب و نقائص کو معلوم کر کے مشکلات پر قابو پانے کی تدابیر اختیار کرتے اور اُنہیں حل کر کے چھوڑتے۔ یہ بات فہم کی درستی اور یقین کی پختگی کے بغیر کہاں حاصل ہوتی ہے؟

دوسری خصلت

دشوار امور اور نامساعد حالات میں ثابت قدم رہنا اور یہی مطلوبِ کمال ہے۔ جنگوں اور تکالیف شدیدہ کے مواقع پر صبر و سکون کا پایا جانا انتہائی حیران کُن ہے لیکن قربان جائیں حبیبِ پروردگار (جل

جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے حوصلے پر کہ بادِ مخالف کی ایسی تندی و تیزی کے وقت بھی آپ کو مطمئن ہی دیکھا گیا۔ کسی بڑی سے بڑی تکلیف نے آپ کے اوسان خطا نہ کیے اور کسی مصیبت سے آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اگر ایک جانب سے مصائب وآلام کے بادل گھر کر آتے تھے تو اِدھر آپ کو اِتنی قدرت حاصل تھی کہ خندہ پیشانی کے ساتھ تمام مصائب کو چھانٹ کر رکھ دیتے تھے۔ قریشِ مکہ نے آپ کو ایسے ایسے شدائد وتکالیف میں مبتلا کیا جو پیشانیوں کو سفید کر دینے والی اور قلعوں کو ڈھانے والی تھیں لیکن آپ عددی ضعف کے باعث صبر کرتے اور سب کچھ اِس طرح برداشت کرتے رہے جیسے غالب آنے والا مطمئن رہتا ہے۔

حماد بن سلمہ نے ثابت سے اور اُنہوں نے حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا لیکن نہ ڈرے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کی تو اُس کی پاداش میں مجھے اِتنی تکالیف پہنچائی گئیں جتنی کسی دوسرے کو نہیں پہنچائی گئیں۔ ایسے بھی وقت آئے کہ ایک مرتبہ تین شب وروز گزر گئے لیکن ہمارے پاس صرف وہی طعام تھا، جو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغل کے نیچے چھپایا ہوا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید نے اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر والوں نے کبھی سیر ہو کر متواتر دو دن جَو کی روٹیاں بھی نہیں کھائی تھیں اور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پردہ فرمانے تک اُن کی یہی حالت رہی۔ جائے غور ہے کہ جو ہستی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے عوض اِتنی تکالیف اٹھائے اور صبر کرے، اُس پر کسی دنیاوی منفعت چاہنے کا تصور کرنا بھی حماقت ہے یا نہیں؟

تیسری خصلت

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زہد یعنی دنیا سے اعراض کرنا اور معمولی سی چیز پر قناعت کرنا ہے۔ آپ نے دنیاوی عیش وعشرت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا اور نہ اُس کی رنگا رنگی کو ترک کرنے کا کبھی افسوس ہی فرمایا۔ حضرت سفیان ثوری نے حبیب بن ابی ثابت سے اور اُنہوں نے خثیمہ بن عبدالرحمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ اس قدر دنیا کے خزانے چاہیں جو نہ آپ سے پہلے کسی کو نصیب ہوئے ہوں اور نہ آپ کے بعد کسی دوسرے کو دیئے جائیں اور آپ کے ثوابِ آخرت میں بھی کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو، تو آپ کی خواہش پوری کر دی جائے گی۔ آپ نے یہی جواب دیا کہ وہ خزانے بھی میری آخرت ہی کے لیے ذخیرہ کر دیئے جائیں۔ اِس پر یہ آیۂ

مبارکہ نازل ہوئی:

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ (فرقان)

"بڑی برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لیے بہت بہتر اس سے کر دے، جنتیں جن کے نیچے نہریں بہیں اور کرے گا تمہارے لیے اونچے اونچے محل"۔

ہلال بن خباب نے عکرمہ سے اُنہوں نے عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت کونین کے تاجدار، حبیبِ پروردگار (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم) چٹائی پر تشریف فرما تھے اور چٹائی کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر پڑے ہوئے تھے (1)۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آقائے کائنات کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ اُٹھے اور عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اگر آپ نرم بستر استعمال فرمالیا کریں تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ کونین کے تاجدار، احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میرا دنیا سے کیا تعلق؟ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میری مثال جنگل میں سفر کرنے والے اُس مسافر سوار جیسی ہے جو گرمیوں میں دوپہر کے وقت کسی درخت کے سائے میں آرام کرنے لگے اور دن ڈھلتے ہی اُسے چھوڑ کر چل دے۔

حضرت حمید بن بلال بن ابی بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمارے سامنے ایک موٹا کمبل اور ایک موٹی سی چادر نکالی اور فرمایا: اِن دونوں کپڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تھا حالانکہ اُس وقت حالت یہ تھی کہ حجاز مقدس کے آخری کنارے سے عراق کی آخری حد تک اور یمن کی پرے والی سرحد سے عمان کے سمندر تک کے آپ مالک و مختار تھے، لیکن آپ دنیا کمانے اور ذخیرہ کرنے میں سب سے بڑے زاہد اور دنیوی منفعت حاصل کرنے میں تمام انسانوں سے زیادہ اعراض فرمانے والے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پیچھے مال چھوڑا نہ قرضہ، نہ نہر کھدوائی نہ مکان بنوایا اور نہ اپنے بیوی بچوں کو کسی قسم کے دنیاوی مال و متاع کا وارث قرار دیا۔ اِس سے یہی مقصود تھا کہ جس طرح آپ نے زُہد کو اختیار فرمایا اور دنیا کی جانب رغبت کرنے سے اپنی ذات کو روکے رکھا، اِسی طرح اہلِ بیت اطہار بھی منزلِ دنیا میں صرف آپ ہی کے نقوشِ قدم پر گامزن رہیں اور دنیا سے حتی الامکان کنارہ کشی فرمائیں۔

1۔ مولانا اختر الحامدی مدظلہٗ نے یہ نقشہ یوں پیش کیا ہے:

بستر چٹائی، دوش پہ کمبل، غذا کھجور اے تاجدار! یہ تری شانِ گدا پسند

ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے والد محترم کی وراثت کا مطالبہ کیا تو اُنہوں نے ایسا مطالبہ کرنے سے منع کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: اچھا آپ کا وارث کون ہوگا؟ جواب دیا: میری اولاد اور بیوی۔ اِس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں کہ یہ معاملہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کیوں اُن کی وارث نہیں ہوسکتی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ پس جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفالت فرماتے تھے اُن کی کفالت اب میرے ذمے ہے۔ جس پر ہمارے آقا خرچ کرتے تھے اُن پر اب میں خرچ کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں زُہد اختیار کرنے اور اُس کی زیب و زینت سے اعراض کرنے کی جانب رغبت دلائی ہے تاکہ لوگ دنیا کے نقصانات سے محفوظ رہیں اور اِسی لیے دنیوی خواہشات سے روکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زُہد کی فضیلت میں اور خلفائے راشدین کی اقتدا کرنے کے متعلق حدیث بیان کرکے مذکورہ بالا وضاحت فرمائی تھی۔

چوتھی خصلت

لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع کے ساتھ پیش آنا حالانکہ وہ آپ کے مطیع تھے اور اُن سے مشفقانہ سلوک کرنا حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔ آپ بازار میں تشریف لے جاتے تو مٹی پر بھی بیٹھ جاتے۔ اپنے اصحاب اور اہلِ مجلس سے گھل مل کر رہتے۔ حیاء کے سبب نظریں نیچی رکھنے کے باعث پہچانے جاتے تھے۔ تواضع کے سبب ممتاز اور عاجزی کے باعث باوقار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی دیہاتی آتا تو مارے خوف اور ہیبت کے کانپنے لگتا۔ آپ فرماتے: اطمینان رکھو، میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ مکرمہ میں سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یہ تھا آپ کا شرف والا اخلاق اور یہ تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین عادتیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت میں داخل تھیں۔ سیرتِ مصطفیٰ میں یہ باتیں نادر نہ تھیں کہ اِنہیں شمار کیا جائے اور اِتنی کم نہ تھیں جن کا احاطہ کیا جاسکے۔

پانچویں خصلت

مشتعل کردینے والے اُمور کے مواقع پر بُردباری اور وقار سے کام لینا۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبراہٹ کے وقت ہر عقلمند سے بڑھ کر ثابت قدم اور جھگڑوں کے مواقع پر ہر عقلِ سلیم رکھنے والے سے زیادہ راہِ راست پر رہتے۔ بدوؤں والی سنگدلی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر نام ونشان بھی

نہیں تھا اور نہ کسی نے یہ نقل کیا کہ جلد بازی آپ کے قریب بھی پھٹکنے پائی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کوئی حلیم ایسا نہیں جو پھسلا نہ ہو اور کوئی باوقار ایسا نہیں جس سے لغزش صادر نہ ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواہشات کی حرکت اور خفت والی لغزش سے اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے محفوظ فرمایا تھا تا کہ اپنی اُمت پر رحیم اور مخلوق پر مہربان رہیں۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر طرح طرح سے ظلم وستم کے پہاڑ گرائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مظالم کے مقابلے میں صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اُن کی ذات سے اعراض فرماتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نازیبا سلوک صرف بے وقوف اور کمینے لوگ ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ جو بڑے عقلمند شمار ہوتے تھے اُنہوں نے بھی ذلیل انسانوں کی طرح آپ کی ذات پر حملے کیے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر زیادتی کرتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن سے ملنے کی کوشش کرتے اور درگزر فرماتے رہتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مخالفوں پر غالب آئے تو اُنہیں معاف فرمادیا اور قدرت پانے پر اُنہیں بخش دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کرلیا تو کامیابی حاصل کرلینے باوجود دشمنوں کو معاف فرمادیا۔ وہ سارے کے سارے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور کھڑے تھے۔ پوچھا: تم مجھ سے کیسے سلوک کا گمان رکھتے ہو؟ جواب دیا کہ آپ احسان فرمانے والے باپ کے احسان فرمانے والے بیٹے ہیں، ہمارا گمان تو یہی ہے کہ آپ ہمیں معاف فرمادیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انتقام لیں تو ایسا کرنا زیادتی نہیں کیونکہ خطا کار ہونے کے سبب ہم اِسی لائق ہیں۔ یہ سن کر اُس رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾

"آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے"۔ (یوسف)

اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی: اے پروردگارِ عالم! اِس سے پہلے تو نے قریش پر عذاب بھیجا تھا، اب اِنہیں اپنے انعامات سے مالا مال فرما۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ہند بنت عتبہ حاضر ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کے افعال سے درگزر کرتے ہوئے بیعت فرمالیا، حالانکہ اُس نے آپ کے عمِ محترم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکم مبارک چیر کر آپ کا کلیجہ نکالا اور چبایا تھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنی قریظہ کو کھڑا کر کے ایک ہی دن میں سات سو افراد کی گردنیں کٹوا دی تھیں، وہاں عفو و درگزر سے کام کیوں نہ لیا؟ وہاں آپ نے اُس شخص کی طرح انتقام لیا جس کے نزدیک سے بھی مہربانی کا گزر نہ ہوا ہو اور آپ کا دل اُن پر ذرا نہ پسیجا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے ساتھ یہ سلوک حقوق اللہ کے سلسلے میں کیا تھا نیز بنی قریظہ خود ہی حضرت

سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحکیم (ثالثی) پر رضا مند ہوئے تھے اور یہ فیصلہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے سنایا تھا کہ بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کر دیا جائے اور نابالغوں کو غلام بنا کر رکھا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا تھا کہ اللہ رب العزت کا آسمانی فیصلہ بھی یہی ہے۔ پس جو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ کے لیے اُسے تبدیل کرنا کب جائز تھا؟ رسول اللہ ﷺ کا درگزر کرنا صرف اُن امور سے متعلق تھا جن کا تعلق صرف آپ کی ذات سے ہوتا تھا۔

چھٹی خصلت

آپ ﷺ عہد کی حفاظت اور وعدے کا ایفاء فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے عہد کا پاس لحاظ کرنے والے کے ساتھ کبھی عہد نہیں توڑا اور نہ کبھی وعدے کا خلاف کیا کیونکہ وعدہ خلافی کرنا آپ کے نزدیک ایک بہت بڑا گناہ تھا اور وعدے کی خلاف ورزی کو بری عادتوں میں شمار فرماتے تھے۔ عہد کی حفاظت اور وعدے کو وفا کرنے کے معاملے میں آپ پختگی کا التزام فرماتے اور عہد کو قائم رکھنے کی خاطر سخت مشکلات کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم فرمالیا کرتے تھے اور اِس طرح ہر صورت میں وعدے پر قائم رہتے تھے۔ ہاں جب معاہدہ کرنے والا دوسرا فریق ہی عہد توڑنے لگتا تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے بہتر راستہ نکال دیا کرتا تھا جیسے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں نے کیا اور جس کا مظاہرہ صلح حدیبیہ میں قریشِ مکہ نے کیا، تو پروردگارِ عالم نے اُن کی عہد شکنی کے باوجود اپنے حبیب ﷺ کے لیے بہتری کا پہلو نکال دیا۔ یہ چھ خصائل ہیں جو آپ کے اخلاقِ عالیہ میں کامل طور پر موجود تھے اور جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق پر آپ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔

تیسری وجہ

یہ وجہ رسول اللہ ﷺ کے فضائلِ اقوال میں ہے۔ یہ آٹھ خصلتوں کے باعث معتبر ہے، جو یہ ہیں:

خصلتِ اوّل

آپ کو حکمتِ بالغہ اور بڑے بڑے علوم مرحمت فرمائے گئے حالانکہ آپ ﷺ اِس اُمت کے اُمی نبی ہیں کیونکہ نہ کسی سے کوئی کتاب پڑھی نہ کوئی علم ہی کسی سے سیکھا اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمّذ ہی طے کرنے کی نوبت آئی، اِس کے باوجود آپ ﷺ سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس سے عقلیں حیران اور انسانی فہم و ذکاء کو اپنی نارسائی کا یقین ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے اقوال و افعال میں کبھی لغزش صادر نہیں ہوئی۔

فخرِ دوعالم ﷺ نے اپنی شریعتِ مطہرہ کا دارومدار چار احادیث پر رکھا، جن سے مقصد حاصل اور اجتہاد کی جڑیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی۔ (ص ۹۷)

"بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اُس نے کمایا"۔

اسی سلسلے کی دوسری حدیث یہ ہے:

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَ ذٰلِکَ اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَاتٌ وَمَنْ یَحُمْ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یَّقَعَ فِیْہِ۔ (ص ۹۷)

"حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے لیکن اِن کے درمیان بعض امور مشتبہ ہیں۔ جو شخص چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے، خطرہ ہے کہ ایک روز وہ اُس میں داخل ہو جائے"۔

فخرِ دوعالم ﷺ کا اِس بارے میں تیسرا فرمان یہ ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَایَعْنِیْہِ۔ (ص ۹۷)

"انسان کا اچھا اسلام اِس بات سے ظاہر ہوتا ہے جب وہ غیر مقصود کو ترک کر دے"۔

سرورِ کون ومکاں ﷺ کا چوتھا بنیادی ارشادِ گرامی یہ ہے:

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَایُرِیْبُکَ۔ (ص ۹۷)

"جو بات شک وشبہ میں ڈالے اُسے چھوڑ دو اور اُسے اختیار کرو جس میں شبہ نہ ہو"۔

سرورِ عالم ﷺ کی جلوہ گری سے پہلے حکمائے فلاسفہ نے کچھ اصول وضع کیے تھے اور لوگوں کو اُن پر عمل کرنے کے لیے اُبھارتے تھے لیکن وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے کہ دُنیا والوں کی اصلاح دین کے بغیر ممکن نہیں۔ اصلاح کا صرف یہی طریقہ ہے کہ لوگ سچے دین کے تابع ہو کر اُس کے مطابق عمل کریں کیونکہ فلاسفہ کا نہ تو صحیح معنوں میں اثر ہوا اور نہ اُن کی خبریں واضح اور اطمینان بخش تھیں حالانکہ لوگ اُنہیں حکمتوں کے سرچشمے اور قوموں میں ممتاز شمار کرتے تھے۔ ایسی فطرت رسول اللہ ﷺ میں پائی گئی، جو جوہر کی صفائی اور سچا مخبر ہونے کے باعث ہے۔

خصلت دوم

سرورِ کون ومکاں ﷺ کی خصلت دوم کے بارے میں قاضی ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

حِفْظُہٗ لِمَا اَطْلَعَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ مِنْ قِصَصِ الْاَنْبِیَاءِ مَعَ الْاُمَمِ ھُوَ اِخْبَارُ

الْعَالَمِ فِي الزَّمَنِ الْاَقْدَمِ حَتّٰى لَمْ يَعْزُبْ عَنْهُ مِنْهَا صَغِيْرٌ وَلَا كَبِيْرٌ وَلَا شَذَّ عَنْهُ مِنْهَا قَلِيْلٌ وَلَا كَثِيْرٌ وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَضْبِطُهَا بِكِتَابٍ يَدْرُسُهُ وَلَا يَحْفَظُهَا بِعَيْنٍ تَحْرُسُهُ وَمَا ذَاكَ اِلَّا مِنْ ذِهْنٍ صَحِيْحٍ وَصَدْرٍ فَسِيْحٍ وَقَلْبٍ شَرِيْحٍ وَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ اٰلَةٌ مَا اسْتُوْدِعَ مِنَ الرِّسَالَةِ وَحُمِلَ مِنْ اَعْبَاءِ النُّبُوَّةِ فَجَدِيْرٌ اَنْ يَّكُوْنَ بِهَا مَبْعُوْثًا وَعَلَى الْقِيَامِ بِهَا مَحْثُوْثًا۔ (ص ۹۷)

''آپ کا اُن سب باتوں کو یاد رکھنا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ انبیائے کرام کے اُن کی اُمتوں سمیت واقعات و حالات پر مطلع فرمایا جو پہلے زمانوں کے متعلق دنیا بھر کی خبریں ہیں، یہاں تک کہ آپ سے کوئی چھوٹی بڑی چیز پوشیدہ نہ رہی اور نہ کوئی قلیل یا کثیر چیز آپ سے دور رہی حالانکہ فخرِ دو عالم ﷺ نے اُن حالات کو کسی کتاب سے ذہن نشین نہیں کیا، جسے آپ پڑھتے ہوں اور نہ اُنہیں آنکھوں سے دیکھ کر صفحۂ یادداشت پر محفوظ کیا تھا۔ آپ کی علمی وسعت تو ذہن صحیح، سینہ وسیع اور قلب شریح کی بدولت ہے اور یہی تو وہ تینوں آلات ہیں جن کے سپرد رسالت کی جاتی ہے اور اِن کے ذریعے ہی نبوّت کا بارِ گراں اُٹھایا جاتا ہے۔ پس آپ ہی اس قابل تھے کہ اِن کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اِنہیں قائم رکھنے پر آپ کو اُبھارا گیا''۔

خصلت سوم

آپ ﷺ کا شریعتِ مطہرہ کو ظاہر دلائل کے ساتھ مضبوط کرنا اور واضح عِلل کے ساتھ بیان فرمانا یہاں تک کہ کوئی ایسی بات نہ چھوڑنا جسے عقلِ انسانی معقول نہ قرار دے اور نہ اُس میں کوئی ایسی چیز داخل کی جائے جسے عقل ردّ کرتی ہو۔ اسی لیے فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جوامع الکلم یعنی حکمت آمیز جامع کلمات دیا گیا ہوں اور حکمت میرے لیے مختص فرما دی گئی ہے۔ اسی لیے تو رسول اکرم ﷺ چند لفظوں کے ساتھ کثیر حقائق سے مطلع فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کلام کو طول دینے سے احتراز فرماتے۔ کوئی مجہول امر آپ ﷺ نے ایسا نہیں چھوڑا جسے واضح نہ کر دیا ہو۔ ایسا کرنا آپ کے لیے بایں وجہ آسان تھا کہ اِس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی تھی اور اِسی راستے پر آپ کو چلایا گیا تھا۔

خصلت چہارم

رسول اللہ ﷺ نے اچھے اخلاق کا حکم دیا اور مستحسن آداب کی جانب لوگوں کو بلایا ہے۔ صلہ رحمی

پر اُبھارا، ضعیفوں اور یتیموں پر مہربانی کرنے کا حکم دیا، ایک دوسرے سے حسد کرنے اور بُغض رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک دوسرے سے تعلقات منقطع کر لینے اور دور ہو جانے سے روکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک دوسرے سے تعلق منقطع نہ کرو، نہ کسی سے منہ پھیرو، نہ کسی سے بُغض و عداوت رکھو، اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ تاکہ اس طرح تمہاری فضیلت کے آسمان میں چار چاند لگ جائیں اور آپس میں اچھے اخلاق کی خوب نشر و اشاعت ہو جائے اور مستحسن آداب کثرت سے ظاہر ہونے لگیں اور تمہارے اندر بھلائی کی جانب دوڑنے والی سپرٹ پیدا ہو جائے اور تمہارا ضمیر تمہیں برے کاموں سے بالکل منع کرنے لگے اور تم پر اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشادِ گرامی پوری طرح صادق آتا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

''تم بہتر ہو اُن سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو''۔

پس اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور جن کاموں سے منع فرمایا گیا تھا اُن سے بچے۔ ایسے لوگوں کی اُن کے افعال و کردار کے باعث دین و دنیا کی بہتری کمال کو پہنچ جاتی ہے، یہاں تک کہ ایسوں کے ذریعے کمزوری کے بعد اسلام پھر غالب آجاتا ہے اور شرک اپنے غلبے کے بعد پھر ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے نیکوکار درجۂ امامت پر فائز ہوتے ہیں اور وہ بہترین قائد ہوتے ہیں۔

خصلت پنجم

اگر آپ ﷺ سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب واضح اور اطمینان بخش ہوتا۔ جب کوئی آپ سے جھگڑتا تو حجج قاہرہ اور دلائلِ باہرہ سے آپ مخالف پر غالب آتے۔ عجز کبھی آپ کے راستے میں حائل نہ ہوتا اور کوئی آپ کے دعوے کو رد کرنے پر قادر نہ ہوتا اور کوئی مدِ مقابل بننے والا آپ سے معارضہ نہ کر سکا کیونکہ دلائل و براہین کے ساتھ غالب آپ ہی رہتے اور مخالف بغلیں جھانکتے رہ جاتے۔

اُبی بن جمحی قبرستان سے ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ ہڈی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اُسے اپنے ہاتھ سے مسل کر راکھ کی طرح باریک کر کے کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کا یہ گمان ہے کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر اس طرح بوسیدہ ہو جائیں گے اس کے باوجود پھر زندہ کیے جائیں گے۔ آپ کا یہ دعویٰ بڑا ہی حیران کن ہے حالانکہ ایسی بات کسی

اور شخص سے ہم نے قطعاً نہیں سنی۔ بھلا بوسیدہ ہونے کے بعد یہ ہڈیاں کس طرح زندہ ہو سکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براہانِ نبوت کے ساتھ جواب سکھایا اور آپ کو یوں جواب دینے کا حکم ملا:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ (یٰسین)

''تم فرماؤ، اُنہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اُنہیں بنایا اور اُسے ہر پیدائش کا علم ہے''۔

وہ مبہوت ہو کر واپس لوٹ گیا کیونکہ اس دعوے کو ردّ کرنے والی اُسے کوئی دلیل نہیں سوجھتی تھی۔ اِسی طرح جب ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مرض متعدی نہیں ہوتا اور بدفالی کوئی چیز نہیں۔ ایک شخص کہنے لگا: ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ایک اُونٹ کے ہونٹ پر معمولی سی خارش ہو جائے تو یہ بیماری سارے اونٹوں میں پھیل جاتی ہے۔ یہ سن کر آپ نے جواباً فرمایا: اچھا پہلے اونٹ کو کس نے بیمار کیا تھا؟ سائل خاموش ہو گیا۔

خصلت ششم

کلام میں تضاد اور خبر میں استرسال سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان کو محفوظ رکھا کیونکہ استرسال جھوٹ کے نزدیک اور سچائی سے دور ہوتا ہے۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بچپن ہی سے صدق میں مشہور تھے یہاں تک کہ صادق اور امین جیسے القاب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے قریش کا آپ کے سچّے ہونے پر پورا یقین تھا، لیکن جب آپ نے اُنہیں اسلام کی دعوت دی تو تکذیب کرنے لگے۔ بعض حسد کے باعث اور بعض نے معاندانہ رویّے کے ساتھ تکذیب کی اور کئی ایک نے تو آپ کے نبی اور رسول ہونے کو بعید جان کر تکذیب کا ارتکاب کیا۔ اِن حالات میں اگر اُن لوگوں کے دائرۂ معلومات میں آپ کا کوئی معمولی سا جھوٹ بھی ہوتا تو اُسے تکذیبِ رسالت کی دلیل ضرور بناتے۔ لیکن جس نے اوائل عمر ہی میں صدق کو اپنے لیے ضروری ٹھہرا لیا ہو۔ یقیناً بڑی عمر میں تو اُس نے خوب ہی پختگی حاصل کر لی ہوگی۔ علاوہ بریں قابلِ غور ہے کہ جو اپنے معاملات اور اُمّت کے بارے میں جھوٹ سے معصوم ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کیوں نہ زیادہ معصوم ہوگا۔ یہ کُلیہ منکر و معاند کو دفع کرنے اور اُن کے ردّ میں کافی ہے۔

خصلت ہفتم

بوقتِ حاجت آپ کلام کا اِرادہ فرماتے اور اُس میں بھی بقدرِ کفایت پر اقتصار فرماتے۔ نہ زائد

گفتگو کرتے اور نہ بالکل خاموش رہتے، ہاں حاجت و کفایت کے مطابق گفتگو کرنے کے بعد خاموشی اختیار فرمالیا کرتے تھے۔ اِسی لیے آپ ﷺ کا کلام محفوظ رہا اور مخل نہ ہوا، دلکش ٹھہرا کیونکہ کمزوری سے مبرا تھا۔ سننے والے اس کی حلاوت سے لطف اندوز ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ دلوں اور دماغوں میں گھر کرتا چلا گیا، کیونکہ زیادہ باتیں کرنے والا لغزش سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور بیہودہ باتیں بنانے والا تنگ دل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس بہت زیادہ باتیں کر رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے اعرابی! تمہاری زبان کے سامنے کتنے پردے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہونٹ اور دانت۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کلام کی تیزی اور زیادتی کو ناپسند فرماتا ہے۔ اللہ رب العزت اس شخص کو خوشی وخرمی سے دوچار رکھتا ہے جو زبان کو تیزی سے روکے اور بقدرِ حاجت گفتگو پر اکتفا کرے۔

خصلت ہشتم

فخر دو عالم ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ فصیح اللسان تھے۔ اپنے بیان کی خوب وضاحت فرمادیا کرتے تھے۔ کلام میں اختصار، الفاظ میں فصاحت و وضاحت اور مفہوم و معانی میں صحت ملحوظ ہوتی۔ آپ نے کبھی تکلّف نہیں فرمایا، اور نہ لگی لپٹی بات کی۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: زیادہ باتیں کرنے والے مجھے مبغوض ہیں۔ فرمایا: کلام میں تکلّف کرنے سے بچو۔ جب آپ ﷺ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ (النور:36)

"اُن گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اُن میں اُس کا نام لیا جاتا ہے"۔

تو آپ نے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھ دی۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ بارگاہ ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! جس نے مسجدیں بنائیں وہ کامیاب ہوا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک کہتے ہو، اے ابن رواحہ! پھر عرض گزارے ہوئے وہ لوگ جو نمازیں پڑھیں کبھی قیام میں جا کر کبھی قعدے میں فرمایا۔ اے ابن رواحہ! ٹھیک کہتے ہو۔ پھر عرض کرنے لگے: میں رات نہیں گزارتا مگر سجدے کرتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! یہ کیسی تک بندی ہے؟ ایسی باتوں سے خود کو روکو۔ زبان کی فراخی سے زیادہ بُری چیز انسان کو اور کوئی نہیں دی گئی۔

ایجاز میں رسول اللہ ﷺ کے کلام جیسا کسی کا کلام نہیں مثلاً:

۱۔اَلنَّاسُ بِزَمَانِهِمْ اَشْبَهُ۔

''لوگ اپنے زمانے والوں کی طرح کے ہوتے ہیں''۔

۲۔مَا هَلَكَ امْرُءٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ۔

''جس نے اپنی قدر پہچانی وہ ہلاک نہیں ہوتا''۔

۳۔لَوْ تَكَاشَفْتُمْ مَا تَدَافَنْتُمْ۔

''اگر قبروں کے حالات پر مطلع ہو جاؤ تو مردے دفن کرنے چھوڑ دو گے''۔

۴۔اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ۔

''نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے''۔

۵۔اَلْعَاقِلُ اَلُوْفٌ مَأْلُوْفٌ۔

''عقلمند آدمی محبوب ہوتا ہے''۔

۶۔حُبُّكَ الشَّيْئَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ

''کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے''۔

۷۔اَلْعِدَةُ عَطِيَّةٌ۔

''تیاری عطیہ ہے''۔

۸۔اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ طَمَعٍ يُّهْدِیْ اِلٰى طَبْعٍ۔

''اے اللہ! میں طمع سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفس کی جانب لے جاتی ہے''۔

۹۔اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ۔

''بہترین صدقہ غریب کی کوشش ہے''۔

۱۰۔اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى۔

''اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے''۔

۱۱۔تَرْكُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ۔

''برائی کو چھوڑنا صدقہ ہے''۔

۱۲۔اَلْخَيْرُ كَثِيْرٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ۔

''بھلائی تو بہت ہے لیکن بھلا کرنے والے کم ہیں''۔

۱۳۔اَلنَّاسُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔

"لوگ سونے چاندی کی کانوں کے مانند ہیں"۔

۱۴۔نَزَلَتِ الْمَعُوْنَةُ عَلٰى قَدْرِ الْمُؤْنَةِ۔

"مشقت کے مطابق اعانت نازل ہوئی ہے"۔

۱۵۔اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَاعِظًا مِّنْ نَفْسِهٖ۔

"جب کسی بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے نفس کے لیے اُسے نصیحت کرنے والا بنا دیتا ہے"۔

۱۶۔اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَاخَانَکَ۔

"جو تجھے امین بنائے اُس کی امانت ادا کردے، جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر"۔

۱۷۔اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيْمٌ۔

"مومن نیک اور کریم ہوتا ہے، فاجر دھوکہ باز اور لئیم ہوتا ہے"۔

۱۸۔اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَبَلَاؤُهٗ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ وَرِضَاؤُهٗ۔

"دنیا مومن کے لیے جیل خانہ اور مقامِ مصیبت ہے لیکن کافر کے لیے جنت اور پسندیدہ جگہ ہے"۔

اب سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کلام ملاحظہ فرمایا جائے جس کی فصاحت وبلاغت میں کلام نہیں۔

۱۹۔اِيَّاکُمْ وَالْمُشَارَةَ فَاِنَّهَا تُمِيْتُ الْعِزَّةَ وَتُحْيِیُ الْغُرَّةَ۔

"جھگڑے سے بچو کیونکہ یہ عزت کو تباہ کر دیتا ہے اور غفلت کو تازہ کرتا ہے"۔

۲۰۔لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَيْرٍ مَالَمْ تَرَ الْاَمَانَةَ مَغْنَمًا وَالصَّدَقَةَ مَغْرَمًا۔

"میری امت کا حال اُس وقت تک درست رہے گا جب تک امانت کو مالِ غنیمت اور صدقہ کو تاوان نہ سمجھا جائے گا"۔

۲۱۔رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ اَوْسَکَتَ فَسَلِمَ۔

"اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو اچھی بات کہنے کو غنیمت جانے یا خاموشی اختیار کر کے سلامت رہے"۔

۲۲۔اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَعَيْنٍ لَا تَدْمَعُ هَلْ يَتَوَقَّعُ اَحَدُکُمْ اِلَّا غِنًی مُطْغِيًا اَوْفَقْرًا

مَنْسِيًا اَوْمَرَضًا مُفْسِدًا اَوْهَرَمًا مفندا اَوِالدَّجَالَ فَهُوَ شَرٌّ غَائِبٌ يُنْتَظَرُ اَوِالسَّاعَةُ فِي السَّاعَةِ اَدْهٰی وَأَمَرُّ۔(ص۹۹)

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ایسے دل سے جو (خدا سے) نہ ڈرے، ایسی آنکھ سے جو (تیرے خوف سے) آنسو نہ بہائے، کیا تم میں سے کوئی شخص امیری چاہتا ہے جو سرکشی پر اُبھارتی ہے یا ایسی فقیری جو (خدا کو) بھلانے والی ہے یا مرض جو (جسم کو) بیکار کرتا ہے یا بڑھاپا جو عقل کو کمزور کر دیتا ہے یا دجّال کو جو چھپا ہوا شر ہے۔ انتظار اُس کا اور قیامت کا ہے جو بہت سخت اور بڑی کڑوی ہے"۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین ہلاک کرنے والی۔ اُن میں سے نجات دینے والی یہ ہیں: (۱) ظاہر اور باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا (۲) امیری ہو یا غریبی، ہر حالت میں میانہ روی اختیار کرنا (۳) رضامندی ہو یا ناراضگی، ہر حالت میں انصاف کرنا ----

ہلاک کرنے والی باتیں یہ ہیں: (۱) بخل کی اطاعت (۲) خواہش کی پیروی (۳) خود کو بڑا سمجھنا۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میری چھ باتوں کو قبول کر لو، میں تمہارے لیے جنّت کا ضامن ہو جاتا ہوں۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ چھ باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا: (۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف نہ کرے (۳) جب امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے (۴) اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے (۵) شرمگاہ کی حفاظت کرے (۶) ہاتھوں کو روک کر رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بعض خطبوں میں فرمایا: خبردار رہو کہ زمانہ لپیٹا جا رہا ہے، عمریں فنا ہو رہی ہیں، رات اور دن ڈاکیے کی طرح دوڑ رہے ہیں جو ہر بعید کو قریب لا رہے ہیں اور ہر نئی چیز کو پرانی کر دیتے ہیں۔ اے اللہ کے بندو! اس مرورِ زمانہ سے سبق حاصل کر کے خواہشاتِ نفسانی سے بچو اور اُن نیک کاموں کی جانب راغب ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے بعض صحابہ سے شرعی اُمور میں تساہل کا خطرہ نظر آیا تو اپنے ایک خطبے میں فرمایا: اے لوگو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس دنیا میں موت صرف دوسروں کے لیے ہے اور حقوق کا ادا کرنا صرف غیروں پر واجب ہے اور جن مُردوں کو ہم دفن کر رہے ہیں وہ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے پاس لوٹ آئیں گے؟ جن عزیزوں کو ہم دفن کر چکے، اُن کا مال اس طرح کھا رہے ہیں گویا ہم

اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ آخر عبرت آموز واقعات اور نصیحت آمیز باتوں کو ہم کیوں بھول جاتے ہیں؟ آخرت کی خاطر تکلیف برداشت کرنے کے بجائے دنیاوی راحت و آرام کو کس لیے مطمع نظر بنالیا جاتا ہے۔ خوشخبری ہو اُس نیک بخت کو جسے فکرِ آخرت نے دُنیا سے غافل کر دیا اور اپنے عیبوں پر نظر رکھنے کے باعث اسے دوسروں کی برائیاں معلوم کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔

فخرِ دو عالم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ میں فصاحت و بلاغت کے اِتنے محیّر العقول نمونے موجود ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اُن کی انتہاء کو پہنچا جا سکتا ہے۔ اُوپر جو کچھ بیان ہوا ہے یہ مُشتِ نمونہ از خروار ہے تا کہ ہر صاحبِ عقل و دانش پر یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام معجزہ نظام بلاغت کی ہر شرط کا جامع ہے اور فصاحت کے ہر طریقے کو واضح کرنے والا ہے۔ آپ کے کلام کو اگر دوسرے کے کلام میں ملا دیا جائے تو آپ کے ارشاداتِ عالیہ اپنے اسلوب و انداز کے باعث دوسرے کلام سے ممتاز نظر آئیں گے اور بنظرِ غائر دیکھنے سے دوسرے شخص کے کلام کی خامیاں ظاہر ہونے لگیں گی کیونکہ حق باطل میں اور جھوٹ سچ میں گھل مل نہیں سکتا۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ کے بلیغ ارشاداتِ عالیہ کسی محنت یا تکلّف کے مرہون منت نہیں ہیں کیونکہ آپ کا خطباء، شعراء اور فصحاء سے اختلاط نہیں تھا، بلکہ یہ سارا کمال بھی آپ کی فطرتِ مقدسہ کا ایک حصہ تھا، جس تک کوئی انتہائی کمال کے باوجود بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا کلام جب کمال کی اِس حد تک ہے کہ فصاحت و بلاغت میں دوسروں کے کلام سے ممتاز ہے اور کسی کے لیے وہاں تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں ہے تو یہ بھی آپ کا معجزہ ہوا۔ اِس کا ہماری جانب سے یہی جواب ہے کہ واقعی آپ کا کلام ایسا ہی معجز نظام ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور دوسرا کوئی شخص آپ سے یقیناً معارضہ بھی نہیں کر سکتا، دریں حالات واقعی یہ معجزہ ہے اور معجزہ وہی ہوتا ہے جس کے مقابلے سے دوسرے عاجز ہوں۔

چوتھی وجہ

یہ وجہ نبی کریم ﷺ کے افعال کے فضائل میں ہے، جس کو آٹھ خصلتوں کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

پہلی خصلت

آپ کی بہترین سیرت، صحیح سیاست اور دین میں اعلیٰ انتظام، جس کا اجراء از سرِ نو ہوا، یہاں تک کہ خوب مستحکم ہو گیا اور بہترین طریقے پر وضع فرمایا جواب تک جاری ہے۔ اِس دین کے باعث آپ

نے امت کو اُن کی مرغوب و محبوب چیزوں سے ہٹایا اور معروف سے اُنہیں غیر معروف کی جانب لے گئے تو لوگوں نے بخوشی اِس دین کو قبول کیا اور خوف وطمع کے باعث آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس قدر استحکام اور احسن انتظام اُسی صورت میں ممکن ہے کہ صائب اور پختہ رائے نیز روشن ارادہ ہو اور اِس کے ساتھ تائیدِ ربانی حاصل ہو۔ دین کی جس بات کا آپ نے اعلان فرمایا اگر اس میں مامور ہیں تو یہی آپ کے لیے حُجّتِ قاہرہ ہے، لیکن وہ بات اگر اپنے اجتہاد سے فرمائی، تب بھی یہ حقانیت کا واضح نشان ہے آپ کے بیان فرمودہ قواعد کی صحت ہمیشہ مسلّمہ رہے گی اور تمہارے یقین کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ سلف سے خلف تک سب اِنہیں تسلیم کرتے آئے ہیں، بلکہ اُن میں دین کی حلاوت بڑھتی اور اِس کی جدّت مضبوط تر ہوتی رہی ہے۔ وہ دین کو ابنائے زمانہ کے لیے ایک نظامِ حیات مانتے ہیں، جس کے حوادثات بدلتے اور مالوف مختلف ہوتے رہتے ہیں، جو اِس پر قائم رہنے والے کے لیے دلیل اور شک کرنے والے کے لیے واضح بیان ہے۔

دوسری خصلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبّر کرنے والوں اور خوف کھانے والوں کو اپنے پاس جمع ہونے کی جانب راغب کیا۔ یہ دونوں فریق آپ کی نصرت کے لیے اکٹھے ہو گئے اور آپ کے ساتھ خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں منہمک ہو گئے کہ دنیا اور آخرت میں دین ہی ان کا مطمع نظر ہو گیا۔ نعمت کے زائل ہونے اور آخرت میں عذاب کے خطرے سے وہ خوف کھاتے تھے، لیکن اطاعت وفرماں برداری میں طبائع مختلف ہیں، جو مذکورہ دونوں فریقوں کے ساتھ قائم ہیں۔ دین صرف ایک فریق کے ذریعے حسنِ انتظام کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا، کیونکہ دونوں فریق ہی اِس کے باقی و جاری رکھنے کے لیے ضروری ہیں اور دونوں کی بھلائی کا راز بھی اسی میں مضر ہے۔

تیسری خصلت

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو نصاریٰ کے غلو اور یہود کی غلطیوں سے پاک صاف اور مبرّا رکھا۔

چوتھی خصلت

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دنیا کی طرف مائل نہیں ہونے دیا جیسے کہ یہودی دنیا داری میں ہی غرق ہو کر رہ گئے تھے اور نہ نصاریٰ کی طرح دنیا کو چھوڑ دینے ہی کا درس دیا، بلکہ اُنہیں راہِ اعتدال پر چلایا کہ دنیا سے بقدرِ ضرورت و کفایت حصہ ضرور لیں لیکن حاجت سے زیادہ حاصل کرنے کی جانب راغب نہ ہوں۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو دنیا کو آخرت

کے لیے اور آخرت کو دنیا کے لیے ترک نہ کرے۔ دونوں سے حصہ لو، اس میں بہتری ہے جبکہ صرف ایک کے اختیار کر لینے سے خلل واقع ہو جاتا ہے اور دونوں کا جمع کرنا راہِ اعتدال ہے۔

محیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا بہتر سواری ہے۔ اِسے سواری بنا کر رکھو، یہ تمہیں اس طرح منزلِ آخرت تک بطریقِ احسن پہنچا دے گی۔ مومن دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لیے توشہ جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے اور طاعت گزاری میں چُستی اور پھرتی دکھاتا ہے۔ دنیا کا تارک محروم اور ضیاع کرنے والا ہے لیکن قابلِ رحم اور مستحقِ رعایت ہے۔ پہلی صورت میں وہ بوجھ اور دوسری میں ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بعض صحابۂ کرام نے ایک شخص کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب ہم سوار ہوئے اُس وقت سے اُترنے تک وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتا رہا اور جب ہم کسی جگہ قیام کرتے تو کوچ کرنے تک وہ نماز ہی میں مشغول رہتا۔ آپ نے دریافت فرمایا: اُس کے گھوڑے کے لیے چارہ اور خود اس کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کون کرتا تھا؟ اُن اصحاب نے جواب دیا: ہم سب مل کر اُس کے یہ کام کر دیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم سب اُس سے بہتر ہو۔

پانچویں خصلت

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کا علومِ دینیہ اور احکامِ نازلہ کا اہتمام فرمانا، یہاں تک کہ اُمت کے لیے احکامِ تکلیفیہ کو بالکل واضح کر دینا۔ مباحات و محذورات سے اُمت کے لیے حلال اور حرام چیزوں کو کھول کر بیان کر دیا۔ نکاح اور باہمی معاملات کے عہد معاہدوں کو بالکل واضح کر دیا، حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ تک معاملات اور میراث وغیرہ کے قواعد و ضوابط میں آپ کی شریعتِ مطہرہ سے اصول و قواعد حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے حالانکہ شریعتِ محمدیہ دوسری کسی بھی شریعت کی محتاج نہیں ہے۔ آپ نے شریعت کے اصول اِس طرح مقرر فرمائے جو اُن واقعات و حوادث پر دلالت کرتے ہیں، جن سے دنیا والے بے خبر تھے اور اُن سے وہ احکام نکالے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی علّت اور سبب پر مبنی ہیں۔ اِس کے بعد آپ نے حاضرین کو حکم دیا کہ یہ احکام اُن لوگوں تک پہنچا دیے جائیں جو موجود نہیں ہیں۔ اِس لحاظ نے آپ امت کو نص کے مرتفع ہو جانے اور التباس کے غلط کر دینے سے مستغنی کر دیا۔ غائب تک پہنچانے کا حکم دیا تا کہ وہ آپ کے انذار کو جان لے اور اُس کے ظاہر سے دلیل پکڑے۔

آپ نے حکم دیا کہ میرے احکام دوسروں تک پہنچانا لیکن میری جانب سے جھوٹی روایت نہ کرنا کیونکہ جن لوگوں تک میرے احکام پہنچائے جائیں گے اُن میں بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بیان

کرنے والوں سے زیادہ محفوظ کریں گے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاملِ فقہ سے وہ شخص زیادہ فقیہ ہوتا ہے جس تک وہ بات پہنچائی جائے۔ فخرِ دو عالم ﷺ نے شریعتِ مطہرہ کے امور کو نص کے ساتھ محکم بیان فرمایا اور حاضر و غائب، قریب و بعید سب کے لیے عام حکم رکھا کہ احکامِ شریعت ہر کسی تک پہنچا دیے جائیں اور اس طرح اُمت کے حقوق پورے فرما دیے تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی قسم کی کوتاہی نہ رہ جائے اور اُمت کے مصالح میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ سارا کام ایک قلیل مدت میں انجام دیا۔ آپ نے کوئی طویل زمانہ نہیں پایا تھا کہ تمام امور کو ہر شخص تک پہنچایا جا سکتا۔ لیکن تھوڑی سی مدت میں اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینا بھی ایک عدیم النظیر معجزہ ہے۔

چھٹی خصلت

فخرِ دو عالم ﷺ کا دشمنانِ دین سے جہاد کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا حالانکہ اُنہوں نے ہر چہار جانب سے آپ کو گھیر رکھا تھا اور آپ کو پوری طرح نرغے میں لیا ہوا تھا۔ آپ اس وقت بے یار و مددگار تھے صرف چند نفوس ساتھ تھے جو آپ کی برکت سے بڑھتے گئے، کمزور سے طاقتور اور مغلوب سے غالب ہوئے۔ اپنی طاقت اور شدت کے باعث دشمنوں سے محفوظ رہے اور اُن کے مقابلے میں رعب کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے دو امور کو بیک وقت حاصل کیا۔ اوّلاً دین کے پھیلنے اور غالب ہونے تک شب و روز اُس کے اہتمام میں مصروف رہے۔ ثانیاً دشمن پر غالب آنے تک اُن کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔ اِن دونوں امور میں اس درجہ کامیابی و کامرانی حاصل کر لینا اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔

ساتویں خصلت

حبیب پروردگار، احمد مختار ﷺ کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ آپ لڑائیوں میں شجاعت اور دلیری کا ایسا مظاہرہ فرماتے جو اپنی مثال آپ ہے نیز دشمن کے مقابلے میں محیر العقول صبر و استقلال اور جرأت و دلیری دکھاتے حتیٰ کہ میدان کارزار میں گھس جاتے اور وہاں بھی دشمن کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے، یہاں تک کہ فتح و کامرانی سے دوچار ہو جاتے یا بطریقِ احسن اپنا دفاع کرتے، لیکن نہ کبھی اپنے مقام سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹے اور نہ کبھی مرعوب ہوئے بلکہ اطمینان اور سکون کے ساتھ قدم جمائے رکھتے۔

غزوۂ حنین میں جبکہ صحابۂ کرام کے قدم اُکھڑ گئے تھے تو آپ دشمن کی ایک بہت بڑی ٹولی کے مقابلے پر کھڑے تھے۔ اُس وقت آپ کے گرد اہلِ بیتِ اطہار اور صحابۂ کرام سے صرف نو افراد تھے۔

اُس وقت آپ ایک سست رفتار خچر پر سوار تھے۔ آپ اصحاب کو پکارتے اور خود کو ظاہر کر رہے تھے چنانچہ آپ اعلان فرما رہے تھے: اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹی بات نہیں اور عبدالمطلب کا بیٹا میں ہوں۔ صحابۂ کرام نے جب آپ کی آواز سنی تو جہاں بھی وہ اپنے حال میں گرفتار تھے وہاں سے آپ کی جانب لوٹے۔ قبیلہ ہوازن والے آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن ہیبت کے مارے آپ کے نزدیک پھٹکنے سے کتراتے رہے۔ آپ کبھی دشمن کی ٹڈی دل فوج سے بھی نہیں ڈرے اور نہ کسی مقابلہ کرنے والے حملہ آور سے کبھی کترائے۔

پروردگارِ عالم نے طاقتور لشکروں کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی، جو آپ کی آواز پر لبیک کہتے تھے، چنانچہ وہ ایک جگہ جمع ہوئے اور آپ صبر واستقلال کا مظاہرہ فرماتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی (یعنی فرشتے بھیج دیئے) آپ کی شجاعت کا یہ ایسا مظاہرہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ایک پریشان کُن آواز سنی گئی (جیسا کہ وہاں خطرے کے وقت آواز دینے کا رواج تھا) لوگ اس آواز کی جانب دوڑے لیکن رسول اللہ ﷺ سب سے اس قدر سبقت لے گئے تھے کہ آپ انہیں واپس لوٹتے ہوئے ملے۔ چنانچہ آپ ﷺ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے دستِ اقدس میں تلوار تھی فرمایا: لوگو! مت گھبراؤ، مت گھبراؤ۔ اِس کے بعد ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ہم نے تمہارے گھوڑے کو دریا کی طرح تیز رفتار دیکھا ہے، حالانکہ وہ گھوڑا بالکل سست تھا۔ اُس روز سے گھوڑے کی یہ حالت ہوگئی کہ کوئی تیز رفتار گھوڑا بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

یہ بے خوفی اِسی وجہ سے تھی کہ آپ ﷺ کا اِس بات پر کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ ﷺ کی مدد کرے گا اور آپ کے دین کو جلد غلبہ دے گا، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے وعدہ فرمایا ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح:28)

"تا کہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے"۔

اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق میں ہے:

زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا سَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ مَازُوِيَ لِيْ مِنْهَا۔ (ص ۱۰۲)

"میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی ہے، پس میں نے اُس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا ہے۔ عنقریب میری اُمت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی

گئی ہے''۔

نبی کریم ﷺ کا حق کو قائم کرنا، یہی گواہ آپ کی صداقت کیلئے کافی ہے۔

آٹھویں خصلت

نبی آخرالزماں ﷺ کو سخاوت عطا فرمائی گئی تھی، حتیٰ کہ جو چیز بھی موجود ہوتی آپ دوسروں کو مرحمت فرما دیتے لیکن مطلوب ومحبوب کو ترجیح دیتے۔ جب آپ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کی زرہ چند سیر جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، جو آپ نے گھر والوں کے لئے اُس سے حاصل کیے تھے، حالانکہ اُس وقت جزیرۂ عرب کے سفید وسیاہ کے مالک آپ تھے۔ عرب میں کتنے ہی بادشاہ دولت مند تھے، جن کے پاس خزانے اور دولت کے ذخیرے تھے، جن کے باعث وہ فخر کیا کرتے تھے اور خوش رہتے تھے لیکن آپ نے اُن علاقوں کو فتح کرلیا اور اُن کے ملک اب آپ ﷺ کے زیر فرمان تھے لیکن آپ ﷺ نے درہم ودینار قطعاً جمع نہ کیے بلکہ خشک کھانا کھاتے، موٹا اور سخت لباس پہنتے لیکن سخاوت خوب کرتے۔ بڑی بڑی جماعتوں میں دولت تقسیم کردیتے اور خود معمولی کھانے پر اکتفا کرتے۔ فاقوں پر صبر کرتے حالانکہ قبیلہ ہوازن سے آپ کو بکثرت مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قیدی.................چھ ہزار (۶۰۰۰)

۲۔ اونٹ...............چوسٹھ ہزار (۶۴۰۰۰)

۳۔ بکریاں.............چالیس ہزار (۴۰۰۰۰)

۴۔ چاندی...............چار ہزار اوقیہ (۴۰۰۰)

یہ سارا مالِ غنیمت مستحقین میں تقسیم فرما کر کاشانۂ اقدس کی جانب خالی ہاتھ لوٹے۔

ابو وائل مسروق سے، اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے روایت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے درہم ودینار یا بکری اور اُونٹ وراثت میں نہیں چھوڑے اور نہ کسی چیز کے بارے میں وصیت ہی فرمائی۔ (صلی اللہ علیک یارسول اللہ)

عمرو بن مُرّہ حضرت سوید بن حارث سے اور وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے دنیاوی چیزیں خوش نہیں کرتیں اگر میرے پاس اُحد پہاڑ برابر بھی سونا ہوتو اُسے خدا کی راہ میں خرچ کردوں گا اور جس دن بھی وفات پاؤں تو میرے پاس قرض ادا کرنے کے علاوہ ایک دینار بھی باقی نہیں ہوگا۔ (سبحان اللہ)

رسول اللہ ﷺ سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا اور اُس وقت وہ آپ کے پاس نہ ہوتی تو آئندہ کے لیے وعدہ فرما لیتے لیکن نفی میں جواب نہ دیتے اور منعمِ حقیقی کی عطا کا انتظار کرتے۔ حماد بن زیاد نے حضرت یعلیٰ بن زیاد سے اور اُنہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ وہ بیٹھ گیا اور اسی دوران میں کئی سائل اور آ گئے، تو اُنہیں بھی بٹھاتے گئے، یہاں تک کہ ایک آدمی چار اوقیہ لے کر حاضرِ بارگاہ ہوا اور عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ صدقہ ہے۔ آپ نے پہلے شخص کو بلایا اور اسے ایک اوقیہ عطا فرمایا، پھر دوسرے کو بلایا اور ایک اوقیہ اسے مرحمت فرمایا، اسی طرح تیسرے کو عطا فرمانے کے بعد آپ کے پاس ایک اوقیہ بچ گیا۔ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو حاجت مند ہو اسے لے سکتا ہے۔ کوئی شخص لینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ جب رات ہوئی تو آپ نے سرہانے رکھ لیا۔ آپ اُونی کمبل پر آرام فرماتے تھے لیکن ساری رات نیند نہ آئی۔ صبح مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: یا رسول صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ کی طبیعت ناساز ہے؟ فرمایا: بحمد اللہ ٹھیک ہوں۔ عرض گزار ہوئیں: کیا اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اِس رات کوئی حکم نازل فرمایا گیا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی: آج رات آپ نے بڑی بیقراری سے گزاری ہے جبکہ اِس سے پہلے یہ حالت کبھی دیکھی نہیں گئی۔ آپ نے سرہانے کے نیچے سے وہ اوقیہ نکال کر دکھاتے ہوئے فرمایا: مجھے ساری رات اِس نے بے قرار رکھا ہے۔ میری پریشان حالی جو تم نے دیکھی وہ اِسی کے باعث تھی۔ میں ڈر رہا تھا کہ اسے فی سبیل اللہ خرچ نہیں کر سکا، مبادا ایسی حالت میں خدا کی طرف سے کوئی حکم آ جائے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اُنہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: میں مومنوں پر اُن کی جان سے بھی زیادہ مہربان ہوں۔ جس شخص نے مرتے وقت قرضہ چھوڑا وہ میرے ذمے ہے، اُسے میں ادا کروں گا اور جس نے مال چھوڑا وہ اُس کے وارثوں کے لیے ہے۔ کیا سخاوت کا ایسا عالم اور کسی جگہ نظر آیا ہے؟ کیا دنیا کے مال و متاع سے اعراض کرنے والا ایسا زاہد کوئی اور دیکھا یا سنا گیا ہے؟ آپ کی طرح دنیا سے اعراض کر کے زاہد بننا دوسروں سے بعید ہے۔ آپ کے اِن فضائل کے کچھ حصے کو بھی نہیں پایا جا سکتا اور نہ آپ کے بے شمار محاسن و کمالات سے کسی ایک خصلت ہی کو آپ کی طرح حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ کمالاتِ مصطفیٰ کی کسی کو غایت ہی معلوم نہیں اور نہ کسی دوسرے میں وہ کمالات کامل طور پر پائے ہی

جاسکتے ہیں تا کہ اُسے آپ کا ہم پلہ قرار دیا جاسکے۔لطف کی بات تو یہ ہے کہ دشمن بھی آپ کے کمالات کا انکار نہ کر سکے۔تمام منافقوں، محافظوں، زندیقوں اور ملحدوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا کہ وہ آپ کی کسی لغزش ہی پر مطلع ہو جائیں جو بغیر کسی قصد کے یا بے توجہی سے واقع ہوگئی ہوتا کہ اُس کے سبب آپ کی شانِ اقدس میں ایک گونہ اہانت جاری کر کے اپنے دلوں کی لگی بلکہ بھڑکتی ہوئی آگ بجھا سکیں، لیکن سعیِ بسیار کے باوجود وہ کسی لغزش پر مطلع ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔اِس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے کہ حاسدوں اور دشمنوں کی باریک بین اور عیب جُو نگاہیں بھی آپ کی کسی لغزش کا کھوج نہ لگا سکیں اور اُن عیب لگانے والوں اور رُسوا کرنے والوں کو نہ اہانت کی گنجائش ملی اور نہ طعن و تشنیع کا موقع۔آپ کا حال وہی ہے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

شَهِدَ الْاَنَامُ بِفَضْلِهٖ حَتّٰى الْعِدَآءُ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ(1)

جو فضیلت میں اُس کی غایت کو پہنچا ہو اور اُمور کی غایت کے اسباب کو کامل طور پر حاصل کر لیا ہو، وُہی ساری دنیا کی سیادت وقیادت کے لائق اور اصلاحِ خلق کی ذمہ داری کا اہل ہے۔نبوت سے بڑھ کر اور کون سی غایت ایسی ہے جس کے ذریعے اُمور کی اصلاح کی جاسکے اور فساد کا مادّہ دفع ہو جائے۔اِس کا مقتضیٰ یہی تھا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی اِس کے اہل ہیں اور اِن امور کا قیام آپ ہی کا مرہونِ منت ہے کیونکہ جب آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تو آپ ہی کے باعث اِن امور نے قرار پکڑا تھا۔جب آپ ان امور کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے تو اِس احسن طریقے سے حفاظت فرمائی کہ محافظت کا حق ادا کر دیا۔پس آپ ہی اُن کے لیے مناسب تھے اور وہ آپ ہی کے مناسب تھے۔اِن امور کی کفالت کا فریضہ آپ پر عائد ہوا تو اُس کی ادائیگی میں آپ نے ذراسی کوتاہی بھی واقع نہیں ہونے دی۔

جن دو چیزوں میں باہم مشابہت ہو، وہ متشاکل ہوتی ہیں اور جو متشاکل ہوں اُن کو ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے اور جو ایک دوسرے سے محبت کریں وہ آپس میں متفق ہوتے ہیں اور اتفاق و وفاق کی دلیل ہے جو ہر ایک انتظام کی دلیل اور ہر نظام کا قاعدہ وقانون ہے۔یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی بہت ہی واضح دلیل اور آپ کی رسالت کے سچے ہونے کا ظاہر نشان ہے۔ایسی وضاحت کے باوجود آپ کی فضیلت کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو شرفِ انسانیت ہی سے عاری ہو۔سب تعریفیں اُسی خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں آپ کی اطاعت کی توفیق بخشی اور آپ کی رسالت کو سچا ماننے کی جانب رہنمائی فرمائی۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

1۔لوگوں نے اُس کے فضل وکمال کی گواہی دی، حتیٰ کہ دشمنوں نے بھی، اور اعلیٰ فضیلت وہی ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔

بعثت اور استقرارِ نبوت

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اعلامِ نبوت'' کے اکیسویں باب میں لکھا ہے اور وہ آخری باب ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مبداء اور نبوت کا استقرار بیان کیا ہے۔ ہر کام جو مقدور ہوتا ہے جب وہ قریب الوقوع پہنچے تو خواہ اُس کا تعلق ڈرانے سے ہو یا خوشخبری سنانے سے، لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے سبب پوشیدہ اُمور کے مبادی کو ظاہر فرما دیتا ہے اور اُس کے قضا و قدر میں جو کچھ چھپا ہوا ہے اُس کی خبر دیتا ہے تا کہ یہ تعذیر و تحذیر کا کام دیں، جن کے باعث عقلیں بیدار ہوں اور جاہل ڈریں۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی ہے تا کہ وہ اچانک پیش آنے والے امور سے بچیں، جو اُنہیں تدابیر سے غافل کر دینے والے ہوں جبکہ وہ اُنہیں پوری تیزی کے ساتھ پہنچیں اور وہ ان کا دفعیہ نہ کر سکیں۔ آپ کی بعثت کے باعث نفوس کو اس قابل بنانا تھا تا کہ وہ پیش آمدہ حالات کی سختی کا دفاع کرنے اور اُن کی شدت سے نبٹنے کے اہل بن جائیں۔ جب فخرِ دو عالم ﷺ کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت میں مبعوث ہونے کا وقت قریب آیا، تا کہ مخلوقِ خدا کو خوشخبری دیں اور عذابِ الٰہی سے ڈرائیں، تو اُمم سابقہ میں بھی یہ چرچا عام تھا کہ عنقریب وہ وقت آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم الشان نبی کو بھیجے گا۔ جس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے کتاب مرحمت فرمائی تھی وہ حضرات اُس کتاب کے باعث آپ کو پہچانتے تھے اور جنہیں کوئی کتاب عطا نہیں فرمائی گئی تھی اُنہیں ایسی نشانیوں کے ذریعے آپ کی معرفت حاصل ہوئی جس پر عقلِ سلیم دلالت کرتی ہے نیز اُن قلبی جاسوسوں کے ذریعے الہامی طور پر مطلع ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دِلوں میں پیدا کر دیتا ہے اور پاکیزہ ذہن بھی اس معاملے میں معاون ثابت ہوتا ہے اور محتاط آدمی لوگوں کو ڈراتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس جانب توجہ بھی نہیں فرمائی تھی کہ اِس اعلان سے آپ ہی مراد ہیں اور دارین کی سیادت کے اہل صرف آپ ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے اوصاف کی منادی کر دی گئی اور جب آپ کو اعلان کرنے کا حکم ملا اُس وقت اظہار فرمایا تا کہ تہمت سے دور اور بدگمانی سے محفوظ رہیں۔ یہ آپ کی حقانیت کی واضح برہان اور غالب دلیل ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنے اخلاقی شرف اور مکرم طبیعت کے باعث اپنی قوم میں امتیازی مقام رکھتے تھے، بایں وجہ نہ کسی کے سامنے آپ نے بتوں کی تعریف کی اور نہ اُنہیں کسی طرح کی تعظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ تمام فقہاء اور متکلمین کے نزدیک آپ توحید، قِدمِ باری تعالیٰ، حدوثِ عالم، شکرِ منعمِ حقیقی، انسدادِ ظلم و ستم، ضرورتِ انصاف اور امانت واپس لوٹانے کو بمقتضائے عقل جانتے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔

اہلِ علم حضرات کا اِس بات میں اختلاف ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ بعثت سے پہلے کس نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔ اکثر متکلمین اور بعض وہ فقہاء جو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اصحاب تھے اِس جانب گئے ہیں کہ گزشتہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اگر آپ کسی بھی نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تو پہلے اُسے سیکھنا پڑتا اُس کے بعد ہی عمل کر پاتے، عمل کرنے سے وہ شریعت ظاہر ہوتی اور شریعت کے ظاہر ہونے سے لازمی طور پر بعض لوگ آپ کی موافقت کا دم بھرتے ہوئے پیروی کرتے جبکہ بعض مخالف جھگڑتے اور مخاصمت پر آمادہ ہو جاتے۔

بعض متکلمین اور امام شافعی و امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اصحاب سے بعض فقہائے کرام اِس طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انبیائے گزشتہ کی شرائع کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے کیونکہ اُن انبیائے کرام نے اپنے زمانے والوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کو اپنی شریعتوں کی دعوت دی تھی اور اُن کی شریعت اُس وقت تک جاری رہتی تھی جب تک دوسری شریعت آ کر اُسے منسوخ نہ کرے۔ بعثت سے پہلے بھی آخرالزماں ﷺ بھی اِس دعوت کے عموم میں داخل تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانے کو شریعت سے کبھی خالی نہیں رکھا اور نہ ایسے متدیّن لوگوں سے خالی رکھتا ہے جو دوسروں سے سن کر عبادت کرتے ہیں۔

اِس مذہب کے قائلین میں بھی اختلاف ہے کہ آقائے نامدار، احمد مختار ﷺ پہلی شریعتوں میں کس نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (بقرہ)

''اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوائے اس کے جو دل کا احمق ہے''۔

علاوہ بریں آپ حج اور عمرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے طریقے پر کاربند تھے۔ بعض اِس طرف گئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عامل تھے، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے منسوخ نہیں کیا تھا کیونکہ پہلی شریعتیں مِٹ چکی تھیں اور توریت کے ذریعے صرف موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی کے احکام واضح تھے، اِسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (مائدہ:44)

''بے شک ہم نے توریت اتاری اُس میں ہدایت اور نور ہے''۔

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے کیونکہ اُن کی شریعت نے شریعتِ موسوی کو منسوخ کر دیا تھا۔ اِس طرح بعثت سے پہلے اپنے دین میں حرج واقع ہونے اور یقین میں قدح کے خدشات سے محفوظ رہے۔ یہی تو شانِ مصطفائی کی نشانیاں اور منصبِ مجتبائی کا مقدمہ ہے۔ (صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ)

جب اعلانِ نبوت کا وقت ثابت ہوا اور قریب آیا اور حبیبِ خدا ﷺ اپنی دنیاوی حیات کی چالیس منزلیں طے کرنے والے تھے تو اللہ رب العزت نے آپ کو خلوت پسند کر دیا کیونکہ آپ کی عمر پختہ اور قویٰ مضبوط ہو چکے تھے اور اِس طرح اُس امانت کو بطریقِ احسن سنبھالنے کے قابل ہو چکے تھے جو آپ کے لیے مقدّر فرما دی گئی تھی۔ وقتِ معیّنہ سے پہلے غارِ حرا کے اندر چند راتیں آپ نے تنہائی میں گزاریں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ قریش کی عادت کے مطابق سال میں ایک مہینہ آپ غارِ حرا میں مجاورت کیا کرتے تھے۔ اِس سے مقصود نیکی حاصل کرنا ہوتا اور ایک ماہ کے بعد اپنے اہل وعیال میں واپس لوٹ آتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے بارِ نبوت کی امانت آپ کے سپرد کرنے کا ارادہ فرمایا تو غار میں اتنے دنوں تک خلوت گزیں رہے کہ کھانے پینے کی چیزیں آپ کے لیے غار ہی میں پہنچائی جاتی تھیں۔ آپ اُن میں سے خود کھاتے اور غرباء ومساکین کو کھلایا کرتے تھے۔ جب آپ غار میں گوشہ نشین تھے اُس وقت بھی آپ کا دعوئ نبوت کی طرف کوئی ارادہ نہیں تھا حالانکہ بعض لوگوں کو ایسا گمان گزرتا تھا اور اہلِ کتاب کے نزدیک تو آپ کا نبی آخرالزماں ہونا بالکل واضح تھا۔ نبوت کے متعلق آپ کا ایک لفظ بھی قبل بعثت زبان پر نہ لانا اِسی وجہ سے تھا تا کہ ابتدائی حصہ بھی تصنّع اور تکلّف سے مانع رہے اور نبوت کے دعوے کو اختراع کی جانب منسوب نہ کیا جا سکے۔ اگر آپ تصنّع سے کام لیتے یا اختراع کرتے تو اُس کے اسباب ضرور ظاہر ہوتے اور اُس کے بارے میں شہادتیں درجۂ شہرت تک پہنچ جاتیں اور معاندین کے لیے انہیں مشہور کرنے میں جھجک کیا تھی؟ نیز آپ سے محبت رکھنے والے اِس صورت میں تاویل کی راہیں مسدود پاتے۔ اہلِ علم ودانش کے لیے یہی وضاحت کافی ہے جو تہمت سے بعید اور بدگمانی سے محفوظ رکھنے والی ہے۔

سرورِ کون ومکاں ﷺ برابر خلوت گزیں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے نبوت کی نشانیاں ظاہر فرما دیں اور غفلت وعدمِ التفات سے بیدار کر کے کچھ عرصے بعد اِس امر کی بشارت دی، پھر بشارت کے بعد آپ کو منصبِ رسالت پر فائز کر دیا۔ اِس دور میں بتدریج آپ کے احوال کو

اِس طرح ترقی دی گئی کہ بارِ نبوت کے متحمل ہو سکیں اور اِس کے حقوق ولوازم سے آشنائی ہو جائے۔ یہ احوال اچانک یا بغیر کسی ترتیب کے نہیں تھے، جس سے عدم توجہی اور حقوق کے مخفی رہنے کے باعث کمزوری آنے کا خدشہ رہتا ہے بلکہ خاص نظم وضبط کے ماتحت تھے کیونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور یہ خاص الخاص انعام تھا اور وہی منعمِ حقیقی اُمتِ مرحومہ کو آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کی جانب بلانے والا ہے۔ اللہ ہر عیب سے پاک اور اپنی مخلوق سے خاص بندوں کو خصوصی انعامات سے نوازنے والا ہے۔

جس کی نبوت کے احوال اِس ترتیب سے ہوں کہ ایک وقت آنے پر اُسے صاف طور پر مطلع کر دیا جائے کہ وہ نبی مبعوث اور رسول مبلّغ ہے، اُس کے یہ تدریجی احوال چھ مراتب پر منقسم ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اِن میں سے ایک حال سے دوسرے کی طرف ترقی فرماتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ جملہ مراتب کو طے کر کے منتہائے کمال کو پہنچ گئے۔ مذکورہ مراتب حسبِ ذیل ہیں:

پہلا مرتبہ

فخرِ دوعالم ﷺ کا پہلا مرتبہ رؤیائے صالحہ تھے، تاکہ آپ اِس جانب مائل ہو جائیں کیونکہ اُن کے ذریعے ایک ایسی بات کا ذکر کرنا تھا جس سے آپ خوش ہو جائیں اور اوسان علیٰ وجہ الکمال مجتمع رہیں، تاکہ جب آپ کو مبعوث فرمایا جائے تو پیشگی اطلاع کے سبب تقویت کا فائدہ حاصل ہو جائے۔

زہری نے حضرت عروہ سے اور اُنہوں نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت سچے خوابوں سے شروع ہوئی، جن کی تعبیر صبحِ منور کی طرح سامنے آجاتی تھی، یہاں تک کہ آپ پر وحی لے کر فرشتہ نازل ہوا۔ مذکورہ خوابوں کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ آیا وہ غارِ حرا میں خلوت گزینی کے دوران دیکھے یا اِس سے پہلے؟

حضرت عروہ نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بطور حکایت بیان کیا ہے کہ رؤیائے صادقہ کے بعد آپ کا رُجحان خلوت کی جانب ہوا تھا۔ لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کو خلوت کے بعد ایسے خواب نظر آئے تھے کیونکہ آپ نبوت کی جانب سے عدمِ التفات کی حالت میں خلوت گاہ کی طرف گئے تھے۔

برّہ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے آخری رسول کو منصبِ نبوت مرحمت فرمانا چاہا تو آپ جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے، وہ عرض کرتا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر سلام ہو) آپ

صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں اور پیچھے مُڑ کر دیکھتے تو کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ ایک احتمال یہ ہے کہ ایسے واقعات خوابوں سے پہلے پیش آئے ہوں گے اور یہ غیبی آوازیں ہوں جو اعلامِ وحی کا حصہ اور اعجازِ نبوت کی دلیل ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایسے واقعات خوابوں کے بعد پیش آئے ہوں، جن کا مقصد نبوت کی تصدیق اور اُس کی صحت کی تحقیق ہو۔

دوسرا مرتبہ

سرورِ کون ومکاں ﷺ کا دوسرا مرتبہ جس کے باعث آپ ﷺ ساری مخلوق سے ممتاز ہیں، وہ آپ ﷺ کا جملہ عیوب سے مبرّا اور نجاستوں سے پاک صاف رہنا ہے، تاکہ اِس کمال کے باعث آپ کو ساری مخلوق سے چن لیا جائے اور کدورتوں سے پاک ہونے کی وجہ سے قربِ خاص میں لیا جائے۔ یہ منصبِ نبوت کے سبب اِنذار اور اُخروی معاملات سے باخبر کرنا ہے، جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اعلانِ نبوت سے پہلے حالات دریافت کیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے جبکہ میں مکہ معظمہ کی وادیِ بطحاء میں تھا، اُن میں سے ایک زمین پر تھا اور دوسرا زمین وآسمان کے درمیان۔ ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا: کیا یہ شخص وہی ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: ہاں یہ وہی ہے۔ پہلا کہنے لگا: اچھا اِن کا ایک اُمتی کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ میرے ایک امتی کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو میں بھاری نکلا۔ وہ پھر کہنے لگا: اچھا دس مردوں سے اِن کا وزن کرو۔ دس آدمیوں کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو میں بھاری رہا۔ اُس نے پھر کہا: ایک سو کے ساتھ وزن کرو۔ اِسی طرح میرا وزن کیا گیا اور بھاری میں نکلا۔ پھر ایک ہزار کے ساتھ وزن کرنے کے لیے کہا اور تولنے پر جب میں وزنی نکلا تو اُنہیں ترازو کے پلڑے سے نکالتے ہوئے ایک دوسرے سے کہنے لگے: اگر اِن کا ساری اُمت کے ساتھ وزن کیا جائے تو بھاری یہی نکلیں گے۔ اُن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اِن کا شکم مبارک چاک کرنا چاہیے۔ چنانچہ میرا پیٹ چاک کیا گیا۔ پھر کہنے لگا: اِن کا دل بھی چیرنا چاہیے۔ پس اُنہوں نے میرا دل بھی چیرا اور اُس میں سے گوشت کا جما ہوا حصہ نکال لیا اور شیطان کے وسوسہ کرنے کی جگہ بھی۔ پھر کہنے لگا: اِن کے شکم مبارک کو برتن کی طرح اور قلبِ اطہر کو کپڑے کی طرح خوب دھویا جائے۔ پھر سکینہ طلب کی اور اُسے میرے قلب میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے میرے شکم کو سینے کا حکم دیا تو وہ سی دیا گیا اور اِس کے بعد وہ چلے گئے۔ یہ واقعہ میں نے اِس طرح دیکھا گویا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کو منصب نبوت کے تفویض فرمانے کا وقت قریب ہوا۔ آپ کعبہ کے نزدیک سوئے ہوئے تھے اور قریشِ مکہ بھی کعبہ کے اردگرد سویا کرتے تھے۔ اُس وقت حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے آپ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ہمیں سرورِ کائنات کے متعلق حکم ملا ہے۔ اِس کے بعد وہ چلے گئے اور دوسری رات بھی حاضر ہوئے لیکن اس دفعہ وہ تین تھے۔ اُنہوں نے اِس دفعہ بھی فخرِ دوعالم ﷺ کو سوتے ہوئے پایا۔ پس آپ کو چت لٹایا، شکم مبارک کو چیرا، اور آبِ زمزم لاکر اُس سے خُوب دھویا اور جو بھی شک وشبہات اور جاہلیت وغیرہ کے مواضع بتقاضائے بشریت ہوتے ہیں اُنہیں دھوکر دور کردیا۔ اِس کے بعد سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان وحکمت سے لبریز تھا اور سارا نورِ ایمان مع حکمت قلبِ مصطفیٰ میں رکھ دیا گیا۔ یہ حدیث بھی معناً حدیثِ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق ہے اگرچہ بعض الفاظ مختلف ہیں۔ یہ دونوں روایتیں انذارِ نبوت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

تیسرا مرتبہ

فرشتے کا نبی آخرالزماں ﷺ کو نبوت کی بشارت دینا۔ اُس کا یہ بشارت دینا تکلیف وانذار سے خالی اور صرف ایک خبر تک محدود تھا کیونکہ آپ پر اُس وقت نہ کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ کسی پیغام رساں کو آپ نے بچشمِ خود دیکھا، حالانکہ فرشتے کا یہ احساس بھی واضح دلالت کرنے والی نشانی سے ملحق اور قریب تر ہے، جو مشاہدے کا قائم مقام اور بالمشافہ گفتگو سے بے نیاز کرنے والا ہے اور اِس کے ذریعے یہی بتانا مقصود تھا کہ وہ زمرۂ انبیائے کرام کے ایک فرد ہیں اور اِس طرح وحی سُننے کے لیے تیار ہو جائیں اور مشقت وتکالیف کے صبر وسکون کے ساتھ متحمل ہوسکیں اور اُس کے انعامات پر شکرگزار رہیں۔

امام شعبی اور داؤد بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت سے اسرافیل علیہ السلام کو تین سال تک قریب رکھا۔ آپ اُن کی معیّت کو محسوس کرتے تھے لیکن نظر کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ وہ آپ کو یکے بعد دیگرے کسی نہ کسی چیز کی خبر دیتے رہتے تھے لیکن وہ قرآن نازل نہیں کرسکتے تھے۔ اِس تین سالہ مدت گزرنے کے بعد نبوت کی بشارت دی گئی لیکن امت کی طرف اس وقت تک مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے۔ احتمال یہی ہے کہ اس مہلت سے فرائض رسالت سے آپ کی امداد واعانت مقصود ہو۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس مہلت سے اُمتِ مرحومہ پر شفقت فرمائی گئی ہو۔ تیسرا احتمال مصلحتِ وقت کا ہوسکتا ہے۔ مذکورہ سارے احتمالات کا پایا جانا بھی ممتنع نہیں

ہے کیونکہ ظاہر اور پوشیدہ معانی کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

چوتھا مرتبہ

اللہ جل شانہٗ کی طرف سے نبیِ آخر الزماں ﷺ کی جانب حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُنہیں دیکھا، اُن کی باتوں کو سنا اور اُنہوں نے بالمشافہ خبر دی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ یہ معاملہ اِسی اطلاع تک محدود ہے۔ اِس کے علاوہ آپ کو انذار کا حکم نہیں ملتا کہ آپ کو بشارت کے بعد اِس کا عین الیقین حاصل ہو جائے اور وثوق میں زیادتی ہو جائے اور اِس کے بارے میں خود آپ کا علم ایسا راسخ و صادق ہو جائے کہ اِس کی جانب وہم اور شکوک و شبہات کو کوئی راستہ نہ مل سکے۔

زہری نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نبوت دیے گئے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ فرماتے ہیں کہ میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، حالانکہ اُس وقت میں کھڑا تھا۔ اِس کے بعد میں (غارِ حرا سے) واپس لوٹ آیا اور میرے کندھے بھی مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔ میں خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آیا اور اُن سے کہنے لگا کہ مجھے کپڑا اُڑھاؤ، مجھے کپڑوں میں لپیٹ دو۔ تھوڑی دیر بعد یہ خوف و ہراس دور ہو گیا۔ اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام پھر حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں جبرئیل ہوں اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔

اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے کہا: پڑھیے۔ میں نے پوچھا: کیا پڑھوں؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینے سے لگا کر تین مرتبہ زور سے دبایا اور دبانے میں خوب زور لگایا یا دبانے سے مجھے تنگی ہو رہی تھی اِس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ ”پڑھو اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا“۔

میں خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس آیا اور اُن سے کہنے لگا کہ مجھے اپنی ہلاکت کا پورا خطرہ ہے اور اِس کے ساتھ ہی سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اُنہوں نے کہا: یہ تو آپ ﷺ کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ ﷺ صِلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانت کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں، مشکلات برداشت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور نیکی کے کاموں میں دوسروں کی مدد فرماتے ہیں۔ اِس کے بعد وہ مجھے اپنے چچا زاد بھائی

ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو حق کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ تورات و انجیل کا عالم تھا اور نصرانی مذہب قبول کر چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ بن نوفل سے کہا کہ اپنے بھتیجے (بلحاظِ عمر بھتیجا کہا ہوگا) کی بات سنئے۔ ورقہ بن نوفل نے مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو سنتے ہی کہنے لگا: یہی تو وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اُس کا نام جبرئیل علیہ السلام ہے۔ کاش! میں اُس وقت تک زندہ رہوں جب قوم آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دے گی۔ میں نے کہا: کیا لوگ مجھے میرے شہر سے بھی نکال دیں گے؟ جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہوگا کیونکہ جس پیغامِ حق کو لے کر آپ اُٹھنے والے ہیں، جو فرد بھی اس پیغام کو لے کر آیا اُس کے ساتھ معاندانہ برتاؤ ہی ہوتا رہا ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی پوری طرح مدد کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہی سب سے پہلی وحی ہے۔ اِس کے بعد سورۂ القلم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ (القلم)

"قلم اور اس کے لکھے کی قسم۔ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لیے بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے"۔

اِن آیات کا اُس وقت نزول اِس غرض سے ہوا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ ثابت قدم ہو جائیں، نورِ بصیرت میں اضافہ ہو اور اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئیں، کیا جب آپ کے صاحب (جبرئیل علیہ السلام) حاضرِ بارگاہ ہوں تو اُن کی آمد سے مجھے مطلع فرمایا جا سکے گا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ عرض کی: جب بھی وہ آئیں تو مجھے ضرور اطلاع دینا۔ جب جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا: اے خدیجہ! یہ جبرئیل آ گئے ہیں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حاضر ہو گئیں اور کہنے لگیں: یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ﷺ یہاں سے اُٹھ جائیں اور میری بائیں ران پر بیٹھ جائیے۔ آپ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بائیں ران پر جا بیٹھے۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: کیا جبرئیل علیہ السلام اب بھی آپ کو نظر آ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

B

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں: اب آپ ﷺ میری دائیں ران پر آ جائیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ اُن کی دائیں ران پر بیٹھ گئے تو اُنہوں نے پوچھا: کیا اب بھی آپ ﷺ اُس فرشتے کو دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اب آپ میری گود میں تشریف فرما ہو جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اُن کی گود میں بیٹھ گئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: کیا اب بھی آپ ﷺ اُنہیں دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمال حسرت کے ساتھ اپنا دوپٹہ مبارک سر سے اتار دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ اُس وقت اُن کی گود میں جلوہ افروز تھے۔ اِس کے بعد پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا اب بھی آپ ﷺ اُس فرشتے کو دیکھ رہے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے اِس مرتبہ نفی میں جواب دیا۔

یہ جواب سن کر خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں: اے میرے چچا کے بیٹے! ثابت قدم رہیے، یہ آپ کے لیے خوشخبری ہے کیونکہ خدا کی قسم، وہ آنے والا یقیناً فرشتہ ہے اور شیطان ہرگز نہیں۔ چنانچہ اُسی وقت وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور وہ سب لوگوں سے پہلے مسلمان ہونے والی ہیں(1)۔ اِس موقع پر جو کچھ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا وہ صرف اُن کی ذات سے متعلق تھا کہ حق کو ظاہر دیکھنا چاہتی تھیں۔ اُن کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر حق ظاہر ہو جائے اور اِس کا غالب یقین ہو جائے۔ چونکہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے اِسی برحق معجزے کو دیکھنا چاہتی تھیں، اِسی لیے رسول اللہ ﷺ بھی صرف جبرئیل علیہ السلام کی تصدیق کرنے پر ہی اکتفا فرماتے رہے تھے۔

اِس دوران میں جو کچھ بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر نازل ہوتے رہے وہ صرف نبوت کے بارے میں خبریں تھیں تاکہ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو چن لیا ہے اور اس طرح آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں اور جو احکام آپ ﷺ پر نازل ہوں اُن کے لیے پورے طور پر خود کو وقف کر دیں۔ اِس طرح قبل ازیں آپ ﷺ احکامِ الٰہی کے پوری طرح متبع ہو جائیں اور جو کچھ اُنہیں مرحمت فرمانے کا ارادہ کیا گیا ہے اُس کے پوری طرح متوقع رہیں۔ اِس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو اعلانِ نبوت کی اجازت تو مل گئی لیکن ابھی تبلیغ و انذار کی اجازت نہیں ملی تھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1۔ اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے: ؎

سیما، پہلی ماں، کہفِ امن و اماں ۔۔۔ حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی ۔۔۔ اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ ”اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو“۔
یعنی نبوت کے بارے میں جو خبریں آپ کو دی گئیں اُن کے ذکر کی اجازت دی، چنانچہ آپ چھپ کر اِس کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

پانچواں مرتبہ

سرورِ کون و مکاں ﷺ کا پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ آپ کو منصب نبوت کے بعد تبلیغ و انذار کا حکم ملا، منصبِ رسالت تفویض ہوا اور اوامر و نواہی کے ساتھ قرآنِ کریم نازل ہونا شروع ہوا جس کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تھا لیکن س وقت تک آپ کو ڈنکے کی چوٹ نبوت کا اعلان کرنے اور عام تبلیغ و انذار کا حکم نہیں دیا گیا تھا، تاکہ جو آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اس کی تخصیص ہو اور جو آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لے وہ اپنے عزم میں پختہ ہو جائے۔ اللہ جل شانہٗ نے مندرجہ ذیل آیات اِسی بارے میں نازل فرمائیں:

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ (مدثر)

”اے بالا پوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈرسناؤ اپنے رب کی ہی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے دور رہو اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کیے رہو“۔

وحی و انذار کے ساتھ آپ کی نبوت مکمل ہو گئی اگر چہ وہ ابھی پوشیدہ تھی۔ نزولِ وحی اور منصبِ نبوت کا حصول رمضان المبارک میں دوشنبہ (بروز پیر) کو ہوا۔ ہشام بن محمد کہتے ہیں کہ ہفتہ اور اتوار کی رات جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تھے لیکن آپ ﷺ کے لیے پیغامِ رسالت لے کر پیر کے روز حاضر ہوئے۔

حضرت ابوقتادہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میری پیدائش کا دن ہے اور اِسی روز مجھے نبوت عطا فرمائی گئی۔ ہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ اُس پیر کو رمضان المبارک کی کون سی تاریخ تھی؟ ابوقلابہ نے کہا کہ اٹھارہ تاریخ تھی اور ابوخلد نے چوبیس بتائی۔ اکثر کا یہی قول ہے کہ اُس وقت آپ ﷺ چالیس سالہ تھے اور عام الفیل کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر تینتالیس برس تھی۔

ہشام بن محمد نے کہا کہ کسریٰ پرویز کی حکومت سے بیس برس بعد اور بقول بعض سولہ برس بعد آپ پر وحی نازل ہوئی۔ روایت کی گئی ہے کہ اس کے بعد منگل کے روز دوبارہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے جبکہ آپ مکہ مکرمہ کے بالائی جانب تشریف فرما تھے وادی کے ایک جانب جبرئیل علیہ السلام نے ایڑی ماری تو وہاں سے پانی کا چشمہ بہہ نکلا اور جبرئیل علیہ السلام نے وضو کی کیفیت بتانے کی خاطر خود وضو کیا اور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انہیں دیکھ کر وضو کیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا کی۔ یہ پہلی نماز ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض ہوئی تھی۔ اِس کے بعد جبرئیل علیہ السلام واپس چلے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے آئے اور اُن کی تعلیم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وضو سے فارغ ہوئیں تو اُنہیں اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ اُمتِ مرحومہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ فرد ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے وضو کیا او نماز پڑھی۔ اِس عرصے میں جس شخص کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکار اور بحث و تکرار کا خطرہ نہ ہوتا اُسے چھپ کر تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ اِس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والا کون ہے؟ اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول

یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور اُس وقت وہ نو برس کے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ دس برس کے تھے۔ یہ جابر بن عبداللہ اور زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ یحییٰ بن عفیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ جب وہ زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آئے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ٹھہرے۔ جب سورج نکلا اور وہ آسمان میں بلند اور روشن ہوا، تو ایک نوجوان آیا اور اُس نے آسمان کی جانب نظر اُٹھائی اور کعبے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکا آ گیا اور اُس کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک عورت آئی اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اُس نوجون نے رکوع کیا تو لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ وہ نوجوان رکوع سے اُٹھا تو وہ دونوں بھی اُٹھ گئے۔ وہ نوجوان سجدے میں گیا تو اُس کے ساتھ وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔ عفیف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: یہ کیا عجیب و غریب معاملہ ہے؟ کیا آپ اِنہیں جانتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا: ہاں، وہ نوجوان میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

وہ لڑکا بھی میرا ہی بھتیجا علی بن ابوطالب ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور وہ عورت میرے اُسی نوجوان بھتیجے کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ آسمانوں کے رب نے اُنہیں ایسا ہی حکم دیا ہے، جیسا کہ آپ نے ابھی دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم، اِس وقت روئے زمین پر اِن تینوں کے سوا کوئی اور میرے علم میں اِس دین پر نہیں ہے۔

دوسرا قول

یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے اور نماز پڑھی۔ یہ ابن عباس اور ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ ابوامامہ باہلی نے عمرو بن عنبسہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ عکاظ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دین میں آپ کے پیروکار کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: دو مرد میری اتباع کررہے ہیں، جن میں سے ایک آزاد ہے اور دوسرا غلام۔ یعنی آزاد سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلام سے مراد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اتنا سنتے ہی میں نے اسلام قبول کرلیا اور اِس لحاظ سے میں اپنے آپ کو چوتھا مسلمان شمار کرتا تھا۔ (پہلے تین حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ہیں)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والا کون ہے؟ تو اُنہوں نے کہا: کیا تم نے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار نہیں سنے ہیں؟

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِّنْ اَخِيْ ثِقَةٍ   فَاذْكُرْ اَخَاكَ اَبَابَكْرٍ بِمَا فَعَلَا

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ اَتْقَاهَا وَاَعْدَلُهَا   بَعْدَ النَّبِيِّ وَاَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

اَلثَّانِيْ التَّالِيْ الْمَحْمُوْدُ مَشْهَدُهٗ   وَاَوَّلُ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

"(۱) جب کسی ثقہ بھائی کی تو حاجت یاد کرے تو اپنے بھائی ابوبکر کو اُن کے افعال وکردار کے سبب یاد کرلیا کر۔

(۲) نبی کریم ﷺ کے بعد وہ ساری مخلوق سے بہتر، متقی اور عادل تھے اور جس ذمہ داری کا بار اٹھاتے اُسے نبھاتے تھے۔

(۳) وہ دوسرے اور بعد میں آنے والے ہیں، اُن کا مشہد محمود ہے اور مخلوق میں وہ سب سے پہلے ہیں جنہوں نے رسولِ خدا کی تصدیق کی"۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تیسرا قول

یہ ہے کہ سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے۔ یہ عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جس شخص کے بارے میں وثوق ہوتا اُسے اسلام کی دعوت دیتے کیونکہ جس وقت آفتابِ ہدایت جلوہ فگن ہوا اُس وقت وہ تاجر تھے وہ قریش میں ایک بااخلاق اور عالی نسب تھے اور اپنی قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ خوب حسنِ تالیف سے کام لیتے اور قریش کی مجالس میں اکثر شرکت فرمایا کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرفِ اسلام اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے تھے، جبکہ وہ اُنہیں بارگاہِ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے تو اُنہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا اور نماز پڑھی اور سابقین کے ساتھ مل کر حلقہ بگوشانِ اسلام کی تعداد آٹھ ہوگئی، جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور نماز پڑھی۔ بعض نے کہا ہے کہ اِن حضرات کے ہمراہ حضرت سعید بن عاص اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی دولتِ اسلام سے مشرف ہوگئے تھے۔ اِس کے بعد پے در پے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اگرچہ رسول اللہ ﷺ پوشیدہ طور پر ہی تبلیغ کررہے تھے لیکن قریشِ مکہ کے اندر آپ کی اسلامی دعوت کا چرچا ہونے لگا تھا۔

چھٹا مرتبہ

امام المرسلین ﷺ کا چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ مخصوص انذار کے بعد آپ کو عموم انذار کا حکم مل گیا اور اسلام کی طرف پوشیدہ طور پر دعوت دینے کی جگہ آپ اعلانیہ لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے لگے کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری کلام میں یہ حکم نازل فرمادیا تھا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ (الحجر)

''تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو''۔

اِس حکمِ خداوندی کے بعد آپ کھل کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم آپ کے مبعث سے تین سال بعد دیا گیا اور اِس کام کی اپنے قریبی رشتہ داروں سے ابتدا کرنے کا حکم ہوا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ (الشعراء)

''اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور زور سے آواز دی یا صباحاہ اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبد مناف! یہاں تک کہ قریش کے ہر قریبی قبیلے کو یکے بعد دیگرے آواز دی، تو تھوڑی سی دیر میں وہ سارے کے سارے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ بات کیا ہے؟ فرمایا: اگر میں آپ کو یہ خبر دوں کہ ایک لشکرِ جرار، گھوڑوں پر سوار اِس پہاڑی کے دوسری جانب کھڑا ہے اور عنقریب وہ آپ پر حملہ آور ہو جائے گا، تو میری اس خبر کی، کیا آپ تصدیق کریں گے؟ کہنے لگے: کیوں نہیں، ہم نے کبھی آپ کی زبان سے کوئی جھوٹی بات نہیں سنی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۔ (ص ۱۰۹)

''سامنے سخت عذاب ہے، میں اُس سے تمہیں ڈرانے کے لیے نبی بن کر آیا ہوں۔''

ابولہب کہنے لگا، اس کی ہلاکت ہو، کیا ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا؟ اِس کے بعد وہ چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے بارے میں یہ آیاتِ کریمہ نازل فرمائیں:

تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ﴿۱﴾ مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ﴿۲﴾ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾ (لہب)

''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہی ہو گیا۔ اُسے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور نہ جو کمایا۔ اب دھنستا ہے لپٹ مارتی آگ میں۔ وہ اور اُس کی جورو لکڑیوں کا گٹھا سر پر اُٹھاتی۔ اُس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسّا ہے''۔

ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قریش کو آپ ﷺ کی اِس دعوت سے کوئی زیادہ اختلاف نہ ہوتا اور وہ آپ ﷺ کی دعوت کے کچھ حصے ہی مسترد کرتے لیکن آپ ﷺ نے جو اُن کے باطل معبودوں کا ذکر کیا، اُن کی عبادت کرنے کو برا بتایا اور اِس طرح اُن کی عقلوں کو کمزور قرار دیا، تو اُنہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت پر پورا اتفاق کر لیا اور آپ ﷺ سے آخری دم تک عداوت رکھنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے، ماسوائے اُن خوش نصیب حضرات کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی

اور آپ ﷺ کی مخالفت سے بچا لیا، حالانکہ ایسے حضرات بہت ہی کم ہیں اور اُس معاشرے میں اُنہیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

عمومِ انذار اور اعلانیہ دعوت کے باعث آپ کی نبوت عام ہوگئی۔ توحید اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کی خاطر آپ کو ساری امت کی طرف مبعوث فرما دیا گیا اور اِس طرح آپ ﷺ کی نبوت کو مکمل اور منصبِ رسالت کو کامل کر دیا گیا۔ پس نبی کریم ﷺ نے امر کو واضح فرمایا، حق کا بول بالا کرنے اُٹھے، اعلانیہ انذار فرمایا، دعوتِ اسلام کو عام کیا اور راہِ حق میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔ قریش آپ سے بسبب مخالفت جھگڑتے رہے لیکن آپ ﷺ صبر و سکون کے ساتھ اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ اُنہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ مخالفانہ سلوک کیا، حالانکہ اُن کی تعداد بہت زیادہ تھی، اِس کے باوجود آپ ﷺ کا بول بالا ہوا اور آپ ﷺ کی دعوت کو غلبہ حاصل ہوا۔ اِس دوران میں آپ نے ایسی تکلیفیں اور سختیاں برداشت کیں جن کے مقابلے میں معصوم کے سوا کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور نہ تائیدِ الٰہی کے بغیر اُن کے اندر سے کوئی صحیح سالم نکل سکتا تھا۔ یہ تمام حقائق آپ ﷺ کی حقانیت کے دلائل اور صداقت کے منہ بولتے شواہد ہیں کیونکہ بددیانت لوگوں کی تدابیر کو اللہ تعالیٰ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیتا اور نہ کبھی فتنہ و فساد پھیلانے والوں کے عمل کو درست کرتا ہے۔ قدرت کا قانون یہی ہے۔

جن امور کو رسول اللہ ﷺ نے شریعت کی حیثیت دی وہ توحید کے بعد دو قسم کے ہیں۔ ایک عبادات اور دوسرے احکام۔ مکہ مکرمہ میں عبادات سے صرف طہارت اور نماز کے سوا کچھ اور مشروع نہیں ہوا تھا جس کی جبرئیل علیہ السلام نے تعلیم دی تھی اور وہ آپ پر فرض اور امت کے لئے مسنون تھیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآ أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝٢ نِّصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝٣ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝٤ (مزمل)

"اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما، سوا کچھ رات کے، آدھی رات یا اِس سے کچھ کم کر دو یا اِس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو"۔

یہ حکم اگرچہ آپ کے لیے تھا لیکن اِس میں امت بھی شامل ہے، یہاں تک کہ شبِ معراج میں، جس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر بھی ہے، پنجوقتہ نماز فرض ہوئی۔ یہ نبوت کا نواں سال تھا کہ پانچ وقت کی نماز آپ پر اور آپ کی اُمت پر فرض ہوئی۔ اِس کے علاوہ عبادات سے اور کوئی چیز فرض نہ

ہوئی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے لئے دارالاسلام ہوا اور وہاں کے رہنے والے آپ کے یارومددگار بنے۔

مکہ مکرمہ میں پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد عبادات سے کچھ اور فرض نہ ہوا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمانے کے دوسرے سال ماہ شعبان المعظم میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال قبلے کی تحویل ہوئی یعنی بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔ اُسی سال صدقۂ فطر واجب ہوا اور عید کی نماز مشروع ہوئی۔ جمعہ کی فرضیت ہجرت کے پہلے سال میں ظہر کی نماز کے بدلے ہو چکی تھی۔ اِن کے بعد اموال میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا اور مالی ضروریات میں مسلمان خود کفیل ہو گئے تو حج اور عمرہ مشروع ہوئے۔

بہرحال وہ احکام جن کا وجوب عقل کا مقتضٰی ہے جیسے تحریم قتل وزنا، یہ مکہ مکرمہ میں آپ کے انذار کے وقت ہی مشروع ہو گئے تھے اور وہ احکام جن کے کرنے نہ کرنے میں عقل متردّد ہوتی ہے جیسے حلال وحرام، خطر واباحت اور استحباب وکراہت وغیرہ اِن سے خاموشی اختیار کی گئی حتیٰ کہ مکہ معظّمہ میں نہ کسی حلال کو حلال کہا گیا اور نہ کسی حرام کو حرام ٹھہرایا گیا بلکہ ہجرت کے بعد ہی حلال وحرام اور اباحت و ممانعت کے احکام نازل ہوئے تھے کیونکہ قریش کے غلبے کے باعث آپ مکہ معظّمہ میں مغلوب تھے اور اُس وقت وہ شرک خانہ تھا لہٰذا اسلامی احکام وہاں کس طرح جاری ہوتے؟ بایں وجہ کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کیا گیا بلکہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے جو دارالاسلام بن گیا تھا، تو وہاں اسلامی احکام نافذ ہوئے اور صاف طور پر بیان فرما دیا گیا کہ حلال وحرام، مباح وممنوع اور صحیح و فاسد کیا ہیں؟ اِسی لیے آپ ﷺ مکہ معظّمہ میں صلح و آشتی کے ساتھ رہے لیکن مدینہ منورہ میں آنے کے بعد دفاعی جنگیں بھی لڑیں اور یہ حکمت آپ ﷺ کے افعال و احوال کے موافق اور توفیق الٰہی آپ ﷺ کے اقوال کی مددگار تھی کیونکہ آپ منجانب اللہ مامور تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾ (النجم)

''اور وہ کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے''۔

چنانچہ آپ ﷺ کا اُنہیں بطریقِ احسن قائم کرنا اور بہتر حالات ومواضع کے لحاظ سے اُنہیں قائم کرنے میں آپ کے حزم واحتیاط، عزم کی صحت وصداقت سے حکمتِ بالغہ کے عجیب آثار سامنے آتے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

سلطان العارفین، امام المکاشفین، شیخِ اکبر، محی الدین ابن عربی

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرمودات گرامی

ایک مشاہدہ

شیخ اکبر محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفّٰی ۶۳۸ھ) نے اپنی تصنیف لطیف فتوحاتِ مکیہ کے خطبے میں صفحہ ۳ پر اپنے مخصوص اندازِ تحریر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا ہے کہ:

وَالصَّلَاۃُ عَلٰی سِرِّ الْعَالَمِ وَنُکْتَتِہٖ وَمَطْلَبِ الْعَالَمِ وَبُغْیَتِہٖ اَلسَّیِّدُ الصَّادِقُ الْمُدْلِجُ اِلٰی رَبِّہِ الطَّارِقُ الْمُخْتَرِقُ بِہِ السَّبْعَ الطَّرَائِقَ لِیُرِیَہٗ مَنْ سَرٰی بِہٖ اِلَیْہِ مَا اَوْدَعَ مِنَ الْاٰیَاتِ وَالْحَقَائِقِ فِیْمَا اَبْدَعَ مِنَ الْخَلَائِقِ الَّذِیْ شَاهَدْتُّهٗ عِنْدَ اِنْشَائِی لِھٰذِہِ الْخُطْبَۃِ فِی عَالَمِ حَقَائِقِ الْمِثَالِ فِی حَضْرَۃِ الْجَلَالِ مُکَاشِفَۃً قَلْبِیَّۃً فِی حَضْرَۃٍ غَیْبِیَّۃٍ وَلَمَّا شَاهَدْتُّهٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی ذٰلِکَ الْعَالَمِ سَیِّدًا مَعْصُوْمَ الْمَقَاصِدِ مَحْفُوْظَ الْمَشَاهِدِ مَنْصُوْرًا مُؤَیَّدًا وَجَمِیْعُ الرُّسُلِ بَیْنَ یَدَیْہِ مُصْطَفُّوْنَ وَاُمَّتُہُ الَّتِیْ هِیَ خَیْرُ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ عَلَیْہِ مُلْتَفُّوْنَ وَمَلَائِکَۃُ التَّسْخِیْرِ مِنْ حَوْلِ عَرْشِ مَقَامِہٖ حَافُّوْنَ وَالْمَلَائِکَۃُ الْمُوَلَّدَۃُ مِنَ الْاَعْمَالِ بَیْنَ یَدَیْہِ صَافُّوْنَ وَالصِّدِّیْقُ عَنْ یَمِیْنِہِ الْاَنْفَسِ وَالْفَارُوْقُ عَنْ یَسَارِہِ الْاَقْدَسِ وَالْخَتْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ بَیْنَ یَدَیْہِ قَدْ جَثَا یُخْبِرُہٗ بِحَدِیْثِ الْاُنْثٰی وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَکَرَّمَ اللّٰہُ وَجْهَہٗ یُتَرْجِمُ عَنِ الْخَتْمِ بِلِسَانِہٖ وَذُوالنُّوْرَیْنِ مُشْتَمِلٌ بِرِدَاءِ حَیَائِہٖ مُقْبِلٌ عَلٰی شَانِہٖ اِلٰی اٰخِرِ مَا ذَکَرَہٗ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِمَّا رَاٰہُ فِی تِلْکَ الْوَاقِعَۃِ۔ (ص ۱۱۰۔۱۱۱)

"درود اُس ذات پر جو سرِّ عالم، خدائی بھید اور تخلیقِ عالم کا مطلوب و مقصود ہے۔ وہی سچا سردار جو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر گزر جانے والا ہے تاکہ جس ذات نے آپ کو سیر کرائی وہ آپ کو دکھائے کہ مخلوق کے اندر اُس نے کیا نشانیاں اور حقائق ودیعت فرمائے ہیں، جن کا یہ خطبہ لکھتے وقت میں نے عالمِ مثال میں خود بھی مشاہدہ کیا ہے۔ یہ حقائق کی مثال کا مشاہدہ ذاتِ ذوالجلال کے حضور میں نصیب ہوا، جو ذاتِ غیبیہ کے حضور میں قلبی مشاہدہ تھا۔ جب میں نے وہاں فخرِ دو

عالم ﷺ کا مشاہدہ کیا تو یہی دیکھا کہ ایسے عظیم الشان سردار ہیں جو اپنے مقاصد میں معصوم، مشاہد میں محفوظ اور منصور و مؤید ہیں۔ جملہ مرسلینِ عظام آپ کے حضور صف بستہ حاضر ہیں اور آپ کی اُمت جو لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا فرمائی گئی، وہ آپ کی جانب متوجہ ہے اور تسخیر عالم کے فرشتوں نے عرشِ اعظم کے گرداگرد آپ کے مقام کو ڈھانپ رکھا ہے اور اعمال سے پیدا ہونے والے فرشتے آپ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں۔ صدیقِ اکبر آپ کے دائیں جانب اور فاروق اعظم بائیں جانب ہیں اور حضرت ختم علیہ السلام (شاید حضرت جبریل مراد ہیں) آپ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں اور حدیثِ اُنثیٰ کی خبر دے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و کرم اللہ وجہہٗ الکریم حضرت ختم علیہ السلام کے بیانات کا اپنی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ آپ کی حیاء کی چادر اوڑھے آپ کی جانب متوجہ ہیں۔ شیخ اکبر نے آخر تک اس واقعے کا ذکر کیا ہے، جو کچھ انہوں نے اُس وقت دیکھا تھا''۔

علمِ اسماء و علمِ معانی

طالبِ تحقیق کو چاہیے کہ وہ فتوحاتِ مکیہ کی طرف رجوع کرے (کیونکہ شیخِ اکبر نے اس واقعے کو مذکورہ خطبے میں تفصیلاً بیان کیا ہے) شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے پانچویں باب، صفحہ ۱۴۰ پر لکھا ہے:

اِنَّ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ حَامِلُ الْاَسْمَآءِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلُ مَعَانِي تِلْكَ الْاَسْمَاءِ الَّتِيْ عَلَّمَهَا اللّٰهُ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ الْكَلِمُ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَمَنْ اَثْنٰى عَلٰى نَفْسِهٖ اَمْكَنُ وَاَتَمُّ مِمَّنْ اَثْنٰى عَلَيْهِ كَيَحْيٰى وَعِيْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَمَنْ حَصَلَ لَهُ الذَّاتُ فَالْاَسْمَاءُ تَحْتَ حُكْمِهٖ وَلَيْسَ مَنْ حَصَلَ الْاَسْمَاءَ يَكُوْنُ الْمُسَمّٰى مُحَصَّلًا عِنْدَهٗ وَبِهٰذَا فُضِّلَتِ الصَّحَابَةُ عَلَيْنَا فَاِنَّهُمْ حَصَلُوْا الذَّاتَ وَحَصَلْنَا الْاِسْمَ وَلَمَّا رَاعَيْنَا الْاِسْمَ مُرَاعَاتِهِمِ الذَّاتَ ضُوْعِفَ لَنَا الْاَجْرُ لِحَسْرَتِ الْغَيْبَةِ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ فَكَانَ تَضْعِيْفًا عَلٰى تَضْعِيْفٍ فَنَحْنُ الْاَخْوَانُ وَهُمُ الْاَصْحَابُ وَهُوَ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْنَا بِالْاَشْوَاقِ وَمَا اَفْرَحَہٗ بِلِقَاءِ وَاحِدٍ مِّنَّا وَکَیْفَ لَا یَفْرَحُ وَقَدْ وَرَدَ عَلَیْہِ مَنْ کَانَ بِالْاَشْوَاقِ اِلَیْہِ فَھَلْ نَقَاسُ کَرَامَتَہٗ وَبِرَّہٗ وَتُحْفَتَہٗ وَلِلْعَامِلِ مِنَّا اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِمَّنْ یَّعْمَلُ بِعَمَلِ اَصْحَابِہٖ لَا مِنْ اَعْیَانِھِمْ لٰکِنْ مِنْ اَمْثَالِھِمْ فَذَالِکَ قَوْلُہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بَلْ مِنْکُمْ مُجِدُّوْا وَاجْتَھَدُوْا حَتّٰی یَعْرِفُوْا اَنَّھُمْ خَلَفُوْا بَعْدَھُمْ رِجَالًا لَوْ اَدْرَکُوْہُ مَا سَبَقُوْھُمْ اِلَیْہِ وَمِنْ ھُنَا تَقَعُ الْمُجَاوَرَاۃُ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔ (ص ۱۱۱)

"بے شک حضرت آدم علیہ السلام علمِ اسماء کے حامل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اور ہم نے آدم کو سارے نام سکھا دیے۔" اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن سارے اسماء کے معانی کے حامل ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے اور معانی کے اس علم کو زبانِ رسالت میں الکلم کہا گیا ہے جیسا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔ جو اپنی خوبی خود بیان کرے وہ دُوسرے کسی تعریف کرنے والے کی نسبت زیادہ قادر ہے اور بہتر بیان کرسکتا ہے جیسے یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور جسے ذات حاصل ہو جائے تو اسماء بھی اُسی کے زیرِ فرمان ہیں، لیکن جو اسماء کا علم حاصل کرے تو یہ ضروری نہیں کہ اُسے مسمیات کا علم بھی حاصل ہو جائے۔ اسی لیے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ہم پر فضیلت ہے کیونکہ اُنہوں نے ذات کو حاصل کر لیا تھا اور ہمیں اسم حاصل ہوا ہے۔ لیکن جب ہم نے اسم کا وہی احترام کیا جو اُنہوں نے ذات کا کیا تھا تو ہمارے ثواب کو دُگنا کر دیا گیا کیونکہ جدائی کا جو صدمہ ہمیں اٹھانا پڑ رہا ہے یہ اُنہیں نہیں پہنچا تھا، پس علیٰ قدرِ مراتب یہ مضاعف در مضاعف ہوسکتا ہے۔ پس ہم اخوان اور وہ اصحاب ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بہت مشتاق ہیں اور جب ہم میں سے کوئی حاضرِ بارگاہ ہوتا ہے تو آپ کو بڑی فرحت ہوتی ہے اور وہ خوش کیوں نہ ہوں جبکہ وہی اُن کے پاس پہنچ گیا جس کے مشتاق تھے۔ کیا ہم ایسے شخص کی بزرگی، نیکوکاری اور مقبولیت کا اندازہ کرسکتے ہیں؟ جو ہم میں سے نیک عمل کریں اُنہیں صحابۂ کرام جیسے نیک عمل کرنے والے پچاس اشخاص کے برابر اجر ملے گا۔ پچاس صحابہ جتنا نہیں بلکہ اُن جیسے عمل کرنے والے کے پچاس کے برابر۔ اسی لیے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا

تھا: ''بلکہ تم میں سے'' اُنہیں ذات کا شرف حاصل ہوا اور کوشش کی یہاں تک کہ جان گئے کہ اُن کے بعد ایسے افراد بھی ہیں جو آقائے کائنات کو پاتے تو سرکار کی جانب وہ (صحابہ) سبقت نہ لے جاتے۔ اِس لحاظ سے موافقت پائی گئی اور اللہ ہی مددگار ہے''۔

سیادت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے دسویں باب میں صفحہ (۱۷۴) پر لکھا ہے، طالب حقیقت کو جان لینا چاہیے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور اِس میں فخر نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں گا۔ پس نبی کریم ﷺ کی سیادت اور جملہ بنی نوعِ انسان سے اشرف ہونا ثابت ہوا۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے فرمایا: میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ پس ثابت ہوا کہ:

يُرِيْدُ عَلٰى عِلْمٍ بِذَالِكَ فَاَخْبَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِمَرْتَبَتِهٖ وَهُوَ رُوْحٌ قَبْلَ اِيْجَادِهِ الْاَجْسَامِ الْاِنْسَانِيَّةِ كَمَا اَخَذَ الْمِيْثَاقَ عَلٰى بَنِىْ اٰدَمَ قَبْلَ اِيْجَادِهٖ اَجْسَامَهُمْ وَاَلْحَقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى بِاَنْبِيَائِهٖ اِذْ جَعَلَنَا شُهَدَآءَ عَلٰى اُمَمِهِمْ مَعَهُمْ حَيْثُ يُبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُمُ الرُّسُلُ فَكَانَتِ الْاَنْبِيَاءُ فِى الْعَالَمِ نُوَّابَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى اٰخِرِ الرُّسُلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَدْ اَبَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذَا الْمَقَامِ بِاُمُوْرٍ۔ (ص ۱۱۱)

''یہ آپ کے علم پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی اجسام کی پیدائش سے بھی پہلے آپ کو آپ کے عالی منصب سے آگاہ کر دیا تھا حالانکہ اُس وقت آپ روح تھے، جیسے کہ بنی آدم سے عہد لیا تھا حالانکہ اُن کے جسم ابھی ایجاد نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں (اُمتِ مرحومہ کو) انبیائے کرام سے اِس معاملے میں ملایا ہے کیونکہ ہمیں اُن کے ساتھ اُن کی اُمتوں پر گواہ بنایا ہے جبکہ ہر اُمت سے اُس پر گواہ کھڑے کیے جائیں گے سارے مرسلین عظام اور انبیائے کرام علیہم السلام وہ اِس دنیا میں آدم علیہم السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک فخرِ دو عالم ﷺ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ اس سلسلے کے آخری عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے مختلف طریقوں سے اس عالی منصب کی وضاحت فرمائی ہے''۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا اُن کے لیے اور کوئی چارہ نہ ہوتا اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں آپ کا ارشادِ گرامی کہ جب وہ دوبارہ نازل ہوں گے تو ہم میں سے ایک ہوں گے۔ یعنی ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت (شریعتِ مطہرہ) کے مطابق ہی حکم کریں گے نیز صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔

لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْجُوْدًا بِجِسْمِهٖ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ اِلٰى زَمَنِ وُجُوْدِهِ الْاٰنَ لَكَانَ جَمِيْعُ بَنِىْ اٰدَمَ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيْعَتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حِسًّا وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَ تَحْتَ لِوَائِىْ وَلِهٰذَا لَمْ يُبْعَثْ عَامَّةً اِلَّا هُوَ خَاصَّةً فَهُوَ الْمَلِكُ وَالسَّيِّدُ وَكُلُّ رَسُوْلٍ سِوَاهُ بُعِثَ اِلٰى قَوْمٍ مَخْصُوْصِيْنَ وَلَمْ تَعُمَّ رِسَالَةُ اَحَدٍ مِّنَ الرُّسُلِ سِوٰى رِسَالَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنْ زَمَانِ آدَمَ اِلٰى زَمَانِ بَعْثِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مُلْكُهٗ وَتَقَدُّمُهٗ عَلٰى جَمِيْعِ الرُّسُلِ وَسِيَادَةٌ فِى الْاٰخِرَةِ مَنْصُوْصٌ عَلَيْهِمَا فِى الصَّحِيْحِ عَنْهُ فَرُوْحَانِيَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوْحَانِيَّةُ كُلِّ نَبِيٍّ وَرَسُوْلٍ مَوْجُوْدَةٌ فَكَانَ الْاِمْدَادُ يَاْتِىْ اِلَيْهِمْ مِنْ تِلْكَ الرُّوْحِ الطَّاهِرَةِ بِمَا يَظْهَرُوْنَ بِهٖ مِنَ الشَّرَائِعِ وَالْعُلُوْمِ فِىْ زَمَانِ وُجُوْدِهِمْ رُسُلًا وَتَشْرِيْعِهِمُ الشَّرَائِعَ كَعَلِيٍّ وَمُعَاذٍ وَغَيْرِهِمَا فِىْ زَمَانِ وُجُوْدِهِمْ وَوُجُوْدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَاِلْيَاسَ وَالْخِضَرِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ يَنْزِلُ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ حَاكِمًا بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ اُمَّتِهٖ لِيُقَرِّرَ شَرْعَهٗ فِى الظَّاهِرِ لٰكِنْ لَمَّا لَمْ يَتَقَدَّمْ فِىْ عَالَمِ الْحِسِّ وُجُوْدُ عَيْنِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا نُسِبَ كُلُّ شَرْعٍ اِلٰى مَنْ بُعِثَ بِهٖ وَهُوَ فِى الْحَقِيْقَةِ شَرْعُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۱۲۔۱۱۱)

"اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ زمانۂ آدم علیہ السلام سے اپنے عہدِ کرامت تک یہاں موجود ہوتے تو حسّی طور پر تمام بنی آدم قیامت تک آپ کی

شریعتِ مطہرہ کے تحت ہوتے اور اِس بات پر یہ فرمانِ رسالت دلالت کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام اور اُن کے ماسواء سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اِسی لیے کسی نبی کی بعثت عام نہیں مگر یہ خصوصیت صرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ پس بادشاہ اور سردار آپ ہیں اور آپ کے ماسواء جملہ مرسلین خاص خاص اقوام کی جانب بھیجے گئے اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے علاوہ کسی بھی رسول کی رسالت عام نہیں ہے۔ پس آدم علیہ السلام کے زمانے سے آپ کے زمانۂ مبارک تک، جو قیامت تک ہے، آپ ہی کا ملک ہے اور اس معاملے میں جملہ مرسلین پر آپ کو تقدیم حاصل ہے اور آخرت میں سیادت آپ کی ہوگی۔ یہ دونوں امور صحیح احادیث سے منصوص ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت اور دیگر ہر نبی اور رسول کی روحانیت موجود ہے۔ وہ حضرات اپنے زمانوں میں جو احکام اور علوم ظاہر کرتے تھے اُن میں آپ کی روحِ پاک سے اُن کو امداد پہنچتی تھی اور تشریعِ شرائع میں اعانت فرمائی جاتی تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے زمانۂ اقدس میں علی اور معاذ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امداد پہنچاتے رہتے تھے اور جیسے الیاس اور خضر علیہما السلام کو آپ کی مدد پہنچتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام جبکہ آپ کے آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعتِ مطہرہ کے مطابق آپ کی امت پر حکومت کریں گے اور علی الاعلان آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور کرائیں گے۔ لیکن اِس عالمِ محسوسات میں چونکہ پہلے آپ کا عین وجودِ انور موجود نہیں تھا، اسی لیے ہر شریعت اُسی نبی کی جانب منسوب ہوئی جو اُسے دے کر بھیجا گیا تھا حالانکہ حقیقت میں تمام گزشتہ شرائع بھی شریعتِ محمدیہ ہی ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)''۔

اگرچہ نبی کریم ﷺ کی شریعتِ مطہرہ قبل ازیں مفقود تھی کیونکہ کسی اور کو اِس کا علم نہیں تھا جیسے وہ ب بعینہٖ مفقود ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور آپ ﷺ کی شریعتِ مطہرہ کے مطابق حکم نافذ کرنے کے زمانے میں بعینہٖ مفقود ہوگی اور فخرِ دوعالم ﷺ کی شریعت سے سابقہ جملہ شرائع کو منسوخ کر دینا یہ نسخ انہیں آپ کی شریعت سے خارج نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر قرآن وسنت سے ظاہر ہونے والی شریعت میں نسخ ظاہر کیا ہے حالانکہ ہمارا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ وہ منسوخ ہونے والی شریعت بھی شریعتِ محمدیہ ہے، جسے لے کر آپ مبعوث ہوئے۔ بات صرف اتنی ہوئی ہے

کہ متأخر سے متقدم کو منسوخ کیا گیا ہے اور اس نسخ پر ہمیں قرآن وسنت نے مطلع فرمایا ہے اور پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنا اُنہیں آپ کی شریعت ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانے میں اپنی شریعت کے بغیر نازل ہونا اور دوسری شریعت کے مطابق حکمرانی کرنا اور اپنی شریعت کے مطابق حکم نہ کرنا حالانکہ اپنے دورِ رسالت میں وہ اُسی کا حکم فرماتے تھے بلکہ اِس کے باوجود وہ شریعت محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے یہ صریحاً اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کی شریعتِ مطہرہ کی موجودگی میں کسی دوسری شریعت کے مطابق حکم نہیں کیا جا سکتا اور اِس میں وہ اہلِ کتاب بھی شامل ہیں جو ذمّی ہیں جب تک وہ ذلت اور رُسوائی کے ساتھ جزیہ ادا کرتے رہیں کیونکہ شرع کا حکم ہر حالت کو مشتمل ہے۔ پس

فَخَرَجَ مِنْ هٰذَا الْمَجْمُوْعِ كُلِّهٖ اَنَّهٗ مَلِكٌ وَسَيِّدٌ عَلٰى جَمِيْعِ بَنِیْ اٰدَمَ وَاَنَّ جَمِيْعَ مَنْ تَقَدَّمَهٗ كَانَ مَلِكًا لَهٗ وَتَبِعًا وَالْحَاكِمُوْنَ فِيْهِ نُوَّابٌ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۱۲)

''مذکورہ مجموعے سے یہ معلوم ہوا کہ جملہ بنی آدم کے بادشاہ اور سردار نبی کریم ﷺ ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے جو بھی عالم وجود میں آیا وہ آپ کی مِلک اور تابع ہے اور آپ سے پہلے صاحبانِ حکم (انبیاء) آپ ہی کے نائب تھے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)''۔

• اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے کسی پر فضیلت نہ دو۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو فضیلت نہیں دی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت دی ہے اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اور اگرچہ یہ وارد ہوا ہے:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام:90)

''یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم اُنہیں کی راہ چلو''۔

چونکہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اُن کو...... ہدایت کی اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کی شریعتِ مطہرہ ہے۔ یعنی اپنی اُس شریعت کو بھی لازم پکڑو جو تمہارے نائبوں کے ذریعے اقامتِ دین کے سلسلے میں ظاہر ہوئی اور اُس میں تفریق نہیں ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اُن (انبیائے کرام) کا اتباع کرو۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا کہ: تفریق نہ کرو۔ اس میں شریعت کے واحد ہونے کی دلیل ہے نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ط (النساء:125)

''اور ابراہیم کے دین پر چلا، جو ہر باطل سے جُدا تھا''۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت دین ہے اور دین کے اتباع پر آپ مامور ہیں کیونکہ دین تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی اور کی جانب سے نہیں۔ اب بھی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس ارشادِ گرامی کی طرف توجہ فرمایئے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرے اتباع کے سوا اُنہیں کوئی چارہ نہ تھا۔ اِتباع کی نسبت آپ کی طرف ہے اور آپ کو دین کے اتباع اور ہدایتِ انبیاء کے اقتداء کا حکم دیا گیا نہ کہ اُن کی اقتداء کا کیونکہ:

فَاِنَّ الْاِمَامَ الْاَعْظَمَ اِذْ حَضَرَ لَا یَبْقٰی لِنَائِبٍ مِّنْ نُوَّابِهٖ حُکْمٌ اِلَّا لَهٗ فَاِنْ غَابَ حُکْمُ النُّوَّابِ بِمَرَاسِمِهٖ فَهُوَ الْحَاکِمُ غَیْبًا وَشَهَادَةً وَمَا اَوْرَدْنَا هٰذِهِ الْاَخْبَارَ وَالتَّنْبِیْهَاتِ اِلَّا تَانِیْسًا لِمَنْ لَا یَعْرِفُ هٰذِهٖ الْمَرْتَبَةَ مِنْ کَشْفِهٖ وَلَا اِطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلَیْهَا مِنْ نَفْسِهٖ وَمَا اَهْلُ اللّٰهِ فَهُمْ فِیْهَا عَلٰی مَا نَحْنُ عَلَیْهِ قَدْ قَامَتْ لَهُمْ شَوَاهِدُ التَّحْقِیْقِ عَلٰی ذٰلِکَ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِمْ فِیْ نُفُوْسِهِمْ۔ (ص ۱۱۴)

''جب شہنشاہِ اعظم موجود ہو تو اُس کے حکم کے سامنے اُس کے نائبوں کا حکم کب چل سکتا ہے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر نواب کا حکم رسمی طور پر غائب ہو، تب بھی پوشیدہ اور ظاہر طور پر حاکم وہی شہنشاہ ہے۔ ہم نے یہاں جو احادیث اور تنبیہات نقل کی ہیں، اِس سے مقصود اُس شخص کی تانیس و تالیف ہے جو اِس عظیم الشان مرتبے سے ناآشنا ہے۔ وہ نہ کشف کے ذریعے اِسے جانتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اِس کی اطلاع دی ہے لیکن اللہ والوں (اولیاء اللہ) کا خیال وہی ہے جو ہمارا ہے۔ ایسے حضرات کے سامنے اُن کے نفوس میں اُن کے رب کی جانب سے تحقیقی دلائل و شواہد موجود ہوتے ہیں''۔

شیخِ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارا مذکورہ بالا کلام اِس تقدیر پر ہے کہ ملک سے انسان مراد لے لیے جائیں لیکن جب ہم فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ سب پر دکھائی دیتی ہے جیسے کہ بعض لوگ اِس جانب گئے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم نہ ہوتے تو نہ زمین و آسمان کو پیدا کیا جاتا اور نہ جنت و دوزخ کو۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا ساری مخلوق کا ذکر فرمایا ہے۔ پس اوّل موجود جو فصلِ اوّل ہے اُس سے

پہلا منفصل ہونے والا نفسِ کلی ہے اور اس میں آخری منفصل حضرت حوا ہیں، جو آخری موجود سے منفصل ہوئیں اور آخری موجود حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ پس اجناسِ عالم میں انسان سب سے آخری موجود ہے۔ یہاں صرف چھ اجناس ہیں اور ہر جنس کے تحت انواع ہیں، اس کے بعد انواع کے تحت اور انواع ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلی جنس فرشتے ہیں، دوسری جن، تیسری معدن، چوتھی نباتات، پانچویں حیوانات، اور جب ملک کی انتہا ہوئی نیز اپنی شان کے لحاظ سے ذاتِ باری تعالیٰ ممتہد و مستوی ہوئی تو چھٹی جنس انسان کو بنایا جو اس کی اِس مملکت میں اُس کا خلیفہ ہے اور آخر میں اس لیے موجود ہوا تاکہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ وہ بالفعل امام ہے صلاحیت یا قوت کی بنا پر نہیں۔ نیز:

فَعِنْدَ مَا اَوْجَدَ عَيْنَهٗ لَمْ يُوْجِدْهُ اِلَّا وَالِيًا سُلْطَانًا مَلْحُوْظًا ثُمَّ جَعَلَ لَهٗ نُوَّابًا حِيْنَ تَاَخَّرَتْ نَشَاةُ جَسَدِهٖ فَاَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهٗ وَخَلِيْفَةٌ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ وُلِدَ وَاتَّصَلَ النَّسْلُ وَعَيَّنَ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ خُلَفَاءُ اِلٰى اَنْ وَصَلَ زَمَانُ نَشَاةِ الْجِسْمِ الطَّاهِرِ الْمُحَمَّدِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَهَرَ مِثْلَ الشَّمْسِ الْبَاهِرَةِ فَانْدَرَجَ كُلُّ نُوْرٍ فِيْ نُوْرِهِ السَّاطِعِ وَغَابَ كُلُّ حُكْمٍ فِيْ حُكْمِهٖ وَانْقَادَتْ جَمِيْعُ الشَّرَائِعِ اِلَيْهِ وَظَهَرَتْ سِيَادَتُهُ الَّتِيْ كَانَتْ بَاطِنَةً فَهُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝ فَاِنَّهٗ قَالَ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَقَالَ عَنْ رَبِّهٖ ضَرَبَ بِيَدِهٖ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَحَصَلَ لَهُ التَّخَلُّقُ وَالنَّسَبُ الْاِلٰهِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى عَنْ نَفْسِهٖ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وَجَآءَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِيْ سُوْرَةِ الْحَدِيْدِ الَّذِيْ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ فَلِذٰلِكَ بُعِثَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسَّيْفِ وَاُرْسِلَ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (ص ۱۱۳)

"جب عین (مرکزِ دائرۂ تخلیق) کو پیدا فرمایا تو اُن کے منصب کے لحاظ سے سب کا والی اور سلطان بنایا گیا اور انہیں جسمانی لحاظ سے متاخر کرنے کی وجہ سے اُن کے نائب بنائے۔ پس جو اُن کا سب سے پہلا نائب ہوا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، پھر اُن کی اولاد ہوئی اور نسلی سلسلہ چلتا گیا، جن سے ہر زمانے میں آپ کے خلفاء معین فرمائے گئے،

یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسمِ اطہر کے ظہور کا وقت قریب آ گیا۔ پس آپ آفتابِ نصف النہار کی طرح جلوہ افروز ہوئے۔ پس ہر نور آپ کے بلند نور میں داخل ہو گیا اور ہر حکم آپ کے حکم میں غائب ہو گیا اور تمام شریعتیں آپ کے تابع ہو کر رہ گئیں اور آپ کی سیادت جو پوشیدہ تھی وہ ظاہر و باہر ہو گئی، پس آپ اول، آخر، ظاہر اور باطن ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام اشیاء کا علم دیئے گئے ہیں، جیسا کہ فرمانِ رسالت ہے کہ: مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں اور اپنے رب کے متعلق فرمایا کہ اپنے دستِ قدرت کو میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے دستِ قدرت کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی اور مجھے سب اگلوں اور پچھلوں کا علم حاصل ہو گیا، پس آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے تخلُّق اور نسبتِ الٰہی حاصل ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اوّل، آخر، ظاہر اور باطن ہے نیز ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ یہ آیت سورۂ حدید کی ہے۔ لوہے میں شدید بأس ہوتا ہے اور لوگوں کے لیے لوہا بڑی کار آمد چیز بھی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تلوار دے کر مبعوث فرمایا گیا اور آپ کو ایسا عظیم الشان رسول بنا کر بھیجا گیا جو سارے جہان کے لیے رحمت ہے''۔

تخلیقِ رُوحِ محمدی

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے بارھویں باب کے صفحہ ۱۸۵ پر فرمایا ہے:

اَلَا بِاَبِیْ مَنْ کَانَ مَلِکًا وَسَیِّدًا وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ وَاقِفُ
فَذَاکَ الرَّسُوْلُ الْاَبْطَحِیُّ مُحَمَّدٌ لَهُ فِی الْعُلَا مَجْدٌ تَلِیْهِ وَطَارِفُ
اَتٰی بِزَمَانِ السَّعْدِ فِیْ اُخْرَی الْمَدٰی وَکَانَتْ لَهُ فِیْ کُلِّ عَصْرٍ مَوَاقِفُ
اَتٰی لِاِنْکِسَارِ الدَّهْرِ یَجْبُرُ صَدْعَهٗ فَاَثْنَتْ عَلَیْهِ اَلْسُنٌ وَعَوَارِفُ
اِذَا رَامَ اَمْرًا لَا یَکُوْنُ خِلَافَهٗ وَلَیْسَ لِذَاکَ الْاَمْرِ فِی الْکَوْنِ صَارِفُ

''(۱) میرا باپ اُس پر قربان ہو، جو اُس وقت بھی بادشاہ اور سردار تھا، جب آدم علیہ السّلام مٹی اور پانی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

(۲) وہ وادیِ بطحاء کے رہنے والے رسول ہی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، جن کی رفعتِ شان میں ہر قسم کی بزرگی موجود ہے۔

(۳) آپ اُس آخری دور میں جلوہ افروز ہوئے جو بڑا مبارک زمانہ ہے اور ہر زمانے میں آپ

کے لیے مواقف ہیں۔

(۴) آپ زمانے کی شکستگی کے وقت تشریف لائے اور اس کے ٹکڑوں کو جمع کیا، جس کے باعث ہر زبان میں ہر ذی علم و دانشمند نے آپ کی تعریف کی۔

(۵) آپ نے جس امر کا قصد فرمایا اُس کا خلاف نہیں ہوا کیونکہ آپ کے حکم کو پھیرنے والا کوئی نہیں ہے''۔

طالبِ حقیقت کو معلوم ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ تیری مدد کرے، جب ارواحِ محصورہ کو پیدا فرمایا گیا جو زمانے میں تمام اجسام کی تدبیر کرتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدتِ معلومہ کی تعیین کے لیے فلک کی حرکت کے وقت حاصل ہوتا ہے اور زمانے کی حرکت سے بھی پہلے اپنی حقیقت کو ظاہر فرمانے کی خاطر جس روحِ مدبّرہ کو پیدا کیا وہی رسول اللہ ﷺ کی روحِ مبارک ہے۔ اِس کے بعد فلک کی حرکات کے وقت اور ارواح کا صدور ہوا۔ اُن کا وجود عالمِ غیب میں تھا اور عالمِ شہادت میں وہ موجود نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے مطلع فرمایا اور خوشخبری دی اور آدم علیہ السلام کی اُس وقت وہی حالت تھی جیسا کہ فرمانِ رسالت ہے کہ وہ مٹی اور پانی میں تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کے اسمِ باطن کا زمانہ ختم ہوا، جو آپ کے جسمِ اطہر کے وجود تک ہے یعنی روح اور جسم کے ارتباط تک تو زمانے کا حکم اسمِ باطن سے اسمِ ظاہر کی جانب منتقل ہو گیا اور فخرِ دو عالم ﷺ جسم اور روح کے ساتھ کلیۃً جلوہ افروز ہو گئے۔

پس تمام انبیاء و مرسلین علیہ السلام کے شرائع سے جو کچھ ظاہر ہوا پہلے اُس کی نسبت آپ کی جانب باطنی تھی لیکن آپ کے رونق آرائے گیتی ہو جانے پر اُن کا حکم ظاہر طور پر آپ کی طرف ہوا، اسی لیے تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں تا کہ آپ کے اسمِ باطن اور اسمِ ظاہر کا فرق ظاہر ہو جائے حالانکہ مشروع واحد ہے اور آپ ہی صاحبِ شرع ہیں، جیسا کہ خود فرمایا ہے: کُنْتُ نَبِیًّا یعنی نبی میں تھا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں انسان تھا، نہ یہ فرمایا کہ میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شرع کے بغیر نبوت نہیں ہوتی، لیکن آپ نے خبر دی ہے کہ میں انبیائے کرام کے موجود ہونے سے پہلے بھی نبی تھا، حالانکہ اِس دنیا میں وہ آپ کے نائب اور صاحبِ شریعت تھے۔

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے بعد فرمایا ہے کہ اِس سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ علم میں سرورِ کون و مکاں ﷺ ہی کی سیادت ہے اور اِسی طرح حکم میں آپ کو سیادت حاصل ہے، اِسی لیے تو آپ نے فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اب زندہ ہوتے تو اُنہیں میری اتباع کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا اِسی طرح آپ کا یہ فرمانا کہ دوبارہ نازل ہونے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام میری اُمت میں قرآن کریم کا

حکم جاری کریں گے۔ اِس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اِس دنیا میں آپ کی سیادت ہر لحاظ سے مسلّم اور واضح ہے۔ بعدازیں قیامت میں شفاعت کا دروازہ کھولنے سے تمام انسانوں پر آپ کی سیادت ثابت کی ہے۔ یہ شرف قیامت میں بھی آخرالزماں ﷺ کے سوا کسی نبی کو حاصل نہیں ہو گا۔ آپ ہی فرمائیں گے کہ انبیاء و مرسلین کو شفاعت کی اجازت بخشی جائے اور ملائکہ کے لیے بھی یہ شفاعت کی جائے گی۔ پس آپ کی اِس شفاعت کے باعث ہی ملائکہ و انبیاء و مرسلین و مؤمنین کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی۔ اِس لحاظ سے حقیقی شفیع اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والے صرف نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔

اِس کے بعد شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے اپنی شریعتِ مطہرہ سے دوسری شریعتوں کو اور اپنے دین سے دوسرے ادیان کو منسوخ کر دیا ہے، خواہ اُنہیں سابقہ مرسلینِ عظام لے کر آئے یا وہ پہلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا۔ پس کسی دین کا کوئی حکم باقی نہیں رہا سوائے اُسی دین کے جسے اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھنا مقرر فرمایا ہے اور وہ شریعتِ مصطفوی اور آپ کی عام رسالت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی حکم باقی رہ گیا ہو، پس وہ خدا کا حکم نہیں ہے سوائے خاص جزئیہ کے اور اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اب وہ خدا کا حکم نہیں ہے کیونکہ خود باری تعالیٰ نے اُنہیں باطل قرار دے دیا ہے اور وہ اتباع کرنے والے کے لیے محض ایک بوجھ ہے۔ پس یہ آپ کے دین کا تمام ادیان پر غلبہ ہے جیسا کہ نابغہ شاعر نے کہا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَعْطَاکَ صَوْلَةً ۔۔۔ تَرٰی کُلَّ مَلِکٍ دُوْنَهَا یَتَذَبْذَبُ

فَاِنَّکَ شَمْسٌ وَالْمُلُوْکُ کَوَاکِبُ ۔۔۔ اِذَا طَلَعَتْ لَمْ یَبْدُ مِنْهُنَّ کَوْکَبُ[1]

"(۱) کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا غلبہ مرحمت فرمایا ہے کہ ہر بادشاہ آپ کے سامنے لرزہ براندام ہوتا ہے۔

(۲) آپ کی مثال سورج کی ہے اور دوسرے بادشاہ ستارے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سورج جلوہ افروز ہو جائے تو کسی ستارے کا وجود نظر نہیں آتا۔

پس نبی کریم ﷺ کا مرتبہ دیگر انبیاء و مرسلین کے ساتھ اور آپ کی شریعت کا دیگر شرائع کے ساتھ اُسی طرح ہے جیسے سورج کے سامنے ستارے، جن کا نور سورج کے نور میں گم ہو جاتا ہے جبکہ سارے ہی برحق اور اللہ رب العزت کی جانب سے ہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔ حضرت شیخ موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے اور بھی بڑے اوصاف بیان کیے ہیں، جو تحقیق یا تفصیل کا شائق ہے وہ ان کی اصل کتاب کی جانب رجوع کرے۔

دستگیرِ کائنات

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے چودھویں باب، صفحہ ۱۹۴ پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آئے، جو شریعت کو متضمن ہوتی ہے، جس کی روشنی میں وہ بنفسہٖ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عبودیت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُسے شریعت دے کر لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجے تو ایسی ہستی کو رسول کہتے ہیں۔ (علیہ و علیہم السلام)

اُن کے پاس فرشتہ دو حالتوں میں آتا ہے: (۱) یا اُن کے قلب پر نزول کرتا ہے اور اُس نزول کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ (۲) یا خارج میں مجسم ہو کر آتا ہے اور نبی کے کان میں اُس کا اِلقاء کرتا ہے جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہے اور نبی اُس کی آواز کو بخوبی سنتا ہے یا اُس کی بصارت پر القا کرتا ہے اور وہ اپنے دیکھتا ہے نیز دیکھنے سے وہی فائدہ حاصل کرتا ہے جو سننے سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اِس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی طرح حواس کی باقی قوتوں کا حال ہے۔ یہ دروازہ (وحی کا) نبی آخرالزماں ﷺ کے بعد بند ہو گیا ہے۔ کسی دوسرے کے لیے اِس کی جانب ہرگز کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ ایسی شریعت پر عمل کر سکے جو شریعتِ محمدیہ کی ناسخ ہو، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب دوبارہ نزول ہو گا تو وہ بھی شریعتِ محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے اور سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام خاتم الاولیاء قرار پائیں گے کیونکہ یہ شرف بھی صرف رسول اللہ ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کی ولایت اور ولایتِ مختصہ کو ایک ایسے فرد پر ختم فرمائے گا جو نبی اور رسول بھی ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روزِ شمار میں دو حشر ہوں گے۔ ایک انبیاء و مرسلین کے ساتھ بحیثیت ایک رسول کے اور دوسرا ولی کی حیثیت میں اُمتِ محمدیہ کے ساتھ کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے تابع ہوں گے اور اِس فضیلت میں وہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔

اسی کے بعد شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولیاء و اقطاب کی شان بیان کر کے فرمایا کہ قطبِ واحد صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات کی روحِ مبارک ہے اور آپ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اقطاب کے تخلیقِ نوعِ انسان کے وقت سے مدد و معاون ہیں اور تا قیامت رہیں گے(1)۔

1۔ اسی لیے تو اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:۔

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے — باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے اُمیدگہ کہوں — جانِ مراد و کانِ تمنا کہوں تجھے

جیسا کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا: میں تو اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ اِس کے بعد سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فخرِ دو عالم ﷺ کی روحِ مبارک کے اِس عالمِ آب و گل میں مختار مظاہر ہیں اور اُن میں سے اکمل مظاہر کے نام قطبِ زمان، افراد اور ختمِ ولایت محمدی ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ختمِ ولایتِ عامہ ہیں۔

فضائلِ اہلِ بیت

شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ کے انتیسویں باب میں صفحہ ۲۵۵ پر اِس امر کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جس شرف اور جن عنایات سے نوازا ہے اُن کی رعایت سے آپ کے اہلِ بیتِ اطہار کی فضیلت کیا ہے؟ چونکہ رسول اللہ ﷺ خالص عبد ہیں اس لیے اللہ جل شانہٗ نے آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو پاک صاف فرما دیا(1) اور ان سے ہر قسم کی رِجس کو دور کر دیا اور رِجس ہر معیوب چیز کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِس بارے میں یوں فرمایا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (احزاب)

"بے شک اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔

پس اُن حضرات کی جانب نہیں نسبت کر سکتے مگر پاکیزگی کی اور جس چیز کی اُن کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ اُن کے حال کے عین مطابق ہے اور اُن کی طرف وہی منسوب ہوگا جسے طہارت اور پاکیزگی حاصل ہوگی نیز سرورِ کون و مکاں ﷺ کی زبانِ مبارک سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی طہارت، حفظِ الٰہی اور گناہوں سے بچنے کی شہادت دی گئی ہے۔ علاوہ بریں اُن کے متعلق فخرِ

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں | درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے
اِس مُردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں | تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری | حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختمِ سخن اِس پہ کر دیا | خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

1۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا | تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا

دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ سلمان ہم سے اور ہمارے اہلِ بیت سے ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

اہلِ بیت اطہار کے حق میں اللہ رب العزت نے طہارت اور ذہابِ رجس کی گواہی دی ہے اور جب اُن کی جانب مقدس ومطہر کے سوا کوئی دوسرا منسوب ہی نہیں ہوسکتا اور اِس نسبت کے باعث آدمی عنایتِ الٰہی کا اِس درجہ مستحق ہو جاتا ہے تو خود اہلِ بیت کی مقدس ہستیوں کے بارے میں کیا گمان ہونا چاہیے؟ معلوم ہوا کہ وہ حضرات نہ صرف پاک صاف بلکہ عین طہارت ہیں۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اہلِ بیت کو اِس آیت کریمہ میں بھی شامل فرمایا ہوگا، جو یوں ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح)

"تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔

کیونکہ گناہوں سے بڑی اور کون سی گندگی ہوسکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت کے ساتھ اُس چیز سے پاک صاف رکھا جو ہمارے حق میں گناہ ہے اور ایسا کوئی فعل اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرزد ہو تو خواہ وہ دیکھنے والے کو صورتاً گناہ نظر آئے لیکن حقیقت میں گناہ ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شرعاً ہماری جانب سے کوئی مذمت لاحق نہیں ہوسکتی، بصورتِ دیگر اگر حقیقت میں وہ گناہ ہوتا تو وہی مذمت لاحق ہوسکتی جو گناہ کرنے سے ہوتی ہے۔ اِس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ: اللہ تعالیٰ اہلِ بیت سے ہر قسم کی گندگی کو دور کرنا اور اُنہیں پاک صاف رکھنا چاہتا ہے، کیونکر صادق آئے گا؟

پس سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولادِ امجاد اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے، جو قیامت تک زمرۂ اہلِ بیت میں ہیں وہ مذکورہ آیت کریمہ کے حکمِ مغفرت میں بھی شامل ہیں۔ ایسے جملہ حضرات فخرِ کون ومکاں، افتخارِ زمین وزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کے ساتھ خاص طور پر پاک صاف ہیں اور اہل بیت کے اِس خصوصی شرف کا مظاہرہ حقیقت میں بروزِ قیامت ہوگا کیونکہ یہ حضرات قدسی صفات قبروں سے مغفور ومرحوم ہی اٹھائے جائیں گے اور اِس دارِ عمل ومکافات میں اگر اُن میں سے کسی پر حد قائم کرنا لازم آئے تو تائب کی طرح اُس پر حد قائم کی جائے گی، جس نے زنا کیا یا چوری کی یا شراب پی اور اُس کی شکایت حاکم تک پہنچی اور حاکم اُس پر اس حالت میں حد قائم کر رہا ہو کہ اُس نے توبہ کر لی ہے۔ ایسے کی مغفرت چونکہ ثابت ہے لہٰذا اُس کی

مذمت جائز نہیں۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے کلام معجز نظام پر ایمان رکھتا ہے اُس کو چاہیئے کہ اللہ رب العزت کے اِس ارشادِ عالی کی دل و جان سے تصدیق کرے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ﴿۳۳﴾ (احزاب)

"بے شک اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔

اور اہلِ بیتِ اطہار سے اگر کوئی ناشدنی فعل سرزد ہو جائے تو اُس کے متعلق یہی گمان کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتا ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ ایسے کسی امر کے باعث اُن کی مذمت کرے اور نہ کسی ایسے فعل کے سبب جو کارِ خیر ہو لیکن وہ اُسے نہ کر سکے تو اُن کے تقویٰ و طہارت کی پاک صاف چادر کو داغدار کرنے کا وبال اپنے سر نہ لے کیونکہ اُنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا پاک کیا ہے کہ ہر طرح کی گندگی اُن سے دور فرمادی ہے۔ یہ اُن کے حال پر اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور وہ بڑا فضل والا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو خبر وارد ہوئی وہ حق اور صحیح ہے، واقعی اُن کا وہی درجہ اور مرتبہ ہے۔ اگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت ایسی ہوتی جو ظاہری شرع کے نزدیک پسندیدہ نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔ اِس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اہلِ بیت کی جانب ایسے حضرات بھی منسوب ہیں جن سے رِجس دور نہیں ہوئی ہے اور اُس منسوب کیے گئے رِجس کے مطابق حضرات اہلِ بیت کی شان پر حرف آئے گا، حالانکہ اُن مقدس ہستیوں کی طہارت نصِ قطعی سے ثابت ہے اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بالیقین اہل بیت سے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ عقیل و سلمان کے عقب کو بھی یہ شرف حاصل ہوگا جیسے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد و عقب اور اہل بیت کے آزاد کردہ غلاموں کو یہ شرف حاصل ہے اور دوستو! اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق کا یہ مرتبہ ہے کہ اہلِ فضل و کمال کی جانب منسوب ہونے والا بھی اُس کمال سے منسوب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ شرف اُن کے نفوس کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اُنہیں منتخب کر کے شرافت کی پوشاک پہناتا ہے۔ پس اے اللہ کے دوست! اُس شخص کا مقام کتنا بلند ہوگا جو اُس ذات کی طرف منسوب ہو جس کے لیے عنایت، بزرگی اور شرف خود اپنی ذات سے ہے اور وہ ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو صرف اُسی کی جانب

منسوب ہیں، اُن کی یہی شان ہے کہ آخرت میں کسی مخلوق کو اُن پر غلبہ نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِسی لیے تو ابلیس علیہ اللعنۃ سے فرمادیا تھا کہ:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر)

''بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں''۔

اِس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہمیں نیک لوگوں کے سوا اور کسی کی اللہ ربُّ العزت کی طرف نسبت نہیں ملتی اور دوسری قسم کے لوگوں کے لیے صرف عباد کا لفظ آتا ہے۔ پس کیا خیال ہے تمہارا اُن ہستیوں کے بارے میں جو گناہوں سے بچائے ہوئے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی قائم کردہ حدود اور نشانات پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اعلیٰ مراتب پر فائز اور کامل انسان ہیں۔

اِس کے بعد شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب تیرے نزدیک اہلِ بیتِ اطہار کا مرتبہ واضح ہو چکا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اُن سے واقع ہونے والے کسی فعل پر اُن کی مذمت کرے کیونکہ ربِّ کریم نے اُنہیں پاک صاف فرمایا ہے، اِن حالات میں مذمت کرنے والے کو جان لینا چاہیے کہ یہ مذمت اُسی کی جانب لوٹے گی کیونکہ اُس کی نظر میں اگر اُن حضرات قدسی صفات نے کوئی ظلم کیا ہے تو وہ فعل اُن کے گمان میں ظلم ہوگا لیکن حقیقتِ نفس الامری کے لحاظ سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا، خواہ ظاہر شرع بھی اُس کی ادائیگی کا فیصلہ کرے، کیونکہ اِن حضرات کا ہمارے اوپر ظلم کرنا حقیقت میں تقدیرِ الٰہی کے جاری ہونے کی طرح ہے، جیسے تقدیرِ الٰہی سے جان و مال کے غرق ہونے، جل جانے اور دوسرے طریقوں سے ہلاکت کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں یا جیسے کسی کا کوئی دوست یا عزیز جل کر مر جائے یا خود اُسے کوئی صدمہ پہنچے۔ چونکہ یہ اُس کی رضا و رغبت کے مطابق نہیں، اِس کے باوجود اُسے یہ ہرگز اجازت نہیں ہے کہ قضائے الٰہی کی مذمت کرنے بیٹھ جائے بلکہ اُس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے مواقع پر تسلیم و رضا کا دامن مضبوطی سے تھامے، اگر اِس سے نچلے درجے پر رہنا ہے تو صبر کرے اور بلند منصب حاصل ہے تو مصائب پر بھی شکر ادا کرے کیونکہ مصائب کی برداشت کے مطابق نعمتیں ہیں۔ مذکورہ راستوں کے علاوہ اور کوئی طرزِ عمل اختیار کرنا بہتر نہیں ہے۔ علاوہ بریں دیگر راستوں میں تنگی، سختی، رضائے الٰہی پر راضی نہ رہنا اور سوءِ ادب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

پس مسلمان کو چاہئے کہ اہلِ بیتِ اطہار کی طرف سے جو اُن کے جان، مال، اولاد کے ساتھ یا کسی

معاملے میں ایسا سلوک ہو جائے جو اُس کی مرضی کے خلاف ہو، تو اُسے چاہیے کہ تسلیم و رضا اور صبر کے ساتھ اُسے برداشت کرے اور اُن کی ذرا سی بھی مذمت نہ کرے۔ اگرچہ اُس پر شرعی احکام جاری ہوں مگر یہ اُن کے شرف و مجد کو زائل نہیں کرتے بلکہ تقدیر کی طرح جاری ہوتے ہیں۔

ہم نے اہلِ بیت کی مذمت کرنے سے بایں وجہ منع کیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اُن حضرات کو ہم سے ممتاز کیا ہے اور ہم اُن کے قطعاً ہم پلّہ نہیں ہیں۔ رہا حقوق مشروعہ کے ادا کرنے کا معاملہ، تو خود رسول اللہ ﷺ جب یہود سے قرض لیتے اور مطالبہ کرتے تو آپ بطریقِ احسن ادا فرما دیتے۔ اگر یہودی بدسلوکی بھی کرتے تب بھی آپ ﷺ صحابۂ کرام کو منع فرما دیتے کہ اِس سے درگزر کرو اور کچھ نہ کہو، کیونکہ صاحبِ حق کو کلام کی گنجائش ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا کہ اگر فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی چوری کرے تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ پس احکامِ الٰہی کا وضع کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جیسے چاہے اور جس حال میں چاہے وضع فرمائے، کیونکہ یہ اللہ رب العزت کے حقوق ہیں، لیکن بایں ہمہ اللہ جل شانہٗ نے اُن کی مذمت نہیں فرمائی ہے۔

یہاں کلام ہمارے حقوق کے بارے میں ہے اور ہمیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر چاہیں تو اپنے حقوق کا اُن حضرات سے مطالبہ کر سکتے ہیں اور چاہیں تو اُن سے دستبردار ہو سکتے ہیں جبکہ عام لوگوں سے حقوق میں دست بردار ہو جانا ہی افضل ہے تو اہلِ بیت کے ساتھ ایسا سلوک کرنا تو اور بھی فضیلت رکھتا ہے۔ جب ہمیں کسی مسلمان کی بھی مذمت نہیں کرنی چاہیے تو اہلِ بیت کی مذمت کس منہ سے کریں؟ اگر ہم اہل بیت سے اپنے حقوق طلب نہ کریں اور جو اُنہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہو اُس سے درگزر کریں تو اس حسنِ سلوک کے عوض بارگاہِ خداوندی سے بہت بڑا انعام اور قربِ الٰہی نصیب ہوگا کیونکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے اِس کے علاوہ ہم سے اور کوئی چیز طلب نہیں فرمائی کہ آپ کے قرابت داروں کے ساتھ محبت کی جائے۔ اِس میں راز یہ ہے کہ صلہ رحمی ایک اہم چیز ہے، لیکن جو شخص اپنے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے سوال کو پورا نہ کرے جبکہ وہ اس پر قادر ہے تو کل بروزِ قیامت کس منہ سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگا یا کس طرح اُن سے شفاعت کی امید رکھے گا جبکہ اُس نے اپنے نبی کے ایک مطالبے کو پورا نہ کیا، جو آپ ﷺ نے اپنے قرابت داروں سے محبت رکھنے کے بارے میں کیا ہے۔

جائے غور ہے کہ جب قرابت داروں کی بارگاہِ رسالت میں اتنی اہمیت ہے تو اہلِ بیتِ اطہار کی

اہمیت کتنی ہوگی جبکہ یہ جملہ حضرات قرابت میں بھی خاص الخاص ہیں۔

علاوہ بریں قرآنِ کریم میں لفظ مَوَدَّۃ آیا ہے اور اِس کا مطلب محبت پر قائم رہنا ہے، کیونکہ جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اسے ہر حال میں حرزِ جان بنائے رکھتا ہے اور جب اہلِ بیت کی محبت کو ساتھی بنا کر رکھا جائے گا، تو اُن سے جو حق تلفی بھی ہو جائے گی، تو بھلا وہ اُن سے کس طرح مطالبہ کرے گا؟ وہ مطالبے کو ترک کر دے گا اور مطالبے پر محبت کو ترجیح دے گا۔ کسی محبِ صادق نے کیا خوب کہا ہے کہ محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے۔ یہ محبت کرنے کے بارے میں کہا ہے تو مَوَدَّۃ میں کیا حال ہونا چاہیے؟ اِس میں ایک خوشخبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام وَدُوْدٌ بھی ہے اور آخرت میں اِس کا بالفعل اثر حاصل ہونے کے سوا اِس کے ثبوت کا کوئی اور معنیٰ نہیں ہے اور لوگوں میں سے ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو حکمتِ الٰہی کا مقتضیٰ ہے۔ ایک دوسرے شاعر نے اِسی بات کو یوں ادا کیا ہے:۔

أُحِبُّ لِحُبِّهَا السُّوْدَانِ حَتّٰی   أُحِبُّ لِحُبِّهَا سُوْدَا الْكِلَابِ

''اپنے محبوب کی محبت میں کالے کلوٹے لوگوں سے بھی محبت کر، حتیٰ کہ کالے کتوں سے بھی محبت رکھ''۔

اور شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس مضمون کو یوں باندھا ہے:۔

اَحِبَّ لِحُبِّکَ الْحُبْشَانَ طُرًّا   وَاعْشِقْ لِاِسْمِکَ الْبَدْرِ الْمُنِیْرَا

''اپنی محبت کے باعث سارے حبشیوں سے محبت کر اور اپنے نام کے باعث بدرِ منیر کا عاشق ہو جا''۔

کہتے ہیں کہ کالے کتے مجنوں کو کاٹتے تھے لیکن وہ لیلیٰ سے رنگ کی مناسبت رکھنے کے باعث اُن سے بھی محبت کرتا تھا۔ اُس محبّ کا یہ حال ایسے شخص کی محبت میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ اُس کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، پھر بھی یہ سلوک ہے جو مذکور ہوا اور یہ سچی محبت اور دِلی مودّت کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس اگر تجھے اللہ جل شانہٗ اور اُس کے آخری رسول ﷺ سے سچی محبت ہے تو یقیناً تو اہلِ بیتِ نبی سے محبت رکھے گا اور یہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اہلِ بیت سے تیری طبیعت اور مرضی کے خلاف اگر کوئی بات صادر ہو جائے تو تیرے لیے وہ بہتر ہے اور اُس کے وقوع سے تجھے خوش ہونا چاہیے تجھے اِس کا علم اُس وقت ہوگا جب اُس کے روبرو جائے گا جس کے باعث اِن حضرات سے محبت کی ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ تیرے دل میں اُن کی محبت اور قدر و منزلت رکھی جو اہلِ بیتِ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تجھے چاہیے کہ اِس نعمت پر شکر

گزار رہے کیونکہ اُن پاک زبانوں پر تیرا ذکر آیا جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کامل طہارت سے نوازا ہے، جس کی حقیقت تک تیرے علم کی ہرگز رسائی نہیں ہے اور جب ہم تجھے اہلِ بیت کرام کے ساتھ، جن کا تو محتاج ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن کے صدقے تجھے ہدایت ملی ہے، اِس حالت کے خلاف دیکھیں تو اُس وقت تیری محبت کا یقین کس طرح کیا جائے گا؟ کیا رسول اللہ ﷺ یہ نہیں فرمائیں گے کہ تو مجھ سے محبت رکھنے اور میرے حقوق کی رعایت کرنے کا گمان رکھتا تھا حالانکہ میرے اہلِ بیت کے ساتھ تیرا یہ سلوک ہے کہ اُن کے متعلق بدگمانی رکھتا تھا اور اُن کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا تھا۔

خدا کی قسم یہ ایمان کی خرابی، اللہ تعالیٰ کی خفی تدبیر اور اُس کی ڈھیل کے سوا اور کچھ نہیں، حالانکہ تجھے اِس کا علم تک نہیں۔ تو یہی خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین وشرع کی حفاظت کر رہا ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ اپنے حق کی طلب میں کہہ رہا ہے اور تو اپنے خیال میں وہی طلب کر رہا ہے جس کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ نے مباح ٹھہرایا ہے۔ لیکن اِس طلب میں ذمّ، بغض، حسد اور اہلِ بیت پر اپنی ذات کو ترجیح دینا بھی تو شامل ہے، جس کا تجھے شعور نہیں۔ اِس مہلک بیماری کا شافی علاج یہی ہے کہ اہلِ بیتِ اطہار پر تو اپنے کسی حق کا دل میں خیال تک نہ لا اور اپنے حق سے دست بردار ہو جا، تاکہ اُس کی طلب میں مذکورہ خرابیاں داخل نہ ہونے پائیں۔ آخر تو مسلمانوں کے حکام سے تو ہے نہیں کہ تجھ پر حدود کا قائم کرنا، مظلوم کا انصاف کرنا اور حقدار کو اُس کا حق دلوانا ضروری ٹھہرے۔ اگر تو حاکم ہے اور مذکورہ حقوق کا پورا کرنا تیرے ذمے لازمی ہے اور محکوم علیہ اہلِ بیت سے ہے، تو تجھے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ صاحبِ حق سے کہے کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور اُس کے انکار کی صورت میں شرع کا حکم نافذ کرنا تجھ پر ضروری ہے۔ اے دوست! آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلِ بیت کے جو منازل ومراتب ہیں، اگر اللہ تعالیٰ تیرے لیے اُن کا کشف کر دے تو تُو اُن کا غلام ہونا بھی دل وجان سے پسند کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دِلوں کو رُشد وہدایت سے معمور فرمائے (آمین)(1)۔

1۔

کس زباں سے ہو بیانِ عزوشانِ اہلبیت	مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہلبیت
اُن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں	آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلبیت
اُن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں	قدر والے جانتے ہیں قدروشانِ اہلبیت

(حسنؔ بریلوی)

شریعتِ محمدیہ

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیّہ کے چھتیسویں باب، صفحہ ۲۹۰ پر تحریر فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے کہ جب شرعِ محمدی تمام شرائع کو متضمن ہے اور اُن کا اِس دنیا میں شریعتِ محمدیہ کے علاوہ کوئی حکم نافذ نہیں کیونکہ جس حکم کی شرعِ محمدی تقریر کرے وہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ ہم اِن احکام پر اس وجہ سے عمل کرتے ہیں کہ اِن کی رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی ہے اور شرائع سابقہ کے احکام پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ اُن ازمنہ کے مخصوص انبیاءِ کرام نے اُن کی اپنے زمانوں میں تقریر فرمائی تھی۔ چونکہ فخرِ دو عالم ﷺ کو جامع کلمات (جوامع الکلم) دیے گئے ہیں لہٰذا اِس وقت دنیا کے سارے مکلّف، خواہ وہ انسان ہوں یا جنّات، سب شرعِ محمدی پر عمل کریں گے کیونکہ اب شرعِ محمدی کے سوا دنیا میں کوئی اور شرع باقی نہیں ہے۔ شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِسی موضوع کے متعلق کتنے ہی فوائد اور بھی بیان فرمائے ہیں جو اُن پر مطلع ہونا چاہے وہ ان کی تصنیفِ لطیف فتوحاتِ مکیّہ کی جانب رجوع کرے۔

شفاعتِ کبریٰ

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کے باب ۶۴، صفحہ ۴۰۸ پر شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعتِ عظمیٰ کا ذکر کیا ہے کہ جب لوگ کھڑے ہوں گے اور زمین وسیع کر دی جائے گی، آسمان پھٹ جائے گا، ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے، سورج گہنا جائے گا، چاند کی روشنی زائل ہو جائے گی، چوپائے اکٹھے کیے جائیں گے، سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، روحیں اجسام میں داخل ہو جائیں گی، فرشتے آسمان کے کناروں پر اتر پڑیں گے، پروردگارِ عالم کی خاص تجلّیات بادلوں کے جھمگھٹوں سے ظاہر ہوں گی، ایک منادی پکارے گا کہ اے نیک بختو! اُس وقت اہلِ محشر کی تین جماعتیں ہو جائیں گی۔ لوگ ایک دوسرے سے اتنے مل جائیں گے کہ گرمی اور زیادہ محسوس ہونے لگے گی۔ بعض آدمی اپنے منہ تک پسینے میں غرق ہوں گے۔ یہ مصیبت سب سے سخت اور معاملہ انتہائی نازک ہوگا، لوگ حیران و پریشان ہوں گے اور بعض دھیمی آوازوں کے سوا کسی کی آواز تک سنائی نہیں دے گی۔ اُس وقت جہنم کو حاضر کیا جائے گا اور لوگوں کو اِس مصیبت میں پڑے ہوئے کافی عرصہ ہو جائے گا اور اُنہیں اس بات کا بالکل پتہ نہیں لگے گا کہ اللہ تعالیٰ کا اُن کے ساتھ آج کیا ارادہ ہے؟

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ! ہم سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السّلام کے حضور میں حاضر ہو کر اُن سے عرض کریں کہ جس سختی میں ہم

مبتلا ہیں اُس سے نجات دِلوانے کے لیے اللہ ربُّ العزت کی بارگاہ میں عرض کریں اور ہمیں آرام دِہ جگہ کی طرف لے جائیں کیونکہ اِس مصیبت کی جگہ ٹھہرے ہوئے ہمیں بہت عرصہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا مدّعا عرض کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج کے روز میرا رب سخت غضب کے عالم میں ہے اور اِس سے پہلے اِتنے غضب کا اُس نے کبھی اظہار نہیں فرمایا اور نہ ایسا غضب اِس کے بعد ظاہر فرمائے گا۔ اِس کے بعد اپنی ظاہری لغزش بیان کر کے فرمائیں گے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سوال کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

اِدھر سے مایوس ہونے پر سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے اور اُن سے بھی اپنا یہی مدعا عرض کریں گے لیکن وہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح جواب دیں گے اور اپنی اُس دُعا کو لغزش شمار کریں گے جو اُنہوں نے اپنی قوم کیلئے کی تھی کہ یہ لوگ فُجّار و کفار ہی کو جنم دیں گے اور نوح علیہ السلام سے جو مواخذہ ہوا، اُس کا سبب محض سخت دعا کرنا ہی نہیں تھا بلکہ اُن کے بارے میں یہ فرمانا تھا کہ یہ لوگ فجار اور کفار کے سوا اور کسی کو جنم نہیں دیں گے۔

اِس کے بعد وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور مثل سابق اُن کے سامنے اپنا مدعا عرض کریں گے۔ آپ بھی حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کی طرح جواب دیں گے اور تین ایسے واقعات کا ذکر فرمائیں گے جو حقیقت میں مبنی بر صداقت تھے لیکن ظاہر میں سامع کی مراد کے مطابق نہیں تھے، چنانچہ اُن کے پیشِ نظر انکار فرمائیں گے۔ ازاں بعد لوگ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی خدمت میں پہنچیں گے اور اپنی غرض کا اُن سے اظہار کریں گے تو وہ بھی آدم علیہ السلام کی طرح جواب دیں گے بالآخر وہ سارا مجمع سیّد الانبیاء، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو جائے گا، جو قیامت کے روز جملہ بنی نوعِ انسان کے سردار ہوں گے۔ جب آپ کی بارگاہ میں بھی وہی مدّعا عرض کریں گے جو دیگر انبیائے کرام کے حضور عرض کر چکے تھے تو سماعت فرمانے کے بعد فخرِ دوعالم ﷺ ارشاد فرمائیں گے، واقعی اِس کام کے لیے میں ہوں(1)۔

یہی تو مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز آپ کو مرحمت فرمایا جائے گا۔ پس آپ وہاں حاضر ہو کر سجدہ ریز ہوں گے اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ ربُّ العزت کی حمد و ثنا بیان کریں گے جو صرف آپ کی طرف اُس وقت الہام فرمائے جائیں گے اور اس سے پہلے اُن سے

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے اِسی لیے فرمایا ہے:

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا، اُن کی گلی سے جائے کیوں

کوئی آگاہ نہ ہوگا۔ اِس کے بعد آپ بارگاہِ خداوندی میں یہ شفاعت کریں گے کہ مخلوق کے لیے بابِ شفاعت کھول دیا جائے گا(1)۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے شفاعت کا دروازہ کھول دے گا اور ملائکہ، انبیاء و مرسلین اور مومنین کو شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہو جائے گی۔ اُس وقت سب پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ سارے انسانوں کے سردار واقعی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ ملائکہ و مرسلین کے لے شفاعت کی اجازت طلب کریں گے لیکن اِس کے باوجود آپ نے ادب ملحوظ رکھتے ہوئے صرف یہی فرمایا ہے کہ میں سَیِّدُ النَّاس ہوں اور سَیِّدُ الْخَلق نہیں فرمایا۔ لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو:

فَتَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ فِيْ ذَالِکَ مَعَ ظُهُوْرِ سُلْطَانِهٖ فِيْ ذَالِکَ الْيَوْمِ عَلٰى جَمِيْعٍ مِنْ مَلَکٍ وَغَيْرِهٖ وَذَالِکَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُمِعَ لَهٗ بَيْنَ مَقَامَاتِ الْاَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ وَلَمْ يَكُنْ ظَهَرَلَهٗ عَلَى الْمَلَائِكَةِ مَا ظَهَرَا لِاٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِمْ مِنْ اِخْتِصَاصِهٖ بِعِلْمِ الْاَسْمَاءِ كُلِّهَا فَاِذَا كَانَ ذَالِکَ الْيَوْمُ اِفْتَقَرَ اِلَيْهِ الْجَمِيْعُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ فِي فَتْحِ بَابِ الشَّفَاعَةِ وَظَهَرَ مَالَهٗ مِنَ الْجَاهِ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذْ كَانَ الْقَهْرُ الْاِلٰهِيُّ وَالْجَبَرُوْتُ الْاَعْظَمُ قَدْ اَخْرَسَ الْجَمِيْعَ وَكَانَ

1۔ شفاعت کا تذکرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے / آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
دِل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ / ہم پیاسوں کے لیے دریا بہاتے جائیں گے
کشتگانِ گرمیِ محشر کو وہ جانِ مسیح / آج دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وہ دن ہے کہ وہ / نعمتِ خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائیں گے
خاک اُفتادو بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے / خود وہ گر کر سجدے میں تم کو اٹھاتے جائیں گے
وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو / جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے
لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف / خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے
آنکھ کھولو غمزدو، دیکھو وہ گریاں آئے ہیں / لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے
سوختہ جانوں پہ وہ پرجوشِ رحمت آئے ہیں / آبِ کوثر سے لگی دِل کی بجھاتے جائیں گے
آفتاب اُن کا ہی چمکے گا جب اَوروں کے چراغ / صَرصَر جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
پائے کوباں پُل سے گزریں گے تری آواز پر / رَبِّ سَلِّمْ کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا! / دَم میں جب تک دَم ہے ذِکر اُن کا سناتے جائیں گے

هٰذَا الْمَقَامُ مِثْلَ مَقَامِ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَعْظَمُ فِي يَوْمٍ اِشْتَدَّتِ الْحَاجَةُ فِيْهِ مَعَ مَاذُكِرَ مِنَ الْغَضَبِ الْاِلٰهِيِّ الَّذِيْ تَجَلّٰى فِيْهِ الْحَقُّ فِي ذَالِكَ الْيَوْمِ وَلَمْ يَظْهَرْ مِثْلَ هٰذِهِ الصِّفَةِ فِيْمَا جَرٰى مِنْ قَضِيَّةِ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَدَلَّ بِالْمَجْمُوْعِ عَلٰى عِظَمِ قَدْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ اَقْدَمَ مَعَ هٰذِهِ الصِّفَةِ الْغَضَبِيَّةِ الْاِلٰهِيَّةِ عَلٰى مُنَاجَاةِ الْحَقِّ فِيْمَا سَأَلَ فِيْهِ فَاَجَابَهُ الْحَقُّ سُبْحَانَهٗ۔(ص۱۱۹،۱۲۰)

''فرشتے بھی اِسی زمرے میں داخل ہیں کیونکہ اس روز سب پر آپ کی بادشاہی ظاہر ہو جائے گی، جن میں فرشتے وغیرہ بھی شامل ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ تمام انبیائے کرام کے مقامات کے جامع ہیں۔ اگرچہ فرشتوں پر آپ کی برتری کا اِس طرح اظہار نہیں فرمایا گیا جس طرح آدم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا تھا، کیونکہ اُنہیں تمام اشیاء کے نام سکھا دیے گئے تھے۔لیکن قیامت کے روز بابِ شفاعت کھلوانے میں فرشتے اور انسان، آدم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام، سارے ہی آپ کے محتاج ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا جو منصب ہے وہ اُس روز ظاہر ہوگا جبکہ قہرِ الٰہی اور جبروت اعظم کو دیکھ کر سب گونگے اور مُہر بلب ہو جائیں گے۔ یہ مقام آدم علیہ السلام کے مقام کی طرح ہے بلکہ اُس سے بدرجہا عظیم کیونکہ اُس سخت روز ساری مخلوق کو آپ کی حاجت ہوگی، جس روز کہ اللہ تعالیٰ اپنے غضب کا اظہار فرمائے گا۔لیکن آدم علیہ السلام کے واقعے میں محبوبیت کی صفت کا ایسا اظہار نہیں پایا جاتا۔ پس مجموعی طور پر یہ آپ کے منصب کی عظمت ورفعت پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ غضب کے اظہار کے موقع پر آگے بڑھ کر باری تعالیٰ سے مناجات کی، سوال کیا اور ربِّ ذوالجلال نے آپ کے سوال کو شرف قبولیت بخشا''۔

اِس شفاعتِ کبریٰ کے بعد میزان قائم ہوگی، اعمال نامے کھولے جائیں گے، پل صراط قائم کیا جائے گا اور عام شفاعت شروع ہو جائے گی۔ اِس کے بعد شیخ علیہ الرحمہ نے شفاعت کرنے والوں اور احوالِ قیامت کا ذکر کیا ہے۔

درجاتِ جنت اور وسیلہ

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۶۵ صفحہ ۴۱۶ پر فرمایا ہے: یہ جان لینا چاہیے

کہ بلحاظ اعمال جنت کے سو درجے ہیں جو کم و بیش نہیں جیسے دوزخ کے سو حصے ہیں اور ہر ایک درجہ مختلف منزلوں میں منقسم ہے۔ ہم یہاں اُن منزل کا ذکر کرتے ہیں جو اُمتِ محمدیہ کے لیے مخصوص ہیں اور جن کے باعث اِس امتِ مرحومہ کو دیگر اُمتوں پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے خود اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے کہ یہ بہتر امت ہے جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا فرمائی گئی۔

مذکورہ سو درجے آٹھوں جنتوں میں سے ہر جنت میں ہیں اور جنت کا ہر درجہ آرام کی جگہ ہے، جن میں سب سے بلند جنتِ عدن ہے، جو سب جنتوں کی سردار ہے۔ اُس میں ایک بلند ٹیلہ ہے، جس میں دیدارِ الٰہی کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوا کرے گا۔ یہ سب جنتوں سے اعلیٰ جنت ہے جیسے بادشاہ کا مکان جس کے گرداگرد آٹھ دیواریں ہوں اور ہر دو دیواروں کے درمیان باغیچہ ہو۔ وہ جنت جو جنتِ عدن سے قریب تر ہے اُس کا نام جنت الفردوس ہے۔ یہ جنت عدن کے بعد باقی تمام جنتوں سے افضل و اعلیٰ ہے، تیسری جنت الخلد، چوتھی جنت النعیم، پانچویں جنت الماویٰ، چھٹی دارالسلام اور ساتویں کا نام دارالمقامہ ہے۔

جنتِ عدن میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جس کا نام وسیلہ ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے جس کی خاطر اُمتِ محمدیہ بھی دعائیں کرتی ہے کہ وہ فخرِ دوعالم ﷺ ہی کو حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اِس میں پوشیدہ حکمت ہے حالانکہ ہم سب نے ہر سعادت سرورِ کون و مکاں ﷺ ہی کے سبب پائی ہے اور آپ ہی کے باعث یہ امت باقی جملہ امتوں سے بہتر ہے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے اور آپ کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمیں آخری امت بنایا جیسے نبی کریم ﷺ کو آخری نبی بنایا ہے۔ اور سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کر دیا اور اِس فضیلت کی خود رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بشارت دی ہے، جس کے ذکر کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا تھا اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک خاص راستہ ہوگا جس کے ذریعے ہم پروردگارِ عالم سے ہمکلامی کا شرف حاصل کریں گے اور اللہ جل شانہٗ ہم سے خاص گفتگو فرمائے گا۔ اسی طرح ہر مخلوق کے لیے اپنے رب کی طرف ایک خاص راستہ ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کیا کریں، حتیٰ کہ آپ وہاں رونق افروز ہو جائیں، جس کے بارے میں حکمتِ الٰہی اِسی کی مقتضی ہوئی کہ وہ آپ کو اُمتِ مرحومہ کی دعاؤں کے باعث مرحمت فرمایا جائے گا۔ اُمتِ وسطیٰ کے اِس شرف پر غور کرنا چاہیے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی اور اِس امت کو کرامت بخشی ہے۔

جنت کے پانچ ہزار ایک سو پانچ درجے بنتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اِس سے زیادہ ہیں جبکہ اِس

تعداد پر اصل ہونے کے باعث تمام اہلِ کشف کا اتفاق ہے اور وہ زائد درجے انواع واجناس کا مقام رکھتے ہیں۔ امتِ محمد یہ اِن درجات میں بھی دیگر اُمم سے ممتاز ہے۔ چنانچہ بارہ درجے ایسے ہیں جو صرف اِسی امت کے ساتھ خاص ہیں، باقی امتیں اُن میں شریک نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخرت میں وسیلہ اور شفاعت کے ذریعے باقی جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے اور دنیا میں چھ ایسی چیزوں کے باعث آپ فضیلت دیے گئے ہیں جو دیگر انبیاء و مرسلین کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں، جیسا کہ امام محمد مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ کی الجامع الصحیح میں صحیح حدیث ہے، جس میں یہ چھ امر بیان فرمائے گئے ہیں: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا عام ہونا یعنی ساری مخلوق کے لیے نبی بن کر آنا۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غنائم کا حلال ہونا۔ (۳) رُعب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمانا۔ (۴) ساری زمین کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مسجد بنا دینا۔ (۵) مٹی کو آپ کے لیے پاک قرار دینا۔ (۶) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمانا۔

درودِ پاک

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۶۹، صفحہ ۶۸۴ پر لکھا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے برحق کلام میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب)

"بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اِس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! اِن پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

مسلمانوں نے اپنے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درود کی کیفیت دریافت کی، جس کا اُنہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا کرو، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں درود ابراہیمی کی تعلیم فرمائی کہ مسلمان بایں الفاظ درود بھیجا کریں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

"اے اللہ! درود بھیج حضرت محمد پر اور آلِ محمد پر جیسے تو نے حضرت ابراہیم اور اُن کی آل پر صلوٰۃ بھیجی۔ بے شک تو تعریف کیا گیا اور حقیقی بزرگی والا ہے"۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر جس طرح درود بھیجی گئی اُس کے مانند درود بھیجنے کی

دعا کی گئی ہے۔ اگر تم کہنے لگو کہ اِس حدیث سے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبی کریم ﷺ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہاں یہ طلب کی گئی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیج۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فخرِ دو عالم ﷺ کے لیے درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے اور اُن کی آل پر درود بھیجنے کا قرآنِ کریم میں حکم نہیں دیا ہے لیکن سرورِ کون و مکاں ﷺ نے جو درود بغرضِ تعلیم بتایا اُس میں آلِ محمد پر درود بھیجنے کا اضافہ موجود ہے۔ علاوہ بریں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ طلب نہیں کیا کہ آپ پر ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیجی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نبیِ آخرالزماں ﷺ پر سب سے زیادہ عنایت ہے اور آپ ﷺ کو ایسے امور سے مختص فرمایا گیا ہے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں ہوئے، خواہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں یا دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام۔ آپ کو اِس منصب کا حاصل ہونا اِسی اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (خاص رحمت) کے باعث ہے۔ دریں حالات آقائے کائنات کس طرح یہ چاہتے کہ آپ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صلوٰۃ بھیجی جائے؟ بلکہ اِس سے مراد وہی ہے جو میں بیان کرنے لگا ہوں (انشاء اللہ تعالیٰ) کہ کسی شخص پر صلوٰۃ کے لیے کبھی تو اُسے معیّن کیا جاتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ پس جو صلوٰۃ دوسرے کی نسبت کے اعتبار سے ہے یہ مجموع کے لیے ہے، کیونکہ مجموع کا حکم واحد کے لیے نہیں ہوتا جبکہ وہ منفرد ہو۔

اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آل کی تفسیر و تشریح میں بہت کچھ لکھا ہے، جس کے نقل کرنے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ چونکہ اُس میں بے شمار فوائد ہیں لہٰذا خواہشمند کو اصل کتاب کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ اِس کے بعد فرمایا ہے کہ مذکورہ صلوٰۃ مجموع کے لحاظ سے ہے اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بلحاظِ زمانہ مقدّم ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے روز تمام انسانوں کے سردار ہوں گے، جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بلند ہو اُس پر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثل صلوٰۃ کس طرح ہو سکتی ہے؟ لہٰذا اصل بات وہی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے اور یہ مسئلہ ہمارے وقائع سے واقعۃَ الٰہیہ ہے۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

فضیلتِ جمعہ

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحاتِ مکیّہ کے باب ۷۱، صفحہ ۸۱۲ پر جمعہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایسا دن ہے جس کی مثل کوئی اور دن نہیں کیونکہ ہر وہ دن جس میں سورج طلوع ہو، یہ اُس سے بہتر ہے۔ اِس روز کے بارے میں اُممِ سابقہ میں اختلاف واقع ہو گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے

ہمیں اس کی جانب ہدایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کسی سے اِس کا ذکر نہ فرمایا۔ ایسا کمال کی مناسبت سے کیا گیا کیونکہ آپ سارے انبیائے کرام سے اکمل اور آپ کی امت ساری امتوں سے اکمل ہے۔ دیگر امتوں کے لیے ان کے انبیاء سے اس لیے روزِ جمعہ کی وضاحت نہیں فرمائی گئی تھی کہ وہ امتیں اس کے لیے مستعد نہ تھیں اور کمال میں اُن کا یہ درجہ نہیں تھا کہ انہیں افضل دن مرحمت فرمایا جاتا۔ جمعۃ المبارک کی یہ امت اس لیے حقدار ہے کہ ان کا نبی دیگر انبیاء سے اور یہ امت دیگر اُمم سے افضل و اعلیٰ ہے۔ والحمد للّٰہ الذی اصطفانا۔

وصال

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کی جلد دوم، باب ۷۳، صفحہ ۷ پر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس دین کی جو منسوخ نہ ہو سکے اور اُس شریعتِ مطہرہ کی جو تبدیل نہ ہو سکے، مکمل تبلیغ کرنے کے بعد وفات پائی اور سارے مرسلین بھی اِسی شریعت میں داخل ہو کر اسے قائم کرتے رہے تھے اور آپ سے پہلے زمین کسی زندہ رسول سے خالی نہیں رہی، جو جسمانی طور موجود ہوتا تھا کیونکہ وہ اس جہان میں انسانی دنیا کا قطب ہوتا ہے۔ رسول خواہ ایک ہزار ہوں لیکن ان میں سے ایک امام ضرور ہوتا ہے جو مقصودِ کائنات ہوتا ہے۔ اُن رسولوں میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد بھی جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، تین رسول ہیں۔

اُن میں سے ایک حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، جو اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور اُنہیں اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان پر بلایا ہوا ہے اور ساتوں آسمان بھی اِسی دنیا میں شمار ہوتے ہیں، جو دنیا کی بقا تک باقی رہیں گے اور اِس کے فنا ہو جانے سے اُن کی صورت بھی فنا ہو جائے گی۔ وہ دنیا کا ایک جزو ہیں کیونکہ آخرت میں زمین کے ساتھ آسمانوں کی صورت بھی بدل جائے گی اور زمین میں حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو باقی رکھا ہوا ہے جو گروہِ مرسلین سے ہیں اور یہ تینوں حضرات اُسی دینِ حنیف پر قائم ہیں جسے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لے کر آئے تھے اور اِن تینوں حضرات کی رسالت پر سب کا اتفاق ہے۔ چوتھے حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ وہ ہمارے سوا دوسروں کے نزدیک مختلف فیہ ہیں (یعنی بعض کے نزدیک نبی ہیں اور بعض کے نزدیک نبی نہیں ہیں)۔ یہ تمام حضرات اپنے جسموں سمیت دنیا میں زندہ موجود ہیں۔ شیخ علیہ الرحمہ نے اِس موضوع پر مزید گفتگو کی ہے، جو چاہے اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

اخلاق اللہ سے مطابقت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۷۳، صفحہ ۹۷ پر حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے سوال نمبر ۴۹ اور ۵۰ کا جواب دیا ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ اِس سے پہلے سوال میں جو اللہ تعالیٰ کے ۱۱۷ خلق مذکور ہیں اُن میں سے فخرِ دو عالم ﷺ میں کتنے اخلاق پائے جاتے ہیں اور دیگر انبیاء و مرسلین میں کتنے؟

جواب:۔ اس کا یہ ہے کہ دو کے سوا سارے اخلاق سرورِ کون و مکاں ﷺ کو حاصل تھے اور دیگر مرسلین عظام اِن میں اپنے اپنے مراتب پر ہیں، جیسا کہ اُن کی کتابوں اور صحائف میں مذکور ہے، لیکن فخرِ دو عالم ﷺ اُن سب کے جامع ہیں بلکہ آپ عنایتِ ازلیہ کے بھی جامع ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253)

”یہ رسول ہیں کہ ہم نے اِن میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا“۔

یہ فضیلت اُن اخلاق وصفات میں ہے جو اُن کو حاصل ہے۔ اِس کے ساتھ ہی یہ جاننا ضروری ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اُن کی کئی قسمیں بنائیں اور ہر قسم میں نیک لوگ رکھے پھر اُن نیک لوگوں سے خواص کو چُنا، جو مومن ہیں۔ اہلِ ایمان سے خواص کو چنا، جو اولیاء ہیں۔ اُن سے خواص کو چنا، جو صاحبِ شریعت نبی ہیں۔ جن پر شریعت کا انحصار ہے۔ اِس خلاصہ سے ایک چھوٹی سی جماعت چنی، جو خلاصے کا خلاصہ (اولوالعزم پیغمبر) ہیں اور وہ تمام رسول ہیں اس کے بعد:

اِصْطَفٰى وَاحِدًا مِنْ خَلْقِهٖ هُوَ مِنْهُمْ وَلَيْسَ مِنْهُمْ هُوَ الْمُهَيْمِنُ عَلٰى جَمِيْعِ الْخَلَائِقِ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِمَادًا اَقَامَ عَلَيْهِ قُبَّةَ الْوُجُوْدِ وَجَعَلَهُ اللّٰهُ اَعْلَى الْمَظَاهِرِ وَاَسْنَاهَا صَحَّ لَهُ الْمَقَامُ تَعْيِيْنًا وَتَعْرِيْفًا فَعَلِمَهٗ قَبْلَ وُجُوْدِ طِيْنَةِ الْبَشَرِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكَاثَرُ وَلَا يُقَادَمُ هُوَ سَيِّدُ مَنْ سِوَاهُ سُوْقَةٍ قَالَ عَنْ نَفْسِهٖ اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ وَلَا فَخْرَ اَیْ اَقُوْلُهَا وَلَا اَقْصُدُ الْاِفْتِخَارَ عَلٰى مَنْ بَقِیَ مِنَ الْعَالَمِ۔ (ص ۱۲۲)

”اپنی ساری مخلوق سے صرف ایک کو چن لیا، جو بظاہر اُن میں سے ہے لیکن درحقیقت اُن میں سے نہیں ہے۔ وہ ساری مخلوق کا نگہبان ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے ایسا ستون بنایا ہے جس پر کائنات کے وجود کا قبہ کھڑا ہے اور نہ اُسے نہایت اعلیٰ اور خوبصورت مظہر بنایا

ہے۔ تعیین وتعریف کے لیے اُس کا منصب متعین فرمایا ہے نوعِ بشر کے وجود سے پہلے اُسے علم کے ساتھ بھرپور کر دیا گیا اور وہ ہستی محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ جن کی کوئی مثال نہیں اور نہ کوئی اُن کا مدِ مقابل۔ وہ اپنے ماسوا کے سردار ہیں۔ اُنھوں نے خود فرمایا ہے کہ میں بنی نوعِ انسان کا سردار ہوں اور فخر یہ نہیں کہتا یعنی منصب کا اظہار کرتا ہوں باقی لوگوں پر فخر کرنا مقصد نہیں ہے"۔

نبی کا قدم

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ جلد ثانی کے صفحہ ۱۰۵ پر سوال ۵۸ کے جواب میں پہلے یہ فرمایا ہے کہ اولیائے محدثین یعنی ملہمین کا مرتبہ انبیائے کرام کے سامنے اُسی طرح ہے جیسے تابع اور متبوع کے مراتب ہوتے ہیں، اُنھیں حضرات انبیاء کی اقتداء میں چلنا ہوتا ہے۔

ہمارے شیخ محمد فائد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو اپنے سامنے قدم کا نشان دیکھ کر میں نے غیرت محسوس کی۔ مجھے مطلع فرمایا گیا کہ یہ تو تمہارے نبی کا قدم ہے۔ یہ معلوم کر کے میری وہ غیرت جاتی رہی۔ یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے اقدام کی جامع ہے۔ اسی لیے ہر ولی اپنے سامنے قدم دیکھتا ہے، جو اس نبی کا قدم ہوتا ہے جس کا وہ وارث ہے۔ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک تک کسی کی رسائی نہیں ہے(1)۔ جیسے آپ کے قلب مبارک تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا جس قدم کو شیخ موصوف نے دیکھا تھا یا کوئی دوسرا دیکھے، وہ اسی نبی کا قدم ہوگا جس کا وہ وارث ہے، لیکن اس اعتبار سے کہ وہ قدمِ محمدی سے الگ تو نہیں ہے، بایں وجہ ہمارے شیخ علیہ الرحمہ سے فرمایا گیا کہ یہ تیرے نبی کا قدم ہے اور اُن سے یہ تو نہیں فرمایا گیا تھا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا قدم ہے۔

مقامِ محمود

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۷۳، صفحہ ۱۱۳ پر سوال نمبر ۷۳ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال:۔ مقامِ محمود کیا ہے؟

1۔ لیکن حضور سیّدنا غوثِ اعظم، غیثِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہاں تک رسائی ہوگئی تھی جیسا کہ اُنھوں نے خود اپنے مشہور قصیدہ خمریہ غوثیہ میں فرمایا ہے:۔

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّيْ ۔۔۔ اَنَا قَدَمٌ نَبِيٍّ بَدْرُ الْكَمَالِ

جواب:۔ مقامِ محمود وُہ ہے جو سارے مقامات کی انتہا ہے اور اُسی کی طرف تمام اسمائے الٰہیہ ناظر ہیں، جو مقامات کے ساتھ مختص ہیں۔ مقامِ محمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے اور قیامت کے روز وہ عام لوگوں پر بھی ظاہر ہو جائے گا اور اِسی کے ذریعے آپ کی جمیع مخلوق پر سیادت ظاہر ہوگی۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (قیامت کے روز میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا) حضرت آدم علیہ السلام اسی مقام پر ٹھہرائے گئے تھے جبکہ فرشتوں نے اُن کے لیے تعظیمی سجدہ کیا تھا، کیونکہ اِس مقام کا دنیا میں یہی مقتضی ہے۔ آخرت میں یہ مقام سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے۔ وہ حضرتِ الٰہیہ کا کمال ہے۔ اسی لیے وہاں سب سے پہلے ابوالبشر کا ظہور ہوا کیونکہ اُن کا جسم نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت کو متضمن ہے۔ جسمانی لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام سارے انسانوں کے باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور خاکی پتلے میں حیاتِ انسانی کے سب سے پہلے پیکر ہیں اور یہ سارے مقامات اُن کی بدولت ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

عاقبت کی شہنشاہی کا سہرا روزِ قیامت سے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر ہوگا۔ اُس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی مقامِ محمود پر جلوہ افروز ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدولت ہی شفاعت کا دروازہ کھلے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی اُن حضرات کے متعلق شفاعت کریں گے جو شفاعت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، جن میں فرشتے، انبیاء، اولیاء، مومنین، حیوانات، نباتات اور جمادات شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہاں اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اِن حضرات کو گنہگاروں کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ اُس وقت ہر ایک فرد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوگا(1)۔ اور ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا چرچا ہوگا۔ پس شفاعت کا اوّل، آخر اور وسط صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے (دوسروں کی شفاعت آپ کی شفاعتِ کبریٰ کی مرہونِ منت ہے)، لہٰذا قیامت کے روز تمام محامد و محاسن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات سے وابستہ ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی لیے اِس جگہ کو مقامِ محمود کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کی ثنا مقامِ محمود پر میں ایسے محامد کے ساتھ کروں گا جو میرے دائرۂ معلومات سے اِس وقت باہر ہیں۔ یہ حدیث اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیائے کرام و اولیائے عظام کے علوم ذوقی ہیں فکری و نظری نہیں کیونکہ وہ جگہ اپنے آثار کے لحاظ سے

1۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اسی لیے فرمایا ہے:

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا

کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

مخصوص اسمائے الٰہیہ کا تقاضا کرتی ہے جن کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی حمد وثنا بیان کی جائے اور یہ کسی دنیاوی مقام کا ہرگز مقتضی نہیں ہے، اسی لیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ آج وہ کلمات میرے دائرۂ معلومات سے باہر ہیں اور یہی مقامِ وسیلہ بھی ہے کیونکہ یہیں سے بابِ شفاعت کے کھلوانے کی خاطر توسّل ہوگا، یعنی سرورِ کون ومکاں ﷺ سب کی شفاعت فرمائیں گے۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ وسیلہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں سب سے بلند درجہ ہے، سوائے ایک شخص کے کسی اور کو نہیں ملے گا، مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں۔ پس جو شخص میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرے گا، اُس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی اور شفاعت کو، سوال کرنے والے کے لئے ثواب قرار دیا ہے مقامِ محمود کا نام وسیلہ بھی ہے کیونکہ اس کے سوال کرنے میں ثواب رکھا گیا ہے اور اس شخص کی رسول اللہ ﷺ شفاعت فرمائیں گے نیز سارے مقامات اور کلمات اِس مقامِ محمود کی جانب رجوع کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔

شیخ علیہ الرحمہ نے سوال نمبر ۴۷ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال:۔ رسول اللہ ﷺ نے مقامِ محمود کس طرح حاصل کیا؟

جواب:۔ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کو ایک خصوصی دعا مرحمت فرمائی گئی جو ضرور قبول ہوئی۔ ہر نبی نے دعا کرنے میں جلدی کی اور اُن کی دعائیں دنیا میں پوری ہوچکیں۔ لیکن میں نے اپنی خصوصی دعا کو اپنے مرتکب کبائر اُمتیوں کے لیے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخرت کے مواطن و مقامات کو دیگر انبیاء کی نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ جب سارے مقامات کا مرجع مقامِ محمود ہے، جو سارے مقامات کا جامع ہے تو اِس کا اہل اور مالک وہی فرد ہوسکتا ہے جو جوامع الکلم دیا گیا ہو کیونکہ محامد کلام کی صفت ہیں۔ جب آپ کی بعثت عام ہے تو آپ ﷺ کی شریعت بھی عام ہوئی، جو تمام شرائع کی جامع ہے۔ پس آپ ﷺ کی شریعت اُن جملہ اعمال وافعال کو متضمن ہوئی جن کی مشروعیت صحیح ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اعمال کی جنسیں اَسّی اور ستّر کے درمیان ہیں جو اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوں گی اور ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں، جن میں سے ادنیٰ کام یہ ہے کہ تکلیف دِہ چیز کو راستے ہٹا دیا جائے اور سب سے اعلیٰ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار ہے نیک عمل کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ (زمر)

''ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب ہے عمل کرنے والوں کا''۔

پس جنت میں اُن کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ یا ممانعت نہیں ہوگی اور یہ اُس شخص کے لیے ہے جس نے ہر حکم پر عمل کیا، کیونکہ اِس دنیا میں ایک انسان جب بھی کوئی نیک کام کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اُس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے، جو بھی ایمان کے مطابق اعمال ہوں جب چاہے اُنہیں کر سکتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کے سارے شعبے ظاہر فرما دیئے جو جنت کے مذکورہ درجاتِ اعمال کے مطابق ہیں، خواہ وہ بالفعل ہوں یا بالدلالت، کیونکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کے لیے راہِ ہدایت واضح فرما دی ہے، پس جتنے سعادت مند بھی آپ کی تعلیم کے مطابق نیک اعمال کریں گے اُن سب کے مجموعے کے برابر آپ کو بھی ثواب ملے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سے کوئی شخص بھی نیک اعمال سے تہی دامن نہیں ہے، پس اُتنا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میزانِ عمل میں شامل ہوتا چلا جاتا ہے، جتنا کہ عمل کرنے والے نیک اعمال کرتے ہیں۔ پس آپ جنت میں جہاں چاہیں تشریف فرما ہو سکتے ہیں، لیکن یہ آپ کے سوا دوسروں کے لیے درست نہیں ہے کیونکہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے راستے آپ نے ہی ظاہر فرمائے، جن سے دنیا کا گوشہ گوشہ روشناس ہو کر جگمگا رہا ہے۔ اِسی عدیم النظیر کارنامے کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ محمود پایا، جوامع الکلم سے نوازے گئے اور بعثتِ عامہ کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِن اُخروی عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ چونکہ یہ مقامات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں حاصل تھے اور دنیا میں مذکورہ احوال سے متصف ہونے کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن اعلیٰ ترین اُخروی مقامات کو حاصل کر لیا۔ یہ عجیب و غریب معاملہ ہے کہ مذکورہ وجہ کے علاوہ اِس کے اور بھی مختلف وجوہ ہیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدس کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

مقامِ مصطفیٰ

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال نمبر ۵۷ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام اور دیگر انبیائے کرام کے مقامات میں کتنا فرق ہے؟

جواب:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور دیگر انبیائے کرام کے درمیان صرف ایک مقام کا فرق ہے اور اُس مقام کا نام عینِ جمعیت ہے لیکن اُس مقام کی تفریق کریں تو آدم علیہ السلام کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور باقی انبیائے کرام کے درمیان اٹھتر درجے اور مقام ہیں، جبکہ آدم علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین وہی فرق ہے جو ظاہر اور باطن میں ہوتا ہے۔ دنیا میں سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے باطن ہیں اور آدم علیہ السلام آپ کے ظاہر ہیں اور دونوں سے ظاہر و باطن کا وجود قائم ہے، لیکن آخرت

میں حضرت آدم علیہ السلام آپ ﷺ کے باطن اور نبی کریم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کا ظاہر ہوں گے اور دونوں سے آخرت میں بھی ظاہر و باطن کا وجود قائم رہے گا۔ یہ ہے سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات میں فرق۔ اِس فصل میں بہت زیادہ تفصیلات ہیں۔ اِس تفصیل کے فصول انبیائے کرام کی تعداد کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ اِس کے لیے ہر نبی کے منصب کا تعیُّن ضروری ہے، جو فخرِ دو عالم ﷺ اور اُس نبی کے مقام کی معرفت کا محتاج ہے، جبکہ اعمال کے لحاظ سے سارے مقامات کی تعداد ستّر سے کچھ زیادہ میں محصور ہے۔ کبھی تو کسی نبی کو اِن میں سے ایک مقام حاصل ہوتا، کسی کو دو، کسی کو دس، نو یا آٹھ۔ بعض کو اِن سے زیادہ اور بعض کو کم بھی حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان سارے درجات کا مجموعہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کے سوا کسی نبی کو حاصل نہیں ہے، اسی لیے تو آپ ﷺ کے سوا کسی بھی نبی کی بعثت عام نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے سوا جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت خاص ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (مائدہ:48)

''ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا''۔

لواء الحمد

شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال نمبر ۷۶ کے جواب میں فرمایا ہے:

سوال:۔ لواء الحمد کیا ہے؟

جواب:۔ لواء الحمد تو حمد کی حمد ہے کیونکہ وہ محامد و محاسن کا کامل و مکمل اور اعلیٰ مرتبہ ہے، اسی لیے سارے انسان اِس کے نیچے جمع ہوں گے کیونکہ یہ بادشاہ کے مرتبے اور وجود کی علامت ہے، اسی طرح حمد کی حمد کے پاس تمام محامد جمع ہوں گے کیونکہ صحیح حمد وہی ہے جس میں کسی احتمال اور شک و شبہ کا دخل نہ ہو اور یہ بلا ریب حمد ہے جو حمد پر بذاتہٖ دلالت کرتی ہے، پس فی نفسہٖ صفت و ثنا یہی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کسی شخص کے بارے میں کہو کہ وہ سخی ہے یا خود ہی وہ اپنے سخی ہونے کی خبر دے تو ممکن ہے کہ خبر سچی ہو اور اِس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ خبر جھوٹی ہو لیکن اُسی شخص سے اگر احسان و امتنان کے طور پر عطیہ ملے تو وہ عطیہ بذاتِ خود اُس عطا کنندہ کے جود و کرم کی شہادت ہے اور اس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں ہوسکتا، پس حمد الحمد کا مفہوم یہی ہے اور اِسی کی تعبیر لواء الحمد سے کی گئی ہے۔

اِس کا نام لواء بایں وجہ ہے کہ یہ تمام محامد پر مشتمل ہے اور کوئی حمد اس سے باہر نہیں، کیونکہ اِس کے باعث ہر حمد کرنے والے سے حمد واقع ہوگی اور یہی حقیقی عاقبت ہے۔ اِسے خوب سمجھ لینا چاہیے اور جب یہ محامد کے جمیع اقسام کی جامع ہے تو اِس کا سایہ سارے حمد کرنے والوں کو نصیب ہوگا۔ اسی لیے سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السّلام اور اُن کے علاوہ سارے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ یہاں آپ نے فَمَنْ دُوْنَهٗ فرمایا ہے کیونکہ حمد بغیر اسماء کے ممکن نہیں اور آدم علیہ السلام تمام اسماء جاننے والے ہیں، پس اُن سے کم رُتبے والا کوئی ایسا نہ رہا جو اُس جھنڈے کے نیچے نہ ہو، کیونکہ ضروری ہوا کہ وہ اِن اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کے ساتھ حمد بیان کرے گا اور کیوں نہ ہو جبکہ:

وَلَمَّا كَانَتِ الدَّوْلَةُ فِي الْاٰخِرَةِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُوْتٰى جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَهُوَ الْاَصْلُ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلَمُ بِمَقَامِهٖ فَعَلِمَهٗ وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ لَمْ يَكُنْ بَعْدُ وَكَانَ اٰدَمُ لَمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْاَسْمَآءَ فِي الْمَقَامِ الثَّانِي مِنْ مَقَامِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ قَدْ تَقَدَّمَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهٗ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَالْاَسْمَاءِ كُلِّهَا مِنَ الْكَلِمِ وَلَمْ تَكُنْ فِي الظَّاهِرِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنًا فَتَظْهَرُ بِالْاَسْمَاءِ لِاَنَّهٗ صَاحِبُهَا فَظَهَرَ ذَالِكَ فِي اَوَّلِ مَوْجُوْدٍ مِّنَ الْبَشَرِ وَهُوَ اٰدَمُ فَكَانَ هُوَ صَاحِبُ اللِّوَاءِ فِي الْمَلَائِكَةِ بِحُكْمِ النِّيَابَةِ عَنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ تَقَدَّمَ عَلَيْهِ بِوُجُوْدِهِ الطِّيْنِيِّ فَمَتٰى ظَهَرَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَحَقَّ بِوَلَايَتِهٖ وَلِوَائِهٖ فَيَأْخُذُ اللِّوَاءَ مِنْ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحُكْمِ الْاَصَالَةِ فَيَكُوْنُ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ كَانَتِ الْمَلَائِكَةُ تَحْتَ ذَالِكَ اللِّوَاءِ فِي زَمَانِ اٰدَمَ فَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ تَحْتَهٗ فَتَظْهَرُ فِي هٰذِهِ الْمَرْتَبَةِ خِلَافَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْجَمِيْعِ۔ (ص ۱۲۵)

"جب آخرت کی بادشاہی محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے ثابت ہوئی جو جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں، کیونکہ آپ ہی ہر شے کی اصل ہیں اور اِس منصب سے خبردار۔ آپ اِس منصبِ رفیع کو اُس وقت سے جانتے ہیں جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے اور یہ

انعام اِس تخلیق کے بعد نہیں ہوا۔ جب آدم علیہ السّلام کو دوسرے مرحلے میں تمام اسماء کا علم عطا فرمایا گیا تو اوّلیت بہرصورت محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوئی جو اُن سے بھی پہلے جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے اور تمام اسماء بھی جوامع الکلم کا ایک حصہ ہیں۔ چونکہ وہ ظاہر میں رسول اللہ ﷺ کے عین نہ تھے اِس لیے وہ اسماء کے ساتھ ظاہر ہوئے کیونکہ وہ اِن کے لائق تھے، پس یہ نوعِ بشر میں سب سے پہلے وجود کا لباس پہننے والے سے ظاہر ہوئے، جو آدم علیہ السلام ہیں۔ پس وہ نبی کریم ﷺ کی نیابت میں ملائکہ کے درمیان صاحبِ لواء قرار پائے، کیونکہ خاکی وجود کے لحاظ سے اُنہیں سارے انسانوں پر تقدیم حاصل ہے۔ لیکن جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ رونق آرائے گیتی ہوئے تو چونکہ آپ اس شہنشاہی اور لواء کے سب سے زیادہ حقدار ہیں لہٰذا قیامت میں آپ ﷺ اصل حقدار کے طور پر آدم علیہ السلام سے اِس لواء کو حاصل کر لیں گے پس آدم علیہ السلام اور اُن کے سوا سارے نبی کریم ﷺ کے اِس جھنڈے تلے ہوں گے اور فرشتے بھی آخرت میں اِسی کے زیرِ سایہ ہوں گے جو آدم علیہ السلام کے زمانے سے اِس جھنڈے کے نیچے چلے آرہے ہیں۔ پس اِس منصبِ رفیع سے سرورِ کون ومکاں ﷺ کی خلافت جمیع موجودات پر ظاہر وواضح ہوگئی" (1)۔

وسیلہ کے ساتھ خصوصیت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب کے صفحہ ۱۲۸ پر فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ ابوالعباس بن عریف صنہاجی رحمۃ اللہ علیہ یوں دعا کیا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! تو نے ہمارے لیے نبوت و رسالت کا دروازہ تو بند کر دیا ہے لیکن ولایت کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ اے اللہ! تیرے نزدیک جو ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے جب بھی تو کسی فرد کو اس پر فائز کرنے کا ارادہ فرمائے تو وہ منصب مجھے مرحمت

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے اِسی لیے تو لکھا ہے:۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

ترے ٹکڑوں سے پلے، غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کر صدقہ تیرا

تری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

فرما دینا''۔ شیخ موصوف چونکہ زمرۂ محققین سے تھے لہٰذا اُنہوں نے اُسی چیز کا سوال کیا جس کا حصول ممکن ہے کیونکہ نبوت و رسالت ایسی چیز ہے جس کا اگر چہ آج بھی انسان مستحق ہے کیونکہ اُس کی ذات میں اِس کی اہلیت موجود ہے، لیکن اُنہوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعاً اِس کا دروازہ بند کیا ہوا ہے اور شرائع کی نبوت دینے کا خاتمہ ہو چکا ہے، تو اس چیز کا سوال ہی نہیں کیا بلکہ وہ چیز طلب کی، جس کے طلب کرنے کا اُنہیں حق حاصل تھا، کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے ہمارے لیے ولایت کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔

مذکورہ قبیل ہی سے وسیلہ کا سوال کرنا ہے۔ اگر چہ وہ اس کے مثل نہیں لیکن اس کے قریب ضرور ہے اور ہم نے اِس قرینے کی وجہ سے نبوت کے ساتھ وسیلہ کو تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے، جو ایک فرد ہی کو ملے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے اُمید ہے وہ شخص میں ہوں۔ پس جس شخص نے میرے لیے وسیلے کی دعا کی اُس کی شفاعت ضرور کی جائے گی۔ اِس کے باوجود اگر ہم میں سے کوئی شخص وسیلہ کا اپنے لیے سوال کرے تو اُس نے ایسی چیز کا سوال کیا جس کے طلب کرنے کا اُسے حق حاصل نہیں ہے۔ اِس کی طلب وہی کر سکتا ہے جو اِس کے مطابق خاص صفات کا مالک ہو اور ہمارے بارے میں اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (مائدہ 35) ''اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے وسیلہ طلب کرو اور یہ عین ممکن ہے کہ مذکورہ حکم سے توسُّل مراد ہو اور یہ صفت خواہ وہبی ہو یا کسبی لیکن اِسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا گیا اور نہ اِس کے طلب کرنے سے کسی کو روکا گیا ہے (بلکہ اِس وسیلے کی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے) اور نہ یہی فرمایا گیا ہے کہ یہ وسیلہ تلاش کرنا صرف اُسی کا حق ہے جو نوعِ بشر میں سب سے افضل ہو۔ حالانکہ ہم اِس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی افضل البشر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی افضلیت قطعی طور پر بیان فرمائی ہے لہٰذا اوّل الذکر سوال دوسروں کے لیے ممنوع ہوگا۔ رہا وسیلہ تلاش کرنے والا معاملہ، تو یہ اللہ تعالیٰ نے کسی معین فرد کے لیے نہیں فرمایا اور نہ یہ کہا کہ یہ صفت صرف ایک فرد کو حاصل ہوگی بلکہ یہ صفت اگر ہزار افراد میں پائی جائے تو ہر ایک کے لیے وسیلہ ثابت ہوگا کیونکہ اس صفت کو تلاش کیا جاتا ہے۔ جب شارع سے اِس کی ممانعت واقع نہیں ہوئی تو ہمارے لیے بھی اِس کے تلاش کرنے کی گنجائش ہے۔

لیکن سرورِ کون و مکاں ﷺ کی بارگاہ کا ادب و احترام ہمیں اِس کا سوال کرنے سے باز رکھتا ہے

کیونکہ آپ ﷺ کے ذریعے ہی تو ہمیں راہِ ہدایت نصیب ہوئی ہے اور آپ ﷺ ہی نے ہمیں یہ حکم دیا کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کیا کرو۔ پس آپ کے ادب واحترام، ایثار ومروت اور مکارمِ اخلاق کا یہی تقاضا ہے کہ اس کا اگر ہمیں حق بھی حاصل ہو، تب بھی اس ارشادِ گرامی کے پیشِ نظر ہم آپ ﷺ کی خاطر اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا بلند ترین منصب ہے اُس کے پیشِ نظر مناسب یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ ہی کے شایانِ شان ہے اور اس نظریہ کے باعث ہمیں امیدِ واثق ہے کہ جنت میں ہمارے لیے وہی کچھ ہوگا جو اس درجے کے مماثل ہے، جیسے دنیا میں کسی شرعی حکم کے تحت ہمارے نزدیک مثل کی قیمت ہوتی ہے۔

وسیلہ کی مثل ہمارے لیے اس طرح بھی ہے کہ لفظی طور پر ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایمان اخوت موجود ہے اگرچہ آپ ایسے سردار ہیں کہ آپ ﷺ کا مدِ مقابل ہونا تو دور کی بات ہے کوئی آپ ﷺ کی گردِ راہ کو بھی نہیں پا سکتا لیکن لفظی طور پر ایک ہی ایمان کے دھاگے میں تو موجود ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:10) "مسلمان مسلمان بھائی ہیں"۔

اور شریعتِ مطہرہ سے یہ ثابت ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی بھائی کے لیے اُس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی اس کی مثل عطا فرمائے۔ جائے غور ہے کہ اگر بھائی کے بجائے ہم اپنے آقا ومولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کریں گے جبکہ آپ ﷺ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں تو یقیناً فرشتہ کہے گا کہ تجھے بھی اللہ تعالیٰ اس کی مثل دے۔ پس وسیلہ آپ ﷺ کے لیے اور اور اُس کی مثل دعا کرنے والے کے لیے۔ لہٰذا دعا کرنے والا مجموعی درجات سے وہی پائے گا جو صاحبِ وسیلہ کو وسیلہ سے حاصل ہوگا، جس طرح مثل کی قیمت ہوتی ہے لیکن وسیلہ کی حقیقی مثل وہاں قطعاً نہیں ہے یعنی وہاں ایسا کوئی درجہ نہیں جو دیگر درجات کو وسیلہ کی طرح اپنے اندر جمع کرے۔ یہ صرف وسیلہ ہی میں خاصیت ہے کہ اُس نے مختلف بکھرے ہوئے درجات کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی خواہش

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب کے صفحہ ۱۶۴ پر سوال نمبر ۱۴۵ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

سوال:۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس سے مراد کیا تھی کہ اے اللہ! مجھے محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت سے کر

دے۔

جواب:۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ تمام انبیائے کرام کو بھی آخرالزماں ﷺ سے وہی نسبت ہے جو آپ ﷺ کی اُمت کو ظاہر و باطن کے اعتبار سے نسبت ہے اور انبیائے کرام کو آپ ﷺ کے اسمِ باطن سے نسبت ہے تو موسیٰ علیہ السلام کی خواہش ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے شرع میں دونوں اسموں کو جمع فرمادے۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ مطیع و متبع ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تو سرورِ کون ومکاں ﷺ کی بارگاہ میں دوسرے رسولوں سے ممتاز ہونا چاہا کیونکہ قیامت کے روز نبی کریم ﷺ اپنی امت کی کثرت کے باعث اور متبعین کی زیادتی کے سبب فخر محسوس کریں گے دیگر انبیائے کرام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ کسی کے پیروکار نہیں ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی امت۔

فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سردار سے زیادہ کسی کے فرمانبردار ہوں لیکن جب موسیٰ علیہ السلام اپنی دعا کے باعث نبی کریم ﷺ کی اُمت میں شامل ہوئے تو اُن کا ظاہر و باطن اُمتِ محمدیہ کی طرح ہوا، تو یقیناً وہ اور اُن کی امت بھی امتِ مرحومہ میں شمار ہوئے اور اِس امت کی تعداد اِس طرح اور بڑھ جائے گی، اسی لیے آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میں تمہارے سبب فخر کروں گا بلکہ یوں فرمایا کہ امت اور متبعین کی کثرت کے باعث ان امتوں پر فخر کروں گا جن کے انبیاء کو دونوں اسموں کا مجموعہ حاصل نہیں ہے، جن کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ پس جس نے ان دونوں اسموں کو جمع کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں ہمارے ساتھ اٹھے گا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کی خوش بختی کے باعث باقی امم پر فخر کریں گے کیونکہ امتِ موسوی ہمارے ساتھ اٹھے گی اور موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ امیرِ لشکر کی طرح ہوں گے۔ بڑا امیر وہی ہوتا ہے جس کا لشکر بڑا ہو اور امتوں میں بڑے جیش کی قدر و منزلت اور عظمت و حرمت رسول اللہ ﷺ کی نگاہوں میں زیادہ ہوگی۔

اسی لیے سوال کرنے والے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: جو محدث ترمذی (صاحبِ سنن) رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ہیں کہ اِس امت میں ایسے افراد بھی ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہیں۔ جو شخص انبیائے کرام کے بعد باقی انسانوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل سمجھتا ہے اسے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں اور وہ بھی امتِ محمدیہ میں شمار آپ ﷺ کے متبعین سے ہیں۔

اِس کا ذکر ہم نے اس غرض سے کیا ہے کہ جھگڑنے والے کو معلوم ہو جائے کہ یقیناً وہ آخری زمانے میں اِس امت کے اندر نزول فرمائیں گے اور نبی کریم ﷺ کے طریقے پر حکم فرمائیں گے جیسے خلفائے راشدین جیسے راہبروں نے کیا تھا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اُنہیں اسلام میں دیکھ کر اَن گنت اہلِ کتاب شرفِ اسلام سے مشرف ہو جائیں گے۔ شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس سے پہلے لکھا ہے کہ بارہ انبیاء یہ خواہش کرتے رہے کہ اُنہیں امتِ محمدیہ میں شامل فرمالیا جائے۔

امّ الکتاب

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ باب میں صفحہ ۷۷ اپر سوال نمبر ۱۵۴ کے تحت فرمایا ہے:

سوال:۔ جو تمام رسولوں سے روک کر نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے ذخیرہ کی گئی وہ اُم الکتاب کیا ہے؟

جواب:۔ لفظ اُمّ سے مراد جمع کرنے والی ہے۔ اِسی قبیل سے اُمّ القریٰ اور اُمّ الرّأس وغیرہ ہیں۔ چونکہ سر سارے بدن کا سردار ہے کہ حِسّی اور معنوی جملہ قویٰ کا مرکز یہی ہے، جو بھی انسان کو حاصل ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ تمام آسمانی کتابوں کی اصل ہے۔ یہی اَلْقُرْاٰنِ الْعَظِیْم ہے یعنی عظیم مجموعہ جو ہر چیز کے بیان پر مشتمل ہے اور فخرِ دوعالم ﷺ جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ پس آپ ﷺ کی شریعت تمام شرائع کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں فرمائے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی شریعت سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اسی لیے جملہ انبیائے کرام آپ ﷺ کے جسمانی طور پر غائب رہنے تک زمین میں آپ ﷺ کے نائب رہے، اگر آپ ﷺ جسمانی لحاظ سے دنیا میں جلوہ افروز ہوتے تو کسی نبی کے پاس شریعت نہ ہوتی۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر اب یہاں زندہ ہوتے تو میری تابعداری کے سوا ان کے لیے چارہ نہ ہوتا اور اللہ رب العزت نے یوں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا (مائدہ:44)

"بے شک ہم نے تورات اتاری، اس میں ہدایت اور نور ہے۔ اِس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے فرمانبردار نبی"۔

ہم مسلمان ہیں اور ہمارے صاحبانِ علم انبیائے کرام ہیں اور ہم شریعت والے کا اُسی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ہی نبی کی شریعت ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی تقریر کرنے والے آپ ﷺ ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت اُن سب کی اصل ہے اور آپ ﷺ ساری مخلوق کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ فخرِ دو عالم ﷺ کے علاوہ یہ مقام کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے آخری انسان تک جتنے آدمی ہوئے اُن میں شرائع مختلف ہیں لیکن وہ تمام شرائع سرورِ کون و مکاں ﷺ کے نائبوں کی ہیں۔ اِس لحاظ سے سب کی سب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی شریعت ہیں کیوں کہ سب کے رسول آپ ﷺ ہیں اور کسی شک وشبہ کے بغیر تمام رسول آپ ﷺ کے نائب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کی جلوہ گری ہوئی تو آپ ﷺ کے سوا کسی کا حکم باقی نہ رہا اور ہر ایک حاکم کا آپ ﷺ ہی مرجع قرار پائے۔ لہٰذا یہ آپ ﷺ کے منصب کا مقتضیٰ ہے کہ ظہور کے وقت سے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو ایسے امور سے مختص کر دیا جائے جو آپ ﷺ کے نائبوں کو مرحمت نہ فرمائے گئے ہوں اور یہ ضروری ہے کہ وہ امر جو متفرق طور پر آپ ﷺ کے نائبوں کو ملا ہے، اُس پر اضافہ کر کے آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا گیا۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمّ الکتاب عطا فرمائی۔

یہ اُمّ الکتاب تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے علوم کی جامع ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اِسے لے کر ہمارے اندر تشریف فرما ہوئے۔ اگر اِس سورت کے اختصار کو دیکھا جائے تو صرف آیات ہیں لیکن معناً تمام آیات کو حاوی ہیں جیسے اللہ جل شانہٗ کی سات صفات باقی تمام صفات کی متضمن ہیں اور ان میں سے ہر اسمِ الٰہی بلاشک وشبہ کسی ایک جانب رجوع کرتا ہے۔

استاد ابو اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خفی وجلی میں یہی لکھا ہے کہ تمام اسمائے الٰہیہ کو ان سات صفات کی جانب راجع دکھایا ہے اور اسم شَکُوْرٌ اور شَاکِرٌ کے سوا کوئی بھی کلام کی صفت کے ساتھ نہیں پایا گیا، باقی اسماء کو صفات پر تقسیم کیا ہے اور وہ اِن تمام کو متضمن ہیں۔ اِن میں سے بعض کو علم کے ساتھ اور بعض کو قدرت کے ساتھ ملحق کیا ہے اور باقی کو دیگر صفات کے ساتھ۔ پس اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُمّ الکتاب کے ساتھ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کو لاحق فرمایا ہے، جو نبی کریم ﷺ کے نائبوں پر نازل ہوئے تھے اور اُنہیں آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی اُمت کے واسطے محفوظ رکھا ہے، تاکہ اِس لحاظ سے مقدم ہونے کے باعث آپ دیگر انبیائے کرام سے ممتاز رہیں، کیونکہ امامِ اکبر تو آپ ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کی امت جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئی ہے وہ بہترین امت

ہے۔ چونکہ اس امت میں آپ ﷺ کی صورت نے ظہور فرمایا ہے لہٰذا وہ جملہ امم سے ممتاز ہو گئی، اسی طرح وہ زمانہ جس میں آپ ﷺ رونق فزائے دہر رہے وہ سارے زمانوں سے ممتاز ہو گیا، کیونکہ اس میں آپ ﷺ کا ظہور ہوا اور اگلے پچھلے زمانوں میں آپ ﷺ کی شریعت کا سکہ رواں رہا ہے۔

مغفرتِ مصطفیٰ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کے مذکورہ باب، صفحہ ۱۸۲ پر سوال نمبر ۱۵۵ کا جواب مرحمت فرمایا ہے اور حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آخری سوال ہے۔

سوال:۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا مطلب کیا ہے؟ اسی طرح دیگر انبیائے کرام کو بھی مغفرت کی بشارت سے نوازا گیا تھا۔

جواب:۔ غَفر کا مطلب چھپانا ہے۔ پس انبیائے کرام سے دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے نائب ہونا چھپا کر رکھا گیا اور قیامت میں اس کا ظہور ہوگا کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: میں قیامت کے روز انسانوں کا سردار ہوں گا۔ اسی لیے قیامت میں آپ ﷺ ان کے لیے یہ سفارش کریں گے کہ انہیں شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے، کیونکہ آپ ﷺ کی شفاعت ہر مشفوع کے لیے اُس کے حسبِ حال ہوگی۔ دیگر انبیائے کرام کو اسی لیے خاص مغفرت کی بشارت دی گئی اور سرورِ کون و مکاں ﷺ کو عام بشارت۔ حالانکہ:

> وَقَدْ ثَبَتَ عَصْمَتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَيْسَ لَهٗ ذَنْبٌ يُغْفَرُ فَلَمْ يَبْقَ اِضَافَةُ الذَّنْبِ اِلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ هُوَ الْمُخَاطَبُ وَالْقَصْدُ اُمَّتُهٗ كَمَا قِيْلَ "اِيَّاكَ اَعْنِيْ فَاسْمَعِيْ يَا جَارَةُ" وَكَمَا قِيْلَ لَهٗ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ فَاسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَؤُوْنَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (ص ۱۲۸)

"چونکہ تحقیقی طور پر نبی کریم ﷺ کی عصمت ثابت ہے۔ لہٰذا آپ سے کوئی گناہ سرزد ہی کب ہو سکا جسے معاف کیا جاتا۔ پس یہ گناہ کی اضافت اِس لحاظ سے ہے کہ مخاطب آپ ہیں اور مراد امت ہے، جیسے کہا جاتا ہے: بی ہمسائی! میری بات سنو۔ یا جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ ..... (الآیہ) (اس میں خطاب آپ سے کیا گیا ہے لیکن مراد وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم میں شک کرتے رہیں)"۔

اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآنِ کریم میں ہرگز ہرگز کسی قسم کا شک و شبہ نہیں تھا۔

اِس سے مراد آپ ﷺ کے بعض اُمتی کہلانے والوں کے شکوک و شبہات ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر:65)

"اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا"۔

حالانکہ یہ بات یقینی ہے کہ آپ ﷺ کا شرک سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ لہٰذا اِس سے وہی لوگ مراد ہیں جو آپ ﷺ کے اُمتی کہلائیں گے اور شرک ساگر میں غوطے لگائیں گے (1)۔ پس جاننا چاہیے کہ وہ وعدۂ مغفرت تو آپ ﷺ کی تعریف و توصیف میں وارد ہوا ہے، یعنی فخرِ دوعالم ﷺ سے فرمایا گیا ہے:

لِيَغْفِرَلَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ وَهُوَ مَعْصُوْمٌ مِنَ الذُّنُوْبِ فَهُوَ الْمُخَاطَبُ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْمَقْصُوْدُ وَمَا تَقَدَّمَ مِمَّنْ تَقَدَّمَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى زَمَانِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ مِمَّنْ تَاَخَّرَ مِنَ الْاُمَّةِ مِنْ زَمَانِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَاِنَّ الْكُلَّ اُمَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۲۸)

"تاکہ اللہ تمہارے سبب معاف کرے گناہ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ تو گناہوں سے معصوم تھے۔ پس مغفرت کے ساتھ مخاطب اگرچہ آپ ہیں لیکن مراد وہ پہلے ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے آپ کے زمانہ مبارک تک ہوئے اور پچھلوں سے وہ مقصود ہیں جو آپ کے زمانۂ اقدس سے قیامت تک اُمتی ہوں گے کیونکہ سارے انسان (خواہ وہ اگلے ہوں یا پچھلے) سب ہی آخرالزماں ﷺ کے اُمتی ہیں"۔

کیونکہ کوئی اُمت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کی شریعت کے تحت نہ ہو اور یہ امر ہم پہلے مبرہن کر چکے ہیں کہ ہر ایک شریعت رسول اللہ ﷺ ہی کے اسمِ باطن سے ہے کیونکہ آپ ﷺ تو اُس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ آپ سارے انبیائے کرام اور مرسلینِ عظام کے سردار ہیں کیونکہ آپ سَیِّدُ النَّاس ہیں اور انبیاء و مرسلین کا شمار بھی بنی نوع

1۔ ایسے مشرکوں کی فی زمانہ بڑی چہل پہل ہے۔ یہ حضرات خارجیت کے مرض میں گرفتار اور توہب کے جراثیم کا شکار ہو کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ سچے موحّد بس وہی ہیں۔ اِسی لیے خالص اسلامی عقائد و اعمال کے باعث بھی مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، اگرچہ خود ظاہر مشرکوں بحیثیت بُت پرستوں کے قدموں میں سجدہ ریز رہتے ہیں۔ شاید اُن کی توحید کے دودھ کی ملائی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

انسان میں ہے۔ یہ بیان پیچھے مفصل گزر چکا ہے۔ لہٰذا معلوم ہونا چاہیے کہ:

فَبَشَّرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ بِعُمُوْمِ رِسَالَتِهٖ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً۔ (ص ۱۲۸، ۱۲۹)

"اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بشارت دی" تاکہ اللہ تمہارے سبب معاف کرے گناہ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"۔ کیونکہ آپ کی رسالت تمام انسانوں کی طرح عام ہے"۔

اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ اِس امر کی بخوبی نشان دہی کرتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

"اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام لوگوں کو گھیرنے والی ہے"۔

امت ہونے کے لیے لوگوں کا آپ ﷺ کی رویت حاصل کرنا شرط نہیں ہے۔ جس طرح اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ موجود ہونے کے زمانے میں حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی طرف تبلیغ ودعوت کے لیے بھیجا تھا، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے گزشتہ انبیائے کرام کو اُن کی امتوں کی جانب بھیجا جاتا رہا، جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے۔ پس:

فَالنَّاسُ اُمَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَبَشَّرَهُ اللّٰهُ بِالْمَغْفِرَةِ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذُنُوْبِ النَّاسِ وَمَا تَاَخَّرَ مِنْهُمْ فَكَانَ هُوَ الْمُخَاطَبُ وَالْمَقْصُوْدُ النَّاسُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لِلْكُلِّ وَيُسْعِدُهُمْ وَهُوَ اللَّائِقُ بِعُمُوْمِ رَحْمَتِهِ الَّتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ وَبِعُمُوْمِ مَرْتَبَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ بُعِثَ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً بِالنَّصِّ وَلَمْ يَقُلْ اَرْسَلْنَاكَ اِلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَاصَّةً وَلَا اِلٰى اَهْلِ هٰذَا الزَّمَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ خَاصَّةً وَاِنَّمَا اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ مُرْسَلٌ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً وَالنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَهُمُ الْمَقْصُوْدُوْنَ بِخِطَابِ مَغْفِرَةِ اللّٰهِ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝ (ص ۱۲۹)

"پس سارے انسان آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آپ کی اُمت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اگلے لوگوں اور پچھلوں کے گناہوں کو معاف کرنے کی آپ کو خوشخبری سنائی ہے

اِس میں مخاطب اگرچہ آپ ہیں لیکن مقصود دوسرے آدمی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو بخش دے گا اور سب کو سعادت مندی سے سرفراز کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کے آپ ہی لائق ہیں، جس نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے اور یہ آپ کے عام مرتبے کے باعث ہے کیونکہ آپ تمام انسانوں کی جانب مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ تو نہیں فرمایا ہے کہ خاص اسی امت کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں اور نہ یہ کہ صرف اپنے زمانے سے قیامت تک کے لیے ہیں بلکہ یہی خبر دی ہے کہ آپ کو سارے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور نوعِ انسانی کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے تا قیامت ہے۔ پس اگلے پچھلے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے خطاب میں سارے انسان مقصود ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے"۔

اس کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ ہر قوم کی مغفرت اُس کے حال کی مناسبت سے ہوگی اور اس بارے میں اُن کا کلام ایسا عمیق ہے جس کے ظاہر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اُن سے حضرت ابن عربی علیہ الرحمہ کی مراد کیا ہے؟

انتخاب

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات مکیہ کے باب ۹۰، صفحہ ۲۲۳ پر فرمایا ہے کہ امور بذاتِ خود انتخاب کو چاہتے ہیں جیسا کہ تمام موجودات میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری ہے، جیسا کہ ہر جنس سے کسی نہ کسی امر کا چناؤ فرمایا ہوا ہے، مثلاً اسماء الحسنیٰ سے لفظ اللہ کو، تمام انسانوں سے مرسلین کو، اپنے بندوں سے فرشتوں کو، آسمانوں سے عرش کو، عناصرِ اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) سے پانی کو، مہینوں سے رمضان المبارک کو، عبادات سے روزوں کو، زمانوں سے فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے کو، دِنوں سے جمعۃ المبارک کو، راتوں سے لیلۃ القدر کو، اعمال سے فرائض کو، اعداد سے ننانوے (۹۹) کو، رہائشی مکانات سے جنت کو، جنت میں سعادت مندی کے احوال سے رویتِ الٰہی کو، حالات سے رضائے الٰہی کو، اذکار سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ذکر کو، کلامِ الٰہی سے قرآنِ کریم کو، قرآنِ مجید کی سورتوں سے سورۂ یٰسٓ کو، آیاتِ قرآنیہ سے آیۃ الکرسی کو، چھوٹی سورتوں سے سورۂ اخلاص کو، عام دعاؤں سے روزِ عرفہ کی دعا کو، سواریوں سے براق کو، فرشتوں سے روح الامین کو، رنگوں سے سفیدی کو، واقع ہونے والے امور سے اجتماع کو، اعضائے انسانی سے دل کو، پتھروں سے حجرِ اسود کو، گھروں سے بیت المعمور کو، درختوں سے سدرۃ المنتہیٰ کو، عورتوں سے مریم اور آسیہ کو، اور مردوں سے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو چن لیا ہے۔

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بھی انتخاب پیش کیے ہیں لیکن یہاں سب کے ذکر کی حاجت نہیں۔ اور اِس بیان کو میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ مردوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چنا ہے اور یہ بات شیخ کے لفظوں میں اِسی طرح ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عباد سے فرشتوں کو منتخب کر لیا ہے۔ لیکن وہ امر جسے جمہور صوفیائے کرام اور علمائے متکلمین وغیرہ نے راجح قرار دیا، یہ ہے کہ بشری رسول ہی ملکی رسولوں سے افضل ہیں۔ پس یہی حضرات ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے چن لیا ہے اور ان سب کے سردار یعنی سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری مخلوق سے چنا ہے، جیسا کہ اِس بات کی تائید و تصدیق میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاداتِ عالیہ پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ بات صوفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے جس میں ذرہ برابر اختلاف نہیں ہے اور اس کے ساتھ جو اللہ کے دین میں وہ اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہی ہے کہ:

اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْخَلْقِ وَاَفْضَلُ الْعَالَمِيْنَ عَلَى الْاِطْلَاقِ لَيْسَ فَوْقَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔ (ص ۱۳۰)

"بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ آپ سے اونچا مرتبہ اور کسی کا نہیں ہے۔ سب تعریفیں اُسی خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں سچے دین کا راستہ دکھایا، اگر اللہ راستہ نہ دکھاتا تو ہم راہ نہ پاتے"۔

شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ انتخابات سے بعض کی تشریح پیش کی ہے اُن کی تشریحات پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری مخلوق سے بایں وجہ اختیار کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج نے ایسے کمال اور اعتدال کو چاہا جو دوسرے انسانی مزاجوں نے اُس طرح نہیں چاہا تھا اور اِسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس وقت نبوت کا مشاہدہ فرما لیا تھا جبکہ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم بھی تیار نہیں ہوا تھا اور اُن کے جسمانی اجزاء ابھی عناصر اربعہ پر منتشر تھے (1)۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

فَكَانَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ مُجَلًّى اِلٰهِيٍّ عَلَّمَ بِهٖ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ عُلِّمَ اٰدَمُ الْاَسْمَاءَ وَاُوْتِيَ مُحَمَّدٌ

1۔ بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا   نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی (اعلیٰحضرت)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَكَلِمَاتُ اللّٰهِ لَا تَنْفَدُ وَلَهُ السِّيَادَةُ عَلٰى جَمْعِ الْخَلْقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُشَفَّعُ فِي الشَّافِعِيْنَ اَنْ يَّشْفَعُوْا مِنْ مَلَكٍ وَرَسُوْلٍ وَنَبِيٍّ وَوَلِيٍّ وَمُؤْمِنٍ فَلَهُ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ فِي الْيَوْمِ الْمَشْهُوْدِ۔صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔(ص ۱۳۰)

''اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون ومکاں ﷺ کو انتہائی کشف مرحمت فرمایا ہوا تھا، جس کے باعث آپ اوّلین وآخرین کے علم سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔اوّلین کے علم سے آدم علیہ السلام کا علم الاسماء بھی ہے، حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو جوامع الکلم عطا فرمائے گئے تھے جبکہ کلماتِ الٰہی ختم ہونے والے نہیں۔اور قیامت کے روز آپ ساری مخلوق کے سردار ہوں گے(1)۔اِسی لیے فرشتوں، رسولوں، انبیاء، اولیاء اور مسلمانوں کو شفاعت کرنے کی اجازت لے کر دیں گے۔پس اُس حاضری کے دن (قیامت کے روز) مقامِ محمود صرف نبی کریم ﷺ ہی کے لیے ہوگا''۔

اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فخرِ دوعالم ﷺ کا قرونِ ثلاثہ کو بالترتیب اختیار فرمانا اس لیے ہے کہ اُن میں سے پہلا زمانہ غائب اور موجود ہونے کے لحاظ سے آپ ﷺ کے کمالات کے ظہور کا ہے۔اس زمانے میں آپ ﷺ نے بذاتِ خود شریعت کو قائم فرمایا اور آپ ﷺ کی نیابت میں دیگر انبیائے کرام نے جو شریعتیں جاری کی تھیں اُنہیں منسوخ کر دیا اور جو ثابت رکھنا چاہا اُسے ثابت رکھا اور ایمان کے باب سے جو منسوخ یا غیر منسوخ تھا اُسے اُسی کے حال پر برقرار رکھا۔یہ پہلا قرن ہے۔

اِس کے بعد دو قرن ہیں اور دونوں ہی مسلمانوں کی فتوحات اور اسلام کے پھیلنے کے ہیں۔اِن تینوں زمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ہر مہینے میں ایامِ بیض (تیرھویں، چودھویں، پندرھویں راتیں) روشن ہوتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جہاد کریں گے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسولِ خدا ﷺ کو دیکھا ہو؟ جواب دیں گے، ہاں۔پس انہیں فتح حاصل ہوگی اور یہ پہلا قرن ہے۔اس کے بعد دوسری جماعتیں جہاد کریں گی اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے رسولِ خدا کے دیکھنے والے شخص کو دیکھا ہو؟ جواب ملے گا،

1۔فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

ہاں۔ اُنہیں بھی فتح حاصل ہوگی۔ یہ دوسرا قرن ہے۔ ان کے بعد اور جماعتیں جہاد کریں گی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے اُس شخص کو دیکھا ہو جس نے رسولِ خدا کے دیکھنے والے شخص کو دیکھا ہے؟ جواب ملے گا: ہاں۔ پس انہیں بھی فتح حاصل ہوگی۔ یہ تیسرا قرن (زمانہ) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِس سے آگے تذکرہ نہیں فرمایا۔

شہکارِ دستِ قدرت

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مکیہ کا ایک سو اڑتالیسواں باب فراست کے اسرار کی معرفت کے لیے وضع فرمایا ہے چنانچہ صفحہ ۱۴۳ پر لکھتے ہیں کہ حکماء کے نزدیک فراست کے نام سے جو چیز مشہور ہے میں اُس کے اصل قاعدے اور تجربے کے بارے میں بعض باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ اِس کے بعد ایسی صفات کا اعتبار کرنا اُسی لحاظ سے ہوگا، جو اِس کتاب میں ہمارے طریقے کا مقتضی ہے اور یہ مختصر اور کافی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جس کی پیدائش معتدل ہو یعنی اُس کی تمام حرکات اور تصرفات میں استقامت اور درستی ہو تو اُس کے باپ کو ایسی صفات مرحمت فرماتا ہے جن میں اِس آدمی کے مزاج کی صلاحیت ہو اور اسی طرح اُس کی والدہ کے مزاج کو استوار فرماتا ہے پھر اُس کے لیے مرد اور عورت کی منی کو ایسی صلاحیت دیتا ہے یا پھر رحمِ مادر کو اُس کے مطابق صلاحیت دیتا ہے اور اُس میں اعتدال کی اخلاط کو درست کرتا ہے جو نطفے کو ٹھہرانے کی صلاحیت رکھے اور حرکاتِ فلکیہ کے ساتھ بخت کی یاوری کے وقت میں اللہ تعالیٰ رِحم میں پانی گرانے کا وقت مقرر کر دیتا ہے جو دنیا میں اُس وقت اُس کی صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے۔ پس ایسے طالع سعید میں مرد اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے اور دونوں کا مزاج بھی معتدل ہوتا ہے تو پانی معتدل رحم میں گرتا ہے اور رحم اسے قبول کرتا ہے اور اُس وقت اللہ تعالیٰ اُس شخص کی والدہ کو ہر اس کھانے کی طرف راغب کر دیتا ہے جس میں اس کے مزاج کو تقویت پہنچائے اور جو رحم میں نطفے کی غذا فراہم کر سکے۔ پس اس معتدل مقام میں نطفہ ایک صورت کو قبول کرتا ہے اور حرکاتِ فلکیہ کے سبب درست ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کی پیدائش ہو جاتی ہے اور وہ نہایت معتدل صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

وہ معتدل نومولود نہ زیادہ لمبا ہوتا ہے نہ پست۔ نرم اور تر و تازہ گوشت والا ہوتا ہے، نہ زیادہ سخت نہ بالکل نرم و نازک۔ ایسا سفید ہوتا ہے جس میں سرخی اور زردی کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اُس کے بال درمیانے ہوتے ہیں، جو نہ بالکل سیدھے اور نہ ایک دوسرے سے الجھے ہوئے۔ اُن بالوں میں سیاہی

کے ساتھ ہلکی سی سرخی کی جھلک ہوتی ہے۔ چہرہ صاف، بڑی آنکھیں، جو گہرائی اور سیاہی کی طرف مائل ہوں، سر درمیانہ، کندھے کھلے، گردن سیدھی، سینہ درمیانہ، سرین برابر، پشت پر بہت زیادہ گوشت نہ ہو۔ ہلکی اور صاف آواز، جو نہ کرخت ہو نہ بالکل نرم، لمبی انگلیاں، ہلکی ہتھیلی، کم گو بلکہ خاموش طبع جو صرف ضرورت کے وقت کلام کرے، اُس کی طبیعت کا میلان صفرا اور سودا کی طرف ہو۔ اس کی نظر میں فرحت و سرور ہو۔ مال کی طمع بہت کم ہو۔ دوسروں پر دھونس جمانے کی عادت نہ ہو اور نہ حکمران بننا چاہے۔ جلد باز یا سست نہ ہو۔ پس ایسا شخص ہر دانشمند کے نزدیک نہایت مناسب پیدائش والا اور انتہائی خوبصورت ہوتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی پیدا فرمایا گیا تھا تاکہ آپ ﷺ خلقت میں بھی کامل ہوں جیسے کہ آپ ﷺ مرتبے میں سب سے صاحبِ کمال ہیں۔ پس:

فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلَ النَّاسِ مِنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا۔ (ص ۱۳۱)

"پس رسول اللہ ﷺ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے سارے انسانوں سے باکمال ہیں"۔

مرکزِ دائرہ تخلیق

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ کی جلد سوم، باب ۳۱۳، صفحہ ۶۴ پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ:

اِنَّ اَصْلَ اَرْوَاحِنَا رُوْحُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ اَوَّلُ الْاٰبَاءِ رُوْحًا وَاٰدَمُ اَوَّلُ الْاٰبَاءِ جِسْمًا وَنُوْحٌ اَوَّلُ الْاٰبَاءِ رَسُوْلًا فَاِنَّهٗ اَوَّلُ رَسُوْلٍ اُرْسِلَ وَمَنْ كَانُوْا قَبْلَهٗ اِنَّمَا كَانُوْا اَنْبِيَاءَ كُلٌّ وَاحِدٍ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ (ص 131)

"سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہماری روحوں کی اصل ہیں۔ پس آپ روحانی لحاظ سے اوّلین باپ ہیں(1) جیسے کہ جسمانی لحاظ سے آدم علیہ السلام اوّلین باپ ہیں اور رسالت کے لحاظ سے نوح علیہ السلام اوّلین باپ ہیں، جنہیں سب سے پہلے رسول بنا کر بھیجا گیا، اُن سے پہلے نبی تھے، ہر ایک اپنے رب کی طرف سے شریعت پر تھا"۔

1۔ اسی لیے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کہا ہے:

ہوتے کہاں خلیل و بِنا کعبہ و منیٰ ‏ ‏ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

مقامِ مصطفیٰ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ جلد سوم، باب ۳۳۷، صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں بروز قیامت سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔ شیخ نے یہ پوری حدیث نقل فرمائی ہے۔ علاوہ بریں فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام یہاں زندہ موجود ہوتے تو میرے اتباع کے سوا انہیں کوئی چارہ نہ ہوتا۔ یہ اِس وجہ سے ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت عام اور شریعت سب کے لیے ہے اور آپ ﷺ کو ایسے امور کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے جو دوسرے کسی نبی کو مرحمت نہیں ہوئے اور جس نبی کو کسی امر میں محبوبیت حاصل ہوئی، چونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی برکت سے ہے لہٰذا وہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ جل شانہٗ نے جوامع الکلم مرحمت فرمائے ہیں۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ باقی انبیائے کرام آپ ﷺ کے زمانِ نبوت اور دورِ رسالت کے اندر ہی نبی رہے ہیں۔

ہمارا مقصد اس باب میں آپ ﷺ کا منصب اور قدر ومنزلت بیان کرنا ہے لہٰذا قیامت کے روز جب آپ ﷺ کا دیدارِ عام ہوگا اور حق وصداقت کے اُس سب سے بڑے میدان میں حبیبِ پروردگار ﷺ کے ابرِ گہر بار سے ہر خاص وعام فیضیاب ہو رہا ہوگا، اس وقت نبیِ آخرالزماں ﷺ کا منصب مہرِ نیمروز کی طرح سب پر ظاہر ہو جائے گا وہاں مشاہدے کی رو سے آپ ﷺ کی سیادت کا سب کو عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔

جہاں تک آپ ﷺ کی قدر ومنزلت کا تعلق ہے تو حقیقت میں بلحاظ مرتبے کے آپ ﷺ کی حقیقی تعظیم وتوقیر سے اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے کوئی آگاہ نہیں ہوسکتا۔ نبی کریم ﷺ ہی کے لیے مقامِ محمود ہے، جو فرشتوں اور دوسرے شفاعت کرنے والوں کے لیے بابِ شفاعت کو کھولنے کی جگہ ہے۔ سب سے پہلے صرف آپ ﷺ ہی شفاعت کر سکیں گے۔ وسیلہ صرف آپ ﷺ کے لیے ہے، جس سے اعلیٰ جنت میں کوئی درجہ نہیں ہے، جو اپنی امت کی دعاؤں سے آپ ﷺ کو حاصل ہو گا۔ یہ اُس نیک بختی کی جزا ہے جو امتِ محمدیہ نے حاصل کی، کیونکہ آپ ﷺ نے امت کے لیے طریقہ واضح فرمایا اور اُس نے آپ ﷺ کی تابعداری کرتے ہوئے شکریہ کے طور پر آپ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کی۔ اِس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی باب میں فرمایا ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا جَعَلَ مَنْزِلَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّيَادَةَ فَكَانَ سَيِّدًا وَمَنْ سِوَاهُ سُوْقَةٌ عَلِمْنَا اَنَّهٗ لَا يُقَاوِمُ فَاِنَّ

السُّوقَةَ لَا تُقَاوِمُ مُلُوكَهَا فَلَهُ مَنزِلٌ خَاصٌ وَلِلسُّوقَةِ مَنزِلٌ وَلَمَّا أُعْطِيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْمَنزِلَةَ ادَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ عَلِمْنَا اَنَّهُ الْمُمِدُّ لِكُلِّ اِنْسَانٍ كَامِلٍ مَبْعُوثٍ بِنَامُوْسٍ اِلٰهِيٍّ اَوْحُكْمِيٍّ وَاَوَّلُ مَا ظَهَرَ مِنْ ذَالِكَ فِيْ ادَمَ حَيْثُ جَعَلَهُ اللّٰهُ خَلِيْفَةً عَنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَدَّهُ بِالْاَسْمَآءِ كُلِّهَا مِنْ مَقَامِ جَوَامِعِ الْكَلِمِ الَّتِيْ هِيَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَهَرَ بِعِلْمِ الْاَسْمَآءِ كُلِّهَا عَلٰى مَنِ اعْتَرَضَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فِي وُجُوْدِهٖ وَرَجَعَ نَفْسَهُ عَلَيْهِ ثُمَّ تَوَالَتِ الْخَلَائِفُ فِي الْاَرْضِ اِلٰى اَنْ وَصَلَ زَمَانَ وُجُوْدِ صُوْرَةِ جِسْمِهٖ لِاِظْهَارِ حُكْمِ مَنْزِلَتِهٖ بِاِجْتِمَاعِ نَشْأَتِيْهِ فَلَمَّا بَرَزَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كَالشَّمْسِ اِنْدَرَجَ فِيْ نُوْرِهٖ كُلُّ نُوْرٍ فَاقِرٍ مِنْ شَرَائِعِهِ الَّتِيْ وَجَّهَ بِهَا لَوَّابُهُ مَا اَقَرَّ وَنَسَخَ مِنْهَا مَا نَسَخَ وَظَهَرَتْ عِنَايَتُهُ بِأُمَّتِهٖ لِحُضُوْرِهٖ وَظُهُوْرِهٖ فِيْهَا وَاِنْ كَانَ الْعَالَمُ الْاِنْسَانِيُّ وَالنَّارِيُّ كُلُّهُ اُمَّتَهُ وَلٰكِنْ هٰؤُلَآءِ خُصُوْصٌ وَصْفٌ فَجَعَلَهَا خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ هٰذَا الْفَضْلُ اِعْطَاءُ ظُهُوْرِهٖ بِنَشْأَتَيْهِ فَكَانَ مِنْ فَضْلِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلَى الْاُمَمِ اَنْ اَنْزَلَهَا مَنْزِلَةَ خُلَفَائِهٖ فِي الْعَالَمِ قَبْلَ ظُهُوْرِهٖ اِذْ كَانَ اَعْطَاهُمُ التَّشْرِيْعَ فَاَعْطٰى هٰذِهِ الْاُمَّةَ الْاِجْتِهَادَ فِيْ نَصْبِ الْاَحْكَامِ وَاَمَرَهِمْ اَنْ يَّحْكُمُوْا بِمَا اَدَّاهُمْ اِلَيْهِ اِجْتِهَادَهُمْ فَاَعْطَاهُمُ التَّشْرِيْعَ فَلَحِقُوْا بِمَقَامَاتِ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِيْ ذٰلِكَ وَجَعَلَهُمْ وَرَثَةً لَّهُمْ لِتَقَدُّمِهِمْ عَلَيْهِمْ فَاِنَّ الْمُتَأَخِّرَ يَرِثُ الْمُتَقَدِّمَ بِالضَّرُوْرَةِ فَيَدْعُوْنَ اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ كَمَا دَعَا الرُّسُلُ فَاَخْبَرَ بِعَصْمَتِهِمْ فِيْمَا يَدْعُوْنَ اِلَيْهِ مِنْهُمُ الْمُخْطِئُ حُكْمَ غَيْرِهٖ مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَمَا مُخْطِئٌ عَنِ الْحَقِّ فَاِنَّ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ حَقٌّ فَاِنْ اَخْطَأَ حُكْمًا قَدْ تَقَدَّمَ الْحُكْمُ بِهٖ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا وَصَلَ اِلَيْهِ فَذَالِكَ الَّذِيْ جَعَلَ لَهُ اَجْرًا وَاحِدًا وَهُوَ اَجْرُ الْاِجْتِهَادِ وَاِنْ اَصَابَ الْحُكْمَ الْمُتَقَدِّمَ بِاِجْتِهَادٍ فَلَهُ اَجْرَانِ اَجْرُ الْاِجْتِهَادِ وَاَجْرُ

اَلْاِصَابَۃِ۔(ص ۱۳۲)

"جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سیادت کے منصب پر فائز فرمایا، تو آپ کونین کے تاجدار ہوئے اور باقی تمام مخلوق ماتحت ہوئی۔ اِس سے ہم نے جانا کہ آپ کا مدِ مقابل کوئی نہیں کیونکہ ماتحتوں کی اپنے بادشاہوں سے کوئی برابری نہیں۔ آپ کے ماتحتوں کا بھی مقام ہے لیکن آپ کا مقام سب سے نرالا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اِس منصبِ خاص پر فائز فرمایا گیا اُس وقت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ اِس سے ہم نے جانا کہ آپ کامل انسانوں کے بھی مددگار ہیں کیونکہ آپ ناموسِ الٰہی اور اس کے حکم کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں۔ اور آپ کی اِس خصوصیت کا اظہار سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے متعلق ہوا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنایا تھا تو آپ نے مقام جوامع الکلم سے آدم علیہ السلام کی تمام اسماء کے ساتھ مدد فرمائی اور یہ آپ ہی کا منصب ہے جس سے تمام اشیاء کا علم ہر اسی ہستی پر ظاہر ہوا جس کا وجود بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوا اور جس کی روح اُس کی جانب لوٹی۔ پھر یہ خلافت متواتر زمین میں چلتی رہی یہاں تک کہ جسمانی صورت کے ساتھ آپ کے جلوہ افروز ہونے کا وقت آ پہنچا، تاکہ دونوں سیادتوں کے سامنے آنے سے آپ کی قدر و منزلت ظاہر ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ رونق آرائے گیتی ہوئے تو سورج بن کر جس کی روشنی میں باقی اجرامِ فلکی کی روشنی گم ہو جاتی ہے پس وہ شرائع جن کو آپ کے نائب لے کر آئے تھے، اُن میں سے کچھ برقرار رکھا اور باقی منسوخ فرما دیا۔ اِس جلوہ گری سے امت پر آپ کی عنایت بھی ظاہر ہوئی، خواہ وہ انسان ہوں یا جن، سارے آپ کے امتی ہیں۔ لیکن اپنی جلوہ گری کی خصوصیت سے مشرف فرماتے ہوئے اسے بہتر امت بنا دیا جو لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی۔ یہ فضیلت آپ کی دونوں سیادتوں کے ظہور کا صدقہ ہے۔ پس امتِ محمدیہ کو ساری امتوں پر فضیلت ہوئی کہ اسے اس مقام پر رکھا گیا جس پر آپ کے دنیا میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے آپ کے خلفاء فائز تھے، کیونکہ اُنہیں تشریع کی اجازت تھی اور اِس امت کو قیامِ احکام کے لیے اجتہاد کا مرتبہ عطا فرمایا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ جہاں تک اِن کا اجتہاد پہنچے اُس کے مطابق حکم کریں۔ پس انہیں بھی تشریع کا منصب دیا گیا اور اس طرح ایک لحاظ سے انہیں مقاماتِ انبیائے کرام علیہم السلام سے

ملا دیا اور انہیں ان حضرات کا وارث بنا دیا کیونکہ وہ بلحاظ زمانہ مقدم تھے اور پچھلے اگلوں کے ضرور وارث ہوا کرتے ہیں۔ پس آئمہِ مجتہدین بھی علی وجہ البصیرت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے جس طرح مرسلینِ عظام بلاتے تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اِس بلانے میں وہ غلطی سے پاک ہیں۔ ایک مجتہد دوسرے کے حکم کی تغلیط کرتا ہے لیکن دوسرا بھی عند اللہ مخطی (خطا کار) نہیں ہوتا، جو حکم اس نے پیش کیا ہے وہ حقانیت پر مبنی ہے کیونکہ اگرچہ اس سے حکم میں غلطی رہ گئی لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے زیرِ فرمان اجتہاد کر رہا ہے۔ پس جہاں تک وہ پہنچا ہے، اسے اجتہاد کرنے کے باعث پورا اجر ملے گا۔ اگر صحیح حکم تک پہنچ جائے تو دُگنا ثواب ہے۔ اس حکم کے برابر ثواب اجتہاد کرنے کا اور اتنا ہی اجر و ثواب درجہ صحت تک پہنچنے کا ملے گا''۔

اگرچہ مجتہدین میں سے صحیح حکم تک پہنچنے والا اپنے یا دوسروں کے نزدیک غیر معروف ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ غیر معروف نہیں ہوتا اور سرورِ کون و مکاں ﷺ کے اس عالم آب و گل میں جلوہ افروز ہونے کے بعد انبیائے کرام جو آپ ﷺ کے خلفاء ہیں، کوئی اِس امت کے دور میں آئے تو اسی شریعت پر عمل کرے گا اور اسی کے مطابق حکم کرے گا جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے اور مجتہدینِ امت محمدیہ کے اجتہاد کو نظر انداز نہیں کرے گا اور اپنی پہلی خلافت (منصبِ نبوت) پر قائم رہتے ہوئے آپ کی امت کے زمرے میں بھی شمار ہوگا۔ قیامت میں بھی ایسے حضرات کے لیے دو حکم ہوں گے جن کے ساتھ وہ دنیا میں ظاہر ہوئے تھے۔

قیامت میں رسول اللہ ﷺ کے مقام کا اللہ رب العزت کے دائیں جانب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ عرشِ معلیٰ پر جلوہ بار ہوگا تو آپ ﷺ دائیں جانب کھڑے ہوں گے بلکہ اللہ جل شانہٗ سے بلحاظ منصب اتنے قریب تر ہوں گے کہ احکام و اوامرِ الٰہیہ جو اس عالم میں جاری ہوں گے ان کے نافذ ہونے میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مواضع و موارد کا فائدہ دیتے ہیں۔ پس ساری مخلوق آپ ﷺ ہی کے باعث فیضیاب ہوگی اور یہ حقیقت ہے کہ:

وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهٌ كُلُّهٗ يَرٰى مِنْ جَمِيْعِ جِهَاتِهٖ وَلَهٗ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ اِعْلَامٌ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى يُفْهِمُ عَنْهُ يَرَوْنَهٗ لِسَانًا وَيَسْمَعُوْنَهٗ صَوْتًا وَحَرْفًا۔ (ص ۲ ۱۳۲، ۱۳۳)

''نبی کریم ﷺ سراپا چہرہ ہیں اور ہر سمت سے آپ دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر جانب

سے آپ کو خبردار کرتا رہتا ہے۔ قیامت میں لوگ آپ کے منصب کو سمجھیں گے، آپ کے ارشاداتِ عالیہ کے منتظر رہیں گے اور آپ کے ہر لفظ پر کان دھریں گے"۔

فخرِ دو عالم ﷺ کی رہائش گاہ جنت کا وہ مقام ہوگا جسے وسیلہ کہتے ہیں اور تمام جنتیں گویا اُسی کا حصہ ہیں۔ وہ جنتِ عدن میں ہے۔ ہر جنت میں اِس کا ایک شعبہ ہوگا جس سے اس جنت والوں کے لیے رسول اللہ ﷺ ظہور فرمائیں گے اور وہ جنت میں انتہائی اعلیٰ مقام ہے۔ جنت کے باقی سارے منازل معنوی نہیں بلکہ حسّی ہوں گے۔ اس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

وَاَمَّا مَنْزِلَتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُلُوْمِ فَاَحَاطَتُهٗ بِعِلْمِ كُلِّ عَالِمٍ بِاللّٰهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ بِهٖ تَعَالٰى مُتَقَدِّمِيْهِمْ وَمُتَاَخِّرِيْهِمْ وَكُلُّ مَنْزِلٍ لَهٗ وَلِاَتْبَاعِهٖ مُطَيَّبٌ بِالطِّيْبِ الْاَنْمٰى الَّذِيْ لَمْ يَدْخُلْ فِيْهِ وَلَا اسْتَعْلَمَتْ اَيْدِي الْاَكْوَانِ فِيْهِ وَاعْلَمْ اَنَّهٗ مِنْ كَمَالِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُصَّ بِسِتٍّ لَمْ تَكُنْ لِنَبِيٍّ قَبْلَهٗ فَاَخْبَرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اُعْطِيَ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَهِيَ خَزَائِنُ اَجْنَاسِ الْعَالَمِ لِيُخْرِجَ اِلَيْهِمْ بِقَدْرِ مَا يَطْلُبُوْنَهٗ بِذَوَاتِهِمْ۔ (ص ۱۳۳)

"نبی کریم ﷺ کا علوم میں یہ مقام ہے کہ آپ کے دائرۂ معلومات نے اللہ تعالیٰ کے ہر جاننے والے کی معلومات کا احاطہ کیا ہوا ہے، خواہ وہ آپ ﷺ سے پہلے ہوں یا پچھلے۔ آپ کی اور آپ کے غلاموں کی ہر منزل ایسی شاندار خوشبو سے عطر بیز ہے جس میں نہ کسی کے تصرف کو دخل ہے اور نہ کوئی عمل کرنے والا اُن میں ہاتھ ڈال سکتا ہے اور جاننا چاہیے کہ فخرِ دو عالم ﷺ کے کمالاتِ عالیہ چھ خصوصیات پر مشتمل ہیں، جو آپ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں، اس سے اجناسِ عالم مراد ہیں، تاکہ دنیا والوں کی ذاتی طلب کے مطابق آپ نکال کر عطا فرماتے رہیں" (1)۔

سرورِ کون و مکاں ﷺ اپنے کمال وصف کی بدولت اِن اجناس کے مستحق ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہِ مصر سے تمام خزانوں کی حفاظت کا مطالبہ کیا تھا کیونکہ وہ حفاظت کرنا جانتے تھے۔ تاکہ تمام لوگ آپ کے محتاج ہوں اور اُن پر آپ کی سیادت ظاہر ہو جائے۔ اسی لیے ایسی

1۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

آسماں خواں، زمیں خواں، زمانہ مہماں صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے؟ تیرا تیرا

خوبی بیان کی جو ان کے اندر موجود تھی' اور اس کے مطابق مقام کے مستحق تھے، اسی لیے فرمایا تھا:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف:55) "بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں"۔

یعنی حفاظت کرنے والا اس لحاظ سے ہوں کہ اِس سے صرف ضرورت کے مطابق ہی نکلے گا۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر)

"اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے"۔

جس فرد میں یہ صفت پائی جائے وہی خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہوسکتا ہے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے مطالبے کے بعد یہ وضاحت فرمادی کہ وہ خزانوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں اور محتاجوں کی حاجتوں سے بھی خبردار ہیں کیونکہ ان خزائن سے لوگوں کی ضروریات وابستہ ہیں۔ پس:

فَلَمَّا اُعْطِیَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ عَلِمْنَا اَنَّهٗ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ فَکُلُّ مَا ظَهَرَ مِنْ رِزْقٍ فِی الْعَالَمِ فَاِنَّ الْاِسْمَ الْاِلٰهِیَّ لَا یُعْطِیْهِ اِلَّا عَنْ اَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِیْ بِیَدِهِ الْمَفَاتِیْحُ کَمَا اخْتَصَّ الْحَقُّ بِمَفَاتِیْحِ الْغَیْبِ فَلَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَاُعْطِیَ هٰذَا السَّیِّدُ مَنْزِلَةَ الْاِخْتِصَاصِ بِاِعْطَائِهٖ مَفَاتِیْحَ الْخَزَائِنِ۔ (ص ۱۳۳)

"جب رسول اللہ ﷺ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں تو ہم نے جان لیا کہ آپ اُن کی حفاظت کے اہل اور حاجت مندوں کی ضروریات سے خبردار ہیں۔ پس دنیا میں جو بھی کسی کو رزق ملتا ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر واسطے کے اللہ تعالیٰ کسی کو مرحمت نہیں فرماتا، کیونکہ کنجیاں اُن کے ہاتھ میں دی ہیں، جیسے غیب کی کنجیاں اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہیں، اُنہیں سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح سرورِ کون و مکاں ﷺ کو یہ خاص الخاص منصب رفیع عطا فرمایا کہ آپ کو (زمین کے) خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں"۔

دوسری خصلت

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں۔ کَلِم جمع ہے کلمے کی اور اللہ تعالیٰ کے

کلمات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ اِسی لیے رسولِ اکرم ﷺ کو اتنا علم عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ جنہوں نے وجود کا لباس پہنا ہے وہ آپ ﷺ کے دائرۂ علم میں ہیں اور بے شمار وہ چیزیں جو وجود میں بھی نہیں آئیں وہ بھی آپ ﷺ کے علم میں ہیں، حالانکہ وہ حدوشمار سے باہر ہیں لیکن آپ ﷺ کے دائرۂ معلومات نے ان حقائق کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ یہ خدا کی صفات میں سے ہے اِسی لیے کسی دوسرے میں بالذات نہیں پائی جاتی۔ اس کے بعد شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ کی رحمت تمام جہان کو شامل ہے، جس کے ساتھ آپ ﷺ کو بھیجا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے''۔

اِس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اِس میں کسی ایک جہان کی تخصیص نہیں ہے۔ پس جب آپ وہی کچھ مرحمت فرمائے گئے ہیں جو ہر عالم چاہتا ہے، خواہ وہ چاہت کسی قسم کی ہو۔ ماسوائے اُن کے جو شرعی احکام کے مخاطب ہیں، کیونکہ اُن پر تو آپ ﷺ کی رحمت ظاہر ہے۔ آپ ﷺ نے اُس رحمت کو خوب تقسیم فرمایا ہے جسے دے کر آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔

بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ حکمِ الٰہی کے تحت دنیا میں رونق افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیشک کائنات کی ہر چیز راضی ہے کیونکہ ہر ایک جہان اُسی کے گُن گاتا اور پاکی بیان کرتا ہے، پس وہ اُس کے حکم سے راضی ہوئے اور رسول اللہ ﷺ جو اُس کی طرف سے عام دعوت لے کر آئے اس جہت سے بھی مخلوقِ خدا میں اُس کی رحمت دنیا میں بانٹی جارہی ہے، سوائے اُن لوگوں کے، جو اُس سے خوش نہیں، جس سے آپ ﷺ کو مالا مال کر کے بھیجا گیا تھا، اتنا حصہ تو پالیا جتنا وہ خدا کے معین حکم سے راضی ہوا۔ یہاں تک کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمت دے کر بھیجا اور تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اگر کسی کو آپ ﷺ کی رحمت سے حصہ نہ ملے تو یہ کمی اُسی کی جانب سے ہے لہٰذا یہ اس کی قابلیت کا قصور ہے کیونکہ آپ ﷺ تو مہرِ درخشاں کی طرح ہیں، جس کی شعاعیں تمام زمین پر پڑتی ہیں لیکن زمین کا وہ حصہ جو کسی دیوار وغیرہ کے ساتھ ہو اور وہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور اس کے دائیں بائیں کو منور کر رہی ہو تو اس کی اس محرومی میں سورج کا کیا قصور؟ زمین کا وہ حصہ خود ہی سورج کا فیض حاصل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

تیسری خصلت

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہر گورے اور ہر کالے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہے۔اجسام کے رنگوں کا تذکرہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ابرِ رحمت ہیں جو سب پر برسنے کیلئے مبعوث فرمائے گئے ہیں، جو اِس عام شریعت کو ایمان لانے کے ساتھ قبول کرے، ایسے لوگوں کا شمار آپ ﷺ کی تابعدار امت میں ہے جس کی جانب آپ ﷺ کو شریعت قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے، لیکن جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کفر کیا وہ آپ ﷺ کی امت کے زمرے سے باہر نہیں ہیں۔

چوتھی خصلت

یہ ہے کہ ایک ماہ کی مسافت تک رسول اللہ ﷺ رُعب کے ساتھ مدد فرمائے گئے ہیں۔

پانچویں خصلت

یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے مالِ غنیمت حلال ٹھہرایا گیا ہے، حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے وہ کسی نبی کے لیے حلال قرار نہیں دیا گیا۔آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحابہ کرام میں مال غنیمت تقسیم فرمایا۔اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی عزت افزائی فرمائی ہے کہ یہ اعزاز دوسرے انبیاء کرام کو بھی مرحمت نہیں فرمایا گیا بلکہ اِس میں فخرِ دوعالم ﷺ کے غلاموں کو بھی وہ کرامت بخشی گئی ہے کہ اس سے پہلے کسی نبی پر ایمان لانے والوں کو ایسی عزت عطا نہیں فرمائی گئی۔

چھٹی خصلت

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے تمام زمین کو پاک قرار دے دیا اور اُسے آپ ﷺ کی خاطر مسجد ٹھہرا دیا ہے۔لہٰذا جہاں بھی آپ ﷺ یا آپ ﷺ کی امت نماز کا وقت پائے، اُسی جگہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔شیخ علیہ الرحمہ نے اس کی تشریح میں جو طویل بحث کی ہے اُس کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ خصلتیں جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خصوصیت مرحمت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کو ایسا مقام حاصل ہو گیا ہے جو کسی بھی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔پس آپ ﷺ کا حکم اِس کائنات میں بھی اُسی طرح نافذ ہو گا، جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے۔اِن مقامات میں سے ہر مقام پر آپ ﷺ کی خصوصیت نمایاں ہے، تاکہ اللہ جل شانہٗ نے جو آپ ﷺ کو سب پر فضیلت دی ہے اور شرف بخشا ہے وہ سب پر واضح ہو جائے کیونکہ:

اُعْطِیَ جَمِیْعَ مَا فُضِّلَتْ بِهِ الرُّسُلُ بِعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ۔(ص ۱۴۳)

"آپ کو وہ تمام خوبیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں جن کے باعث ایک رسول کو دوسرے پر فضیلت دی گئی ہے"۔

جانِ من! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس رحمت سے جس کے ساتھ آپ مبعوث فرمائے گئے ہیں، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ہمارے لیے شریعتِ مطہرہ کو ظاہر فرمایا اور حکمِ الٰہی کے تحت آپ ﷺ نے اس کی کماحقہٗ تبلیغ و اشاعت فرمائی۔ رسالت کی یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی صداقت کے نشانات ظاہر ہو جائیں تا کہ سب انہیں دیکھ لیں، بلکہ رسول تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے، اور مخلوقِ خدا تک اس کے احکام پہنچانے پر مامور ہوتا ہے۔ اُس کی یہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس کے سوا کچھ اور اس پر واجب نہیں۔ اگر اُس کی صداقت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ یہ بات نبی کے اپنے ہاتھ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی اِس بات سے معذوری خود بیان فرمائی ہے۔ پس یہاں انبیائے کرام کے لیے بھی نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (انعام:37)

"اور بولے اِن پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری ان کے رب کی طرف سے"۔

یہ کسی عربی کا نہیں بلکہ غیر عرب کا اعتراض نقل فرمایا گیا ہے کیونکہ اہلِ عرب کے سامنے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صداقت واضح کر چکے تھے، جبکہ قرآنِ کریم کے اعجاز کا عربوں کے سوا دوسرے کماحقہٗ اندازہ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ کہیں وارد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر غیر عرب مثل یہود، نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کے مطالبے پر کوئی معجزہ اپنی صداقت ظاہر کرنے کی خاطر دکھایا ہو۔ آپ ﷺ جو نشانیاں اور معجزات لے کر مبعوث ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے، معجزے دکھانا آپ ﷺ پر واجب نہیں تھا، نہ دوسرے رسولوں پر واجب تھا، اسی لیے فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (العنکبوت:50)

"تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف صاف ڈر سنانے والا ہوں"۔

پھر سرورِ کون و مکاں ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً (العنکبوت:51)

"کیا یہ اُنہیں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بیشک اس

میں رحمت ہے''۔

کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس اُمم سابقہ کی تمام معلومات قرآنِ کریم میں موجود ہیں اور یہ اپنے لانے والے کی صداقت پر خود گواہ ہے اور آپ ﷺ کی امت قرائنِ احوال سے یہ جانتی ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ نے نہ کسی سے کچھ پڑھا، نہ لکھنا سیکھا، نہ کسی سے کتاب کا کبھی مطالعہ کیا، نہ پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھے اور نہ اپنے شہر سے کبھی دور رہے بلکہ آپ ﷺ دوسرے اَن پڑھوں کی طرح اَن پڑھ ہی رہے۔ اِس کے باوجود آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کی خبریں دیں جن کے بارے میں ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے بھلا ایک عام آدمی اُن کی خبریں کیسے دے سکتا ہے؟ لہٰذا قرآنِ کریم کے ذریعے جو کچھ بھی آپ ﷺ لے کر آئے، وہ آپ ﷺ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے لیے مخالفین کہتے اور ثبوت طلب کیا کرتے تھے اور اہلِ عرب پر قرآنِ کریم کا اعجاز ظاہر تھا کیونکہ یہ اُن کی مادری زبان میں نازل ہوا تھا اور وہ بھی اِس سے معارضہ نہ کر سکے یا یوں سمجھ لیجئے کہ یہ جانتے ہوئے معارضہ نہ کیا کہ منہ کی کھانے کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا(1)۔ نیز قرآنِ کریم کے ذریعے آپ ﷺ کو دیگر سماوی کتب کا علم بھی حاصل ہو گیا، جنہیں یہود و نصاریٰ اور دیگر اہلِ کتاب جانتے تھے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کی صداقت کا روشن نشان ہوا کیونکہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مذکورہ بالا تقریر سے:

فَقَدْ تَبَيَّنَ لَکَ مَنْزِلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِهٖ مِنَ الرُّسُلِ وَخَصَّهُ اللّٰهُ بِعُلُوْمٍ لَمْ تَجْتَمِعْ فِيْ غَيْرِهٖ مِنْهَا اَنَّهُ اِعْطَاءُ اَنْوَاعِ ضُرُوْبِ الْوَحْيِ كُلِّهَا فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ بِجَمِيْعِ مَا يُسَمّٰى وَحْيًا كَالْمُبَشِّرَاتِ وَالْاِنْزَالِ عَلَى الْقُلُوْبِ وَالْاٰذَانِ بِحَالَةِ الْعُرُوْجِ وَعَدَمِ الْعُرُوْجِ وَغَيْرِ ذٰلِکَ وَخَصَّهُ بِعُلُوْمٍ عِلْمُ الْاَحْوَالِ كُلِّهَا فَاَعْطَاهُ الْعِلْمَ بِكُلِّ حَالٍ وَفِيْ كُلِّ حَالٍ ذَوْقًا لِاَنَّهُ اَرْسَلَهُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً وَاَحْوَالُهُمْ مُخْتَلِفَةٌ فَلَا بُدَّ اَنْ تَكُوْنَ رِسَالَتُهُ تَعُمُّ الْعِلْمَ بِجَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَخَصَّهُ اللّٰهُ بِعِلْمِ اِحْيَاءِ الْاَمْوَاتِ مَعْنًى وَحِسًّا فَحَصَلَ

1۔ مجدد مأتہ حاضرہ نے یہ مضمون یوں باندھا ہے:۔

ترے سامنے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

الْعِلْمُ بِالْحَيَاةِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَهِيَ حَيَاةُ الْعُلُوْمِ وَالْحَيَاةِ الْحِسِّيَّةِ وَهِيَ مَا اَتٰى فِيْ قِصَّةِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَعْلِيْمًا وَاِعْلَامًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَخَصَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِلْمِ الشَّرَائِعِ كُلِّهَا فَاَبَانَ لَهٗ عَنْ شَرَائِعِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَهْتَدِيَ بِهُدَاهُمْ وَخَصَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرْعٍ لَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ غَيْرِهٖ مِنْهُ مَاذَكَرْنَا فِي السِّتَّةِ الَّتِيْ خَصَّ بِهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔(ص ۱۳۵)

"تیرے لیے دوسرے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مقابلے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا مقامِ رفیع بخوبی ظاہر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے علوم سے خاص فرمایا ہے جو آپ کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہیں۔ اُن علوم سے ایک یہ شعبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی وحی سے مشرف فرمایا، جسے بھی وحی کہا جاتا ہے، جیسے سچے خواب، دلوں اور کانوں پر وحی کا بحالتِ عروج و عدم عروج نازل ہونا وغیرہ اور نبی کریم ﷺ کو تمام احوال کا علم عطا کر کے خاص فرمایا، یعنی آپ کو ہر حال کا علم عطا فرمایا اور ہر حالت کی ذوقی معلومات کا سے مطلع فرمایا کیونکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو تمام انسانوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کی معلومات دائرہ اتنا وسیع ہو، جو تمام احوال کا احاطہ کرے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مُردوں کو زندہ کرنے کے معنوی اور حسّی علم کے ساتھ بھی خصوصیت بخشی ہے۔ پس آپ کو جو معنوی حیات کا علم حاصل ہے، اس سے مراد علوم کا زندہ کرنا ہے اور حسی حیات وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعے میں ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو بتانے اور مطلع فرمانے کے لیے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم تمہارے لیے رسولوں کی خبریں بیان کرتے ہیں تاکہ تمہارے دل کو ثابت رکھیں اور اس بارے میں تمہارے پاس حق آ گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جملہ شرائع کے علم کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ پہلوں کی شریعتیں آپ پر ظاہر فرمائیں اور ان کی طرح راہِ ہدایت اختیار کرنے کا آپ کو حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ کو ایسی شریعت کے ساتھ خاص فرمایا جو کسی اور کو نہیں دی تھی، جیسا کہ ہم نے آپ کی چھ خصوصیات کے تحت لکھا ہے"۔

مقامِ محمود

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۳۸، صفحہ ۱۹۴ پر فرمایا ہے: یہ جان لینا ضروری ہے کہ مقامِ محمود وہ جگہ ہے جہاں بروزِ قیامت رسول اللہ ﷺ اپنے اسمِ گرامی حمید کے ساتھ رونق افروز ہوں گے اُس میں اللہ تعالیٰ کے سات جھنڈے جنہیں حمد کا نام دیا گیا ہے۔ وہ جھنڈے فخرِ دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے وارثوں کو مرحمت فرمائے جائیں گے۔ اُن جھنڈوں میں اللہ جل شانہٗ کے ایسے اسمائے گرامی ہوں گے، جن کے ساتھ سرورِ کون و مکاں ﷺ بروزِ قیامت مقامِ محمود میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب میں شفاعت کا سوال کروں گا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ایسے محامد کے ساتھ بیان کروں گا جنہیں اِس وقت میں نہیں جانتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اسمائے طیبہ ہیں، جو اُس مقام سے خاص مناسبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا صرف اسماء الحسنیٰ ہی سے کی جا سکتی ہے اور ہماری معلومات اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا احاطہ کرنے سے بالکل قاصر ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جنت میں ایسی چیزیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں ہے اور نہ کسی کان نے اُن کی آواز سنی ہے اور نہ کسی دِل میں اُن کی صورت کا صحیح تصور آیا ہے اور ہمیں اِس بات کا علم ہے کہ جو آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان اللہ تعالیٰ نے ہماری نظروں سے چھپا کر رکھے ہوئے ہیں، اُن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک شے کسی نہ کسی اسمِ الٰہی کے ساتھ منسوب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اُس نام کے ساتھ کرے گا اور اسمِ الٰہی وہ ہے جس کے اظہار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس سے باخبر ہو کر انعاماتِ الٰہیہ کے ساتھ رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں، خواہ وہ ثنا تسبیح کے ساتھ ہو یا اثباتِ علم کے ساتھ۔

جب تمہیں اُن کی معرفت حاصل ہو گئی تو تعداد کے بارے میں سوال کرو گے، جن کے ساتھ بروزِ قیامت مقامِ محمود میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے گی۔ پس ہم نے جان لیا کہ ہمیں دنیا میں اُن کا علم حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ اب کسی کو بتائے گا کیونکہ وہ ایسے محامد سے متعلق ہیں جن کے عرفان کی خصوصیت نبی کریم ﷺ کو حاصل ہو گی۔ جب قیامت میں ہم آپ ﷺ کو اُن اسماء کے ساتھ حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے سنیں گے اور قیامت میں مقامِ محمود پر ہر جھنڈے کے ساتھ وہ اسمائے الٰہیہ ظاہر ہوں گے، تو اُس مقام پر اُن اسمائے الٰہیہ کا علم ہمیں بھی حاصل ہو جائے گا اور اُن اسماء الحسنیٰ کی تعداد کے

متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ اُن کی تعداد ایک ہزار چھ سو چونسٹھ ہے۔ اِن میں سے ہر ایک جھنڈے میں ننانویں اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جو اِنہیں پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اِن جھنڈوں میں سے حمد کے جھنڈے میں مذکورہ اسمائے الٰہیہ سے سات سو ستتر (۷۷۷) اسماء درج ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن تمام محامد کے ساتھ حمدِ الٰہی بیان کریں گے اور ہر اسم میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا مطالبہ ہے۔

فتحِ مبین

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۴۹، صفحہ ۲۰۲ پر آیات درج کر کے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝٢ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝٣

”بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے اور اللہ تعالیٰ تمہاری زبردست مدد فرمائے“۔

اِن کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حقیقی مکاشفے کی کامیابی، باطنی حلاوت میں سرفرازی اور رفعتِ کلام ہے اور مذکورہ فتوحات کے باعث قرآنِ کریم معجزہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسا کلامِ رفیع عطا فرمایا گیا ہے ایسا کسی دوسرے کو مرحمت نہیں فرمایا گیا۔ اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے اعلان فرمایا ہے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝٨٨ (بنی اسرائیل)

”تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اِس بات پر متفق ہو جائیں کہ اِس قرآن کی مانند لے آئیں تو اِس کا مثل نہ لا سکیں گے، اگر چہ اُن میں ایک دوسرے کا مددگار ہو“۔

ظَهِيرًا سے یہاں مراد مُعِينًا یعنی مددگار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے مذکورہ تینوں قسم کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ساتھ ہی فَتْحًا مصدر سے اِس کلام کو مؤکد کر دیا ہے۔ مُبِيْنًا سے مراد ظاہر ہے جسے ہر دیکھنے والا واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ فتوحِ عبارت یعنی رفعتِ کلام، یہ اہلِ عرب کا طرّۂ امتیاز ہے جس میں دوسروں کو عاجز کر دیا کرتے تھے۔ فتوحِ مکاشفہ یعنی حقیقتِ واقعیہ کے انکشاف میں کامیابی، اِس کا شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصی حصول ہوا، جب بڑی سے بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا گیا، تا کہ اللہ تعالیٰ

آپ ﷺ کے سبب آپ ﷺ کے اگلوں کے گناہ معاف فرمادے اور یہ بات آپ ﷺ سے پوشیدہ رکھے جس سے گنہگار عتاب کا مستحق ہوتا ہے اور پچھلوں کے گناہ بھی معاف فرمادے اور آپ ﷺ کو گناہوں سے بالکل بچا کر رکھے کہ وہ آپ ﷺ تک پہنچ ہی نہ سکیں اور اِس طرح آپ ﷺ گناہوں سے مبرّا ہیں۔

پچھلوں کے گناہ بخش دینے کی بشارت سے ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ بیشک نبی کریم ﷺ گناہوں سے معصوم ہیں اور عصمت کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد فرمائی گئی ہے اور آپ ﷺ کی معصومیت پر یہ بات سب سے زیادہ مؤید ہے کہ آپ ﷺ کو لوگوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے تاکہ لوگ آپ ﷺ کی اقتدا کریں۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ معصومیت سے سرفراز نہ فرماتا تو ایسے امور میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا ہمارے لیے ضروری ہوجاتی، جو آپ ﷺ سے گناہ کے بطور واقع ہوتے اور آپ ﷺ سے گناہ سرزد ہونے کے بارے میں کوئی نصِ قطعی وارد نہیں ہوئی ہے، جیسے ہبہ کے ساتھ نکاح میں آپ ﷺ کی خصوصیت پر نصِ قطعی وارد ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص اور آپ ﷺ کے لیے مشروع ہے جبکہ ہم پر حرام ہے۔ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پوری نعمتیں عطا فرمائی گئیں۔ ہم نے جب مخلّقہ یعنی مکمل اور نامکمل نعمتوں کو پہچان لیا ہے اور اِس آیت نے خبر دی ہے کہ فخرِ دو عالم ﷺ کو مکمل نعمتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا سے مراد یہ ہے کہ جس راستے پر سرورِ کون و مکاں ﷺ گامزن ہیں وہی صراطِ مستقیم ہے۔ جیسے ہود علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ (ہود)

''بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے''۔

تمام شریعتیں نور ہیں اور ان میں شریعتِ محمدیہ کی مثال ایسی ہے جیسے ستاروں میں سورج، جب سورج ظاہر ہو تو ستاروں کی روشنی سورج کی روشنی میں داخل ہوجاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی کا چھپنا نبی آخرالزماں ﷺ کی شریعت سے دوسری شریعتوں کے منسوخ ہونے کی طرح ہے، حالانکہ اُن کا وجود اُسی طرح باقی ہے، جیسے ستاروں کا نور باقی رہتا ہے۔ اسی لیے شریعتِ محمدیہ نے تمام رسولوں اور ان کی شریعتوں پر ایمان لانا ہمارے اوپر لازم ٹھہرایا ہے، کیونکہ وہ حق ہیں اور منسوخ ہوجانے کے باعث وہ باطل نہیں ہوئیں۔ شرائع سابقہ کو باطل کہنا جہلاء کا فاسد گمان ہے۔ پہلے تمام تر راستے سیّد الانبیاء والمرسلین ﷺ کے راستے کی جانب ہی رجوع کرتے ہیں۔ اگر گزشتہ رسولوں سے کوئی رسول

آپ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں موجود ہوتا تو اُسی طرح آپ ﷺ کا اتباع کرتا جس طرح تمام شریعتیں شریعتِ محمدیہ کے تابع ہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں۔

وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا جو فرمایا ہے تو عَزِیزٌ وہ ہوتا ہے جس کا قصد کیا جائے لیکن اُس تک رسائی کی طاقت نہ ہو۔ چونکہ سارے انبیائے کرام آپ ﷺ کی طرف وصول کے طالب تھے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ اپنی عام بعثت کے سبب اُن کے پالینے سے دور رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ ﷺ کو جوامع الکلم اور آخرت میں مقامِ محمود عطا کر کے سیادت مرحمت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کی اُمت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا ہے جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور ہر امت کا مرتبہ اُس کے نبی کی عظمت کے مطابق ہوتا ہے۔

تبلیغ کا معاوضہ

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۴۲، صفحہ ۲۲۳ پر فرمایا ہے کہ عمل بذاتہ ثواب اور اجر چاہتا ہے اور عمل کرنے والے کو ثواب ملنے کا حق پہنچتا ہے۔ احکامِ رسالت کو ادا کرنا رسول کا عمل ہے اور بھیجنے والے نے اُس سے فریضۂ رسالت کا کام لیا ہے کیونکہ اُسے لوگوں کی طرف بھیجا ہے، اِس لیے بھیجنے والے پر اِس کا اجر دینا ضروری ہے، مرسلِ الیہ (جس کی طرف بھیجا گیا) نے اُسے اس کام پر مامور ہی نہیں کیا، لہٰذا اجر دینا اُس پر ضروری نہیں۔ اسی لیے مرسلینِ عظام نے اِس امرِ الٰہی کا اپنی امتوں سے برملا تذکرہ کر دیا تھا، تاکہ اُنہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اِس بارے میں امرِ الٰہی کیا ہے؟ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ (الشعراء)

"اور میں اِس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے"۔

پس رسولوں نے اپنی اُجرت کا حق اُسی پر ڈالا جس نے اُن سے یہ کام لیا اور اِس جواب سے اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر ہی کا اظہار فرمایا ہے، کیونکہ اُس نے ہر ایک رسول کو یہی حکم دیا: "تم فرما دو، میں تبلیغ دین کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا"۔ لیکن فضائل کے باب میں سرورِ کون ومکاں ﷺ کو وہ خصوصیت حاصل ہے جو دوسروں کو میسّر نہیں اور اِس فضیلت سے آپ ﷺ کی اُمت کو بھی وہ حصہ ملا ہے۔ فخرِ دوعالم ﷺ کا اجر بھی دوسرے رسولوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اِس اجر کا کچھ حصہ اپنی امت سے بھی وصول فرمائیں اور اُس کی صورت یہ

ہے کہ وہ حبیبِ پروردگار ﷺ کے قرابت داروں سے محبت کریں، چنانچہ فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ (الشوریٰ:23)

''تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت داروں کی محبت''۔

یعنی دین کی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں ماسوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر واجب کر دیا ہے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔ امتِ محمدیہ پر تبلیغ کا معاوضہ آپ ﷺ کے قرابت داروں سے محبت رکھنے کی صورت میں ادا کرنا واجب ہے۔ نیز آپ ﷺ کے اہلِ بیت سے بھی اور جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے مَوَدَّتْ کہا ہے وہ محبت میں ثابت قدم رہنے کا نام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرما دیا تو یہ نہیں کہا کہ اب اللہ کے ذمے تمہارا کوئی اجر نہیں رہ گیا اور نہ یہ فرمایا کہ تمارا اجر باقی رہ گیا ہے۔ تاکہ ذاتِ باری تعالیٰ ایسی چیز بیان کر کے اپنی نعمتوں کی تجدید فرمائے جس سے محبوب کو سرور حاصل ہو۔ اسی لیے دوسرے رسولوں کی طرح آپ ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ اپنی امت کو یہ اعلان سنا دیا جائے کہ میں تم سے اگر کوئی اجر چاہتا ہوں تو صرف تمہارے لیے ورنہ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے امت کے سر سے نبی کے قرابت داروں سے محبت کرنے کا اجر ساقط نہیں کیا بلکہ اس کے تعین کے بعد اسے ان کی جانب ہی لوٹا دیا ہے، حالانکہ اس اجر کے مستحق صرف رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پس محبت کی فضیلت کو اس کے حقداروں کی طرف لوٹا دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے محبت رکھنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر و ثواب ملے گا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

الانسان الکامل

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۴۶، صفحہ ۲۴۷ پر فرمایا ہے کہ اس دنیا میں کامل انسان کا مرتبہ نفسِ ناطقہ کی طرح ہے۔ انسانوں میں سب سے کامل وہ ہے جس سے اکمل دوسرا کوئی نہیں اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہے۔ کمال جو اس عالم کی غایت ہے اس کے باعث وہ کامل انسان جن کا درجہ آپ ﷺ کے بعد ہے ان کا مرتبہ انسانی قوتوں کی طرح ہے اور اِن درجات پر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام فائز ہیں اور جن حضرات کا مرتبہ اِن حضرات کے بعد ہے وہ انسان کی حسی قوتوں کی طرح ہیں اور ایسے حضرات علمائے کرام و اولیائے عظام ہیں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) جو انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ ان کے علاوہ باقی انسان شکل و صورت کے لحاظ سے انسان ہیں لیکن اُن کا شمار حیوانات میں ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانوں میں روحِ حیوانی کی طرح ہیں، جس

سے انسانوں کی افزائش کا سلسلہ قائم ہے اور احساسات اسی قوت کے مرہونِ منت ہیں۔ پس:

وَاعْلَمْ اَنَّ الْعَالَمَ الْيَوْمَ بِفَقْدِ جَمْعِيَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ظُهُوْرِهٖ رُوْحًا وَجِسْمًا وَصُوْرَتًا وَمَعْنًا قَائِمٌ وَلَا مَيِّتٌ وَاِنَّ رُوْحَ الَّذِىْ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ مِنَ الْعَالَمِ فِيْ صُوْرَةِ الْمَحَلِّ الَّذِىْ هُوَ قُبَّةُ رُوْحِ الْاِنْسَانِ عِنْدَ النَّوْمِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ الَّذِىْ هُوَ مِثْلُ يَقْظَةِ النَّائِمِ هُنَا وَاِنَّمَا قُلْنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى التَّعْيِيْنِ اِنَّهٗ هُوَ الرُّوْحُ الَّذِىْ هُوَ النَّفْسُ النَّاطِقَةُ فِى الْعَالَمِ لِمَا اَعْطَاهُ الْكَشْفُ وَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ اِنَّهٗ سَيِّدُ النَّاسِ وَالْعَالَمُ مِنَ النَّاسِ فَاِنَّهُ الْاِنْسَانُ الْكَبِيْرُ فِى الْجِرْمِ وَالْمُقَدَّمِ فِى التَّسْوِيَةِ وَالتَّعْدِيْلِ لِيَظْهَرَ عَنْهُ صُوْرَةُ نَشْاَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَوَّى اللّٰهُ جِسْمَ الْاِنْسَانِ وَعَدَلَهٗ قَبْلَ وُجُوْدِ رُوْحِهٖ ثُمَّ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُوْحِهٖ رُوْحًا كَانَ بِهٖ اِنْسَانًا تَآمًّا اَعْطَاهُ بِذَالِكَ خِلْقَهٗ وَهُوَ نَفْسُهُ النَّاطِقَةُ فَقَبْلَ ظُهُوْرِ نَشْأَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْعَالَمُ فِيْ حَالِ التَّسْوِيَةِ وَالتَّعْدِيْلِ كَالْجَنِيْنِ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ وَحَرَكَتُهٗ كَالرُّوْحِ الْحَيَوَانِيِّ مِنْهُ الَّذِىْ صَحَّتْ لَهٗ بِهِ الْحَيَاةُ فَاَجِلْ فِكْرَكَ فِيْمَا ذَكَرْتُهٗ لَكَ فَاِذَا كَانَ فِى الْقِيَامَةِ حَيَّ الْعَالَمُ كُلُّهٗ بِظُهُوْرِ نَشْأَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۳۷، ۱۳۸)

"جاننا چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پردہ پوش ہوجانے کے باعث اب یہ دنیا سو رہی ہے۔ آپ اِس دنیا میں قبّہ روحِ انسانی کی طرح ہیں جیسا کہ نیند کے وقت ہوتا ہے۔ خواب سے اِس دنیا کے بیدار ہونے کی حالت قیامت تک رہے گی اور بیشک ہم نے تخصیص کرتے ہوئے کہا ہے نبی کریم ﷺ ہی اس دنیا کی وہ روح ہیں جسے نفسِ ناطقہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (ساری دنیا کا) کشف عطا فرمایا ہے اور جیسا کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپ ہی سارے انسانوں کے سردار ہیں اور دنیا لوگوں سے ہے کیونکہ نوعِ انسانی کی برابری اور اعتدال میں نیز جسمانی حالت اور تقدیم کے لحاظ سے بڑائی حاصل ہے تاکہ اس سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے جمالِ جہاں

آراء کی صورت ظاہرہ، جس طرح اللہ تعالیٰ نے روح کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے جسم انسانی کو برابر اور اعتدال پر کیا پھر اُس میں اپنی طرف کی روح پھونکی، وہ روح جس کے ساتھ وہ مکمل انسان بنا۔ اسی طرح اسے تخلیق کا لباس پہنایا اور یہی روح (جس کے ساتھ وہ مکمل انسان بنا) نفسِ ناطقہ ہے۔ پس نبیِ آخرالزماں ﷺ کی جلوہ گری سے پہلے یہ جہاں تسوید اور تعدیل کے مراحل سے گزر رہا تھا، جیسے بچہ اپنی والدہ کے پیٹ میں ہوتا ہے اور اس کی حرکت روح حیوانی کی طرح ہوتی ہے، جس کے ساتھ وہ زندگی سے ہمکنار رہتا ہے۔ جو کچھ یہاں تمہارے لیے مذکور ہوا ہے اس میں تمہیں غور و خوض کرنا چاہیے۔ قیامت کے روز آپ کے وجود کی جلوہ آرائی کے باعث سارا جہان زندہ ہو جائے گا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)''

بعثت

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۵۵، صفحہ ۳۳۱ پر فرمایا ہے کہ:

فَکُلُّ مَنْ فِی الْوُجُوْدِ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ یَعْبُدُ اللّٰہَ عَلَی الْغَیْبِ اِلَّا الْاِنْسَانَ الْکَامِلَ الْمُؤْمِنَ فَاِنَّہٗ یَعْبُدُہٗ عَلَی الْمُشَاھَدَۃِ وَلَا یَکْمُلُ الْعَبْدُ اِلَّا بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّہُ النُّوْرُ السَّاطِعُ الَّذِیْ تُزِیْلُ کُلَّ مُظْلِمَۃٍ فَاِذَا عَبَدَہٗ عَلَی الشَّھَادَۃِ رَأیٰ جَمِیْعَ قِوَاہُ فَمَا قَامَ بِعِبَادَتِہٖ غَیْرُ وَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَقُوْمَ بِھَا سِوَاہُ فَمَا ثَمَّ مَنْ حَصَلَ لَہٗ ھٰذَا الْمَقَامُ اِلَّا الْمُؤْمِنَ الْاِنْسَانِیَّ فَاِنَّہٗ مَا کَانَ مُؤْمِنًا اِلَّا بِرَبِّہٖ فَاِنَّہٗ سُبْحَانَہُ الْمُؤْمِنُ وَاعْلَمْ اَنَّکَ اِذَا لَمْ تَکُنْ بِھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ وَمَا لَکَ قَدَمٌ فِیْ ھٰذِہِ الدَّرَجَۃِ فَاَنَا اَدُلُّکَ عَلٰی مَا یَحْصُلُ لَکَ بِہِ الدَّرَجَۃُ الْعُلْیَا۔ (ص ۱۳۸)

''مخلوقات سے جتنے بھی عالم وجود میں ہیں وہ انسانِ کامل کے علاوہ باقی سارے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر دیکھے کرتے ہیں، لیکن انسانِ کامل ایسا مومن ہے جو مشاہدے کے ساتھ عبادت کرتا ہے اور ایمان کے بغیر بندہ مکمل نہیں ہوتا کیونکہ یہی تو وہ بلند نور ہے جو ہر تاریکی کو زائل کر کے رکھ دیتا ہے پس جب اس کا بندہ اسے دیکھ کر عبادت کرتا ہے تو اس کے سارے قویٰ کی رویت حاصل ہوتی ہے دوسرا اُس جیسی عبادت نہیں کر سکتا اور نہ دوسرے کے یہ بس کی بات ہے، سوائے اُس انسانی مومن کے جسے یہ مقام حاصل

ہو، کیونکہ وہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، یہ اس لیے ہے کہ رب تعالیٰ بھی مومن ہے اور تمہیں جاننا چاہیے کہ اگر تم اِس مقام تک نہ پہنچے ہو اور اِس درجے کی معرفت تک تمہاری رسائی نہ ہو تو میں تمہاری اتنی رہنمائی کرتا ہوں جس سے تمہیں اس منصبِ رفیع کی معرفت حاصل ہو جائے''۔

اور تمہیں یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ایک مزاج پر پیدا نہیں فرمایا ہے بلکہ اس کے مختلف مزاج بنائے ہیں۔ یہ بات عام مشاہدے کی، بدیہی اور ضروری ہے کہ عقلی اور ایمانی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو لوگوں کے درمیان بڑا فرق ہے اور یہ بات تو صحیح طریقے سے تمہیں یقیناً معلوم ہوگی کہ انسان اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے اور یہ اس آئینے کے ذریعے اس چیز کو دیکھتا ہے جسے کوئی آدمی اپنی مثل کے آئینہ کے بغیر خود نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انسان اپنی نفسانی خواہش کے باعث محجوب اور اِس پر عاشق ہے۔ جب وہ کسی خوبی کو دوسرے میں دیکھتا ہے جبکہ اسے خود بھی وہ حاصل ہو، تو اپنا عیب دوسرے میں دیکھنے لگتا ہے۔ پس اگر وہ بری ہے تو اس کی برائی کو اور بھلی ہے تو اس کی بھلائی کو دیکھ لے گا۔

تمہارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نظر آنے والی چیزوں کی اشکال مختلف ہیں اور وہ دیکھنے والے کے نزدیک اس کی شکل کے اعتبار سے لمبی، چوڑی، سیدھی، ٹیڑھی، کم، زیادہ، متعدد اور کل کی صورت میں نظر آتی ہے، جیسا کہ آئینے میں نظر آنے والی شکل اس پر ظاہر کرتی ہے۔ جب تم نے اس بات کو سمجھ لیا تو یہ بھی جاننا چاہیے کہ مرسلینِ عظام اپنے ربِّ کریم کی عطا فرمودہ رسالت کو قبول کرنے کے باعث باقی انسانوں سے اعلیٰ مزاج والے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ہر فرد نے منصبِ رسالت سے اتنی ہی قدر کو قبول کیا ہوتا ہے جتنی اللہ تعالیٰ نے ترکیب کے اعتبار سے اس کے مزاج میں ودیعت فرمائی ہوتی ہے۔ چونکہ ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا، لہٰذا اس کا مزاج بھی قوم کے مطابق خاص ہوتا ہے لیکن سرورِ کون و مکاں ﷺ کو تمام انسانوں کی جانب رسالتِ عامّہ کے ساتھ بھیجا گیا اور آپ ﷺ نے اِس رسالت کو اسی لیے تسلیم کیا کہ یہ رسالتِ عامّہ ہے، جو عام مزاج پر مشتمل ہونے کے باعث جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مزاجوں کی حامل ہے۔ اس لیے آپ ﷺ اعلیٰ اور اکمل مزاج والے ہوئے اور آپ ﷺ کی تخلیق سب سے اقویٰ ہے۔

جب تم نے اس بات کو جان لیا اور تمہارا ارادہ ہوا کہ حق کو انسانی شکل میں اس کی کامل صورت کے ساتھ دیکھو تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ تمہارا یہ منصب ہرگز نہیں ہے جو فخرِ دو عالم ﷺ کو حاصل ہے اور نہ تم اسے جاننے کے قابل ہو کیونکہ تمہارے دل کے آئینے میں جب بھی تم پر حق ظاہر ہوگا، تو اِس

حالت میں تمہارا آئینہ تمہارے ہی مزاج کی شکل وصورت ظاہر کر رہا ہوگا۔

تمہیں جب یہ بخوبی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے رب کی معرفت کا پیدائشی طور پر جو درجہ حاصل ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تو تمہارے اوپر یہی لازم ہے کہ اُن پر ایمان لاؤ، اُن کے اتباع کو اپنے اوپر لازم کرلو اور آقائے نامدار، مدنی تاجدار ﷺ کو اپنا امام اور پیشوا بنائے رکھو۔ پس جیسے تم آئینے میں اپنی اور دوسروں کی صورت دیکھتے ہو، اس طرح اس بات کا یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے آئینے میں تجلی فرماتا ہے اور یہ واضح ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر میں آئینے کا اثر ہوتا ہے، لہٰذا فخرِ دو عالم ﷺ کے آئینے میں حق کا ظہور انتہائی کامل، واضح اور احسن ہے اور جب تم سرورِ کون ومکاں ﷺ کے آئینے میں اللہ تعالیٰ کا ادراک کرو گے تو تمہیں ایسا ادراک ہوگا جیسا اپنے آئینے میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیا تم نے بابِ ایمان اور عقیدۂ رسالت کے ان امور پر غور نہیں فرمایا، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب فرمایا ہے، حالانکہ عقلِ انسانی اُنہیں محال شمار کرتی ہے۔ اگر ان باتوں پر شریعتِ مطہرہ کی مہر ثبت نہ ہوتی اور ان پر ایمان لانا ضروری نہ ہوتا تو عقلی لحاظ سے ہم انہیں تسلیم کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتے بلکہ ابتداء ہی میں انکار کر دیتے اور ایسی باتوں کے قائل کو جہلاء میں شمار کرنے لگتے۔ پس جیسے رسالت اور ایمان کے بارے میں ہمیں وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں جن کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اسی طرح ہمارے مزاج اور ہمارے دلوں کے آئینے اُن چیزوں کے مشاہدے اور ادراک سے قاصر ہیں جو فخرِ دو عالم ﷺ کے آئینے میں ظاہر ہوتی ہیں۔

معراج واسراء

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات مکیہ، جلد سوم، باب ۳۶۷، صفحہ ۳۴۷ پر سرورِ کون و مکاں ﷺ کی آسمانی سیر یعنی معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (شوریٰ:11) ''اُس جیسا کوئی نہیں''۔

یعنی اپنی ذات قدسی صفات کا ایسا وصف بیان فرمایا جو اُس کے سوا کسی کے لائق نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ (الحدید) ''اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو''۔

علاوہ بریں رات کے آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمانے، عرشِ معلیٰ پر غلبہ کرنے اور عماء میں ہونے (عماء وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی کیفیت اور تشبیہ کے بغیر تمام مخلوق سے پہلے موجود تھا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اور لغوی لحاظ سے عماء کا مطلب ہلکا بادل ہے) زمین و

آسمان میں ہونے، انسان کی شہ رگ سے قریب ہونے وغیرہ تمام حالات میں وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اِن اوصاف سے اُسی کی ذات متصف ہے وہ اپنے کسی بندے کو دیکھنے کے لیے ایک مکان سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا، بلکہ اسے اپنی قدرت کے ایسے کرشمے دکھانے کے لیے منتقل کرتا ہے، جو اس بندے سے پوشیدہ ہوں۔ اسی طرح:

اِذَا نَقَلَ اللّٰهُ الْعَبْدَ فِیْ اَحْوَالِهٖ لِیُرِیَهٗ اَیْضًا مِنْ اٰیَاتِهٖ فَنَقَلَهٗ فِیْ اَحْوَالِهٖ مِثْلَ قَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زُوِیَتْ لِیَ الْاَرْضُ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَیَبْلُغُ مُلْکُ اُمَّتِیْ مَازُوِیَ لِیْ مِنْهَا۔ (ص ۱۳۹)

”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرتا ہے تا کہ اُسے اپنی نشانیاں دکھائے تو اِس طرح اس کے احوال میں تبدیلی پیدا کرتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے اس کے مشارق و مغارب دیکھ لیے اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے“۔

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ (انعام:75)

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے“۔

یہ عین الیقین ہے کیونکہ یہ اُن کا آنکھوں سے دیکھنا اور مشاہدہ کرنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص الخاص بندے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، تا کہ اُسے ایسی نشانیاں دکھائے جن کے ساتھ وہ جگہ مخصوص ہے اور وہ ایسی آیات ہیں جو اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں۔ اُن نشانیوں کا مشاہدہ کیے بغیر ذاتِ الٰہی کی پوری معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، اِسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① (بنی اسرائیل)

''پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔''

واقعۂ معراج حدیثِ اسریٰ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو اپنی خاص نشانیاں دکھانے کے لیے سیر کرائی تھی، اپنی طرف نہیں بلایا تھا کیونکہ مجھے کوئی جگہ نہیں گھیر سکتی، اگرچہ تمام مکانوں کی نسبت میری ہی طرف ہے، ہاں میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔ پس اس کی میری طرف سیر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ میں اس سے ہر وقت نزدیک ہوں اور ہمہ وقت اُس کے ساتھ ہوں خواہ وہ کہیں ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ نبی آخر الزماں ﷺ، جو اس کے سب سے خاص بندے ہیں، وہ اس کی نشانیوں سے جس کا چاہیں مشاہدہ کریں تو اپنے پیغامبر حضرت جبریل علیہ السلام کو جو رُوح الامین ہیں، براق نامی ایک چوپایہ محبوب کی سواری کے لیے دے کر بھیجا۔ براق کا بھیجنا تو محض اسباب کی اہمیت دکھانے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تقویت کے لیے تھا تاکہ ایسے اسباب کے متعلق بھی مشاہدے کے ساتھ علمِ ذوقی حاصل ہو جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے پَر بنائے ہیں، یوں ہمیں اسباب کے ثبوت اور اہمیت سے خبردار کرے جو اِس عالمِ اسباب کے لیے وضع فرمائے ہیں۔ براق درمیانے قد کا چوپایہ ہے، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ہے۔ تاجدارِ کونین ﷺ اُس پر سوار ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام نے رکاب تھامی۔ براق کا رسولوں کے لیے بھیجا جانا اُس شاہی سواری کی مانند ہے جو بلانے والا اس کے لیے بھیج دیتا ہے جسے مدعو کیا جائے، تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر آئے۔ یہ عزت افزائی کا ظاہری اہتمام ہے حالانکہ باطن میں وہ اپنے مقدور کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے، کسی دوسری چیز کی طاقت سے نہیں پہنچتا۔ براق بھیجنے میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا اُس شخص کے لیے اظہار مقصود ہے جو حفظِ مراتب سے آگاہ ہے۔

جب آقائے دوجہاں، شفیعِ عاصیاں ﷺ بیت المقدس کے نزدیک جلوہ آرا ہوئے تو براق سے اترے اور اسے اس حلقے کے ساتھ باندھ دیا جس کے نزدیک دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا براق پر سوار ہونا اور اسے حلقے سے باندھنا صرف اسباب کو ثابت کرنے کی غرض سے ہے کیونکہ کوئی رسول ایسا نہیں جس نے براق پر سوار ہو کر سیر نہ کی ہو۔ آپ بخوبی جانتے تھے کہ براق حکم کا پابند ہے، اگر اسے نہ باندھا جائے تب بھی یہ اسی جگہ کھڑا

رہے گا۔اس کے باوجود اسے حلقے کے ساتھ باندھنا اس عادت کے طور پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے بارے میں ڈالی ہوئی ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براق کے بارے میں بتایا ہے کہ اُس کا نام شمس ہے اور سواری کے جانوروں کی عادت میں یہ بھی شامل ہے کہ جب کوئی ان پر سوار ہونا چاہے تو اچھلنے کودنے لگتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا براق نے اس پیالے کو اپنی ٹھوکر سے الٹا دیا تھا، جس سے مکہ مکرمہ کی طرف سے آنے والے قافلے کا ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس براق کے بارے میں فرمایا کہ وہ عثور تھا اور عثور اسے کہتے ہیں جو پیالے کو الٹا دے۔

جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو جبرائیل علیہ السلام نے سواری کے لیے براق حاضر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار ہو کر ہوا کے مانند اوپر کو اڑے اور فضاؤں کو چیرتے ہوئے جا رہے تھے کہ پیاس محسوس ہوئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے دو برتن پیش کیے۔ ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔ یہ واقعہ شراب کی حرمت سے پہلے پیش آیا تھا (کیونکہ واقعۂ معراج مکہ معظمہ میں پیش آیا اور شراب مدینہ منورہ میں حرام ہوئی تھی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے: حضور! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بجا طور پر فطرت کو پسند فرمایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو فطرت پر قائم رکھے گا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں دودھ پینے کی تعبیر علم سے فرمایا کرتے تھے۔

جب پہلے آسمان تک پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ دربان نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا: میں جبرائیل ہوں۔ پھر پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: میرے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ سوال کیا: کیا اِنہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں بلایا گیا ہے۔ پس دروازہ کھول دیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر جبرئیل علیہ السلام دروازے میں داخل ہو گئے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا جن کے دائیں جانب اُن کے سعادت مند بیٹوں کی جنتی روحیں اور بائیں طرف بدبخت اولاد کی جہنمی روحیں تھیں۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دائیں جانب نیک بختوں میں اپنی صورت بھی ملاحظہ فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انسان ایک وقت میں دو جگہ (یا زیادہ جگہوں پر) کس طرح جلوہ گر ہو سکتا ہے؟ وہ صورت بعینہٖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی کسی دوسرے کی نہیں۔ جیسے آئینے میں یا متعدد آئینوں میں کوئی شکل دیکھی جائے تو وہ بعینہٖ اسی انسان کی شکلیں ہوتی ہیں جو اُن کے سامنے ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے نیک بیٹے اور

نیک نبی کہتے ہوئے مرحبا کہا۔

اِس کے بعد سرورِ کون ومکاں ﷺ کو لے کر براق پہلے آسمان سے فضا میں اوپر کی جانب اڑنے لگا اور دوسرے آسمان تک جا پہنچا۔ جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ یہاں بھی اسی طرح سوال جواب ہوئے جو پہلے آسمان میں ہو چکے تھے۔ بالآخر جب آپ ﷺ دوسرے آسمان پر تشریف فرما ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصلی جسم مبارک کے ساتھ جلوہ افروز ہیں کیونکہ انہوں نے اس وقت تک وفات نہیں پائی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آسمان پر اٹھالیا تھا، جہاں انہیں سکونت بخشی اور اس میں حاکم بنادیا تھا۔

علّامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، جو ہمارے پہلے شیخ ہیں اور جن کے ہاتھ پر ہم نے رجوع کیا ہے اور جن کی ہم پر یہ بہت بڑی مہربانی ہے کہ وہ ہم سے ایک لحہ بھی غافل نہیں رہتے۔ اُنہوں نے فرمایا ہے: میں امید کرتا ہوں کہ بوقتِ نزول انشاء اللہ تعالیٰ اُنہیں پالوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبیِ آخر الزماں ﷺ کو مرحبا کہا اور دعائیں دیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس پوری سیر میں ملنے والے تمام انبیاءِ کرام سے متعارف کراتے رہے۔ اِس کے بعد تیسرے آسمان تک پہنچے اور جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو یہاں بھی پہلے آسمانوں کی طرح سوال جواب ہوئے۔ دروازہ کھلنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور اُنہوں نے آپ ﷺ کو مرحبا کہتے ہوئے دعائیں دیں۔

اِس کے بعد چوتھے آسمان کی جانب عروج فرمایا۔ وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام نے جب دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو حسبِ سابق گفتگو ہوئی۔ آخر کار دروازہ کھولا گیا تو وہاں ادریس علیہ السلام کو اُن کے اصل جسم کے ساتھ تشریف فرما دیکھا، کیونکہ ابھی تک فوت نہیں ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بلند مقام کی طرف اٹھالیا۔ اور بلند جگہ یہی آسمان ہے جو سارے آسمانوں کا دل اور مرکز ہے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ اُنہوں نے مرحبا کہا، اور دعائیں دیں۔ اس کے بعد براق آپ ﷺ کو پانچویں آسمان تک لے گیا۔ وہاں بھی پہلے کی طرح گفتگو ہوئی اور جب دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں حضرت ہارون اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو جلوہ فگن پایا۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور انہوں نے خوش آمدید کہتے ہوئے دعائیں دیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر چھٹے آسمان تک پہنچے۔ جب اس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا گیا تو حسبِ

سابق سوال جواب ہوئے۔ دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام جلوہ افروز ہیں۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اور اُنہوں نے خوش آمدید کہتے ہوئے دعائیں دیں۔ پھر ساتویں آسمان کی طرف عروج کیا۔ اُس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو یہاں بھی وہی قیل وقال کا مرحلہ درپیش آیا۔ آخرکار دروازہ کھولا گیا تو دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف فرما ہیں، جو بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ اُنہوں نے مرحبا کہا اور ضُراح کی وجہ تسمیہ بتائی جو بیت المعمور ہی کا نام ہے (ابنِ اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ ضُراح ساتویں آسمان پر کعبے کے عین اوپر ایک متبرک عمارت ہے جسے بیت المعمور کہا جاتا ہے)

آپ ﷺ نے بیت المعمور کو اندر سے بھی دیکھا اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ بیت المعمور کے دروازے پر ہر روز ستّر ہزار فرشتے اندر داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں۔ داخل ہونے والے دروازے کا نام باب مطالع الکواکب ہے اور جس دروازے سے نکلتے ہیں اسے باب مغارب الکواکب کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ اِن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ روزانہ آبِ حیات کے قطروں سے پیدا فرماتا ہے، جو جبرئیل علیہ السلام کے پر جھاڑنے سے پیدا ہوتے ہیں جبکہ وہ نہرِ حیات میں غوطہ لگا کر نکلتے ہیں اور اپنے پروں کو اس طرح جھاڑتے ہیں جیسے پرندے کرتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام ہر روز اِس نہر میں ایک دفعہ غوطہ لگاتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے اُس کے پھل مٹکوں کی طرح تھے اور پتے ہاتھی کے کانوں جیسے۔ فخرِ دو عالم ﷺ نے دیکھا کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات سے ڈھانپ رکھا ہے۔ کوئی شخص سدرۃ المنتہیٰ کے پورے اوصاف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ جب چشمِ انسانی اسے دیکھنے ہی سے قاصر ہے تو اُن تجلیات کے بارے میں کیا بتا سکتا ہے؟ (لیکن اُس خلاصۂ کائنات کی بات ہی اور ہے جو شربتِ دیدارِ الٰہی سے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کی حالت میں لطف اندوز ہوا)۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں سے چار نہریں نکلتی ہیں۔ دو ظاہری ہیں اور دو باطنی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ ظاہری نہروں کے نام نیل اور فرات ہیں۔ دونوں باطنی نہریں جنت کی طرف بہتی ہیں۔ قیامت کے روز نیل اور فرات بھی جنت کی جانب بہنے لگیں گی جو شہد اور دودھ کی نہریں ہیں۔ جنت میں چار نہریں (ان سمیت) ہوں گی۔ ایک پانی کی جو کبھی بدبودار نہیں ہوتا، دوسری دودھ کی نہر، جس کا ذائقہ کبھی خراب نہیں ہوتا۔ تیسری شراب کی نہر، جو لطف اندوز کرتی ہے۔ چوتھی خالص شہد کی نہر ہے۔ یہ نہریں اُن لوگوں کے علوم میں برابر اضافہ کرتی

رہیں گی، جو اُن سے پئیں گے۔ دنیا میں اصحابِ ذوق ہی اُن کی لذتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں ہم نے ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ خواہشمند حضرات کو اُس کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ بنی نوع انسان کے اعمال نامے سدرۃ المنتہیٰ ہی پہنچائے جاتے ہیں جہاں اُن کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور روحوں کا مستقر بھی یہی ہے۔ اوپر سے نازل ہونے کا پہلا مقام اور نیچے سے اوپر آنے والوں کی یہ آخری حد ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا مقام اور جائے ظہور یہی ہے۔

فخرِ دوعالم ﷺ یہاں پہنچ کر براق سے اتر گئے اور آپ ﷺ کی سواری کے لیے رفرف پیش کیا گیا، جو دنیاوی مثال کے لحاظ سے پالکی کی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہو گئے اور جبرئیلِ امین نے آپ ﷺ کو اس فرشتے کے سپرد کر دیا جو رفرف لایا تھا۔ آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے ساتھ چلنے کے لیے فرمایا، کیونکہ اُن سے بے حد اُنس تھا۔ وہ عرض گزار ہوئے: حضور! سرتابی کی مجال نہیں، لیکن میرے اندر آگے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھاؤں تو جل کر خاک سیاہ ہو جاؤں گا(1)، کیونکہ ہر فرشتے کا ایک انتہائی مقام مقرر ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ سیر اسی لیے کرائی ہے کہ حضور ہی اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیوں کا مشاہدہ فرما سکتے ہیں، لہٰذا جدائی کی پروانہ کیجئے۔

نبی کریم ﷺ اُنہیں الوداع کہہ کر رفرف لانے والے فرشتے کے ہمراہ عرشِ معلیٰ کی جانب پرواز کرنے لگے۔ وہاں آپ ﷺ نے قلموں کی تختیوں پر چلنے کی آوازیں سنیں، جن سے اللہ تعالیٰ مخلوق میں جاری ہونے والے احکام رقم فرماتا ہے اور جو فرشتے بندگانِ حق تعالیٰ کے اعمال قلمبند کرتے ہیں۔ ہر قلم ایک فرشتہ، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ (جاثیہ)

''ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا''۔

اس کے بعد آپ ﷺ تجلیات میں گم ہو گئے اور جو فرشتہ آپ ﷺ کے ہمراہ آیا تھا (رفرف لے کر) وہ پیچھے ہی جدا ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ تنہائی کے عالم میں وحشت زدہ ہو کر دائیں بائیں دیکھتے اور سوچتے تھے کہ اب کیا کروں؟ اُن تجلیات کے باعث آپ ﷺ وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور تختیوں

1۔ اسی لیے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغ تجلّی بسوزد پرم

پر قلموں کے چلنے کی دل نواز اور روح پرور آوازوں سے حال کا غلبہ ہو کر یہ کیفیت طاری ہوئی لیکن دوسری طرف آپ ﷺ کو ان سے تقویت پہنچ رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر اس چیز کا علم مرحمت فرما دیا، جسے آپ ﷺ پہلے نہیں جانتے تھے اور نہ بذریعہ وحی اُن کا علم دیا گیا تھا۔ اُس وقت آپ ﷺ نے حق الیقین حاصل کرنے کی خاطر دیدارِ الٰہی کی درخواست پیش کی۔ اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی آواز میں یہ الفاظ سنے:

يَا مُحَمَّدُ قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيْ۔ (ص ۱۴۲)

''اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ٹھہرو کہ تمہارا رب صلوٰۃ میں مصروف ہے''۔

اِس خطاب سے آپ ﷺ گھبرائے۔ رب تعالیٰ کا صلوٰۃ میں مصروف ہونا اِدھر متعجب کر رہا تھا تو اُدھر ابوبکر صدیق جیسے یارِ غار کی آواز مانوس بھی کر گئی تھی۔ ساتھ ہی روح پرور آواز میں سنا:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (احزاب:43)

''وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے''۔

جب اللہ تعالیٰ اُس صلوٰۃ سے فارغ ہوا اور یہ فارغ ہونا اسی قسم کا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ (الرحمٰن)

''جلد سب کام نبٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں، اے دونوں بھاری گروہ!''۔

حالانکہ کوئی حال اُسے مشغول رکھے یہ اُس کی شان سے بعید ہے۔ لیکن دنیا میں مخلوقات کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر کسی کا زمان و مکان مخصوص و متعین ہے، جس سے نہ اس کا زمانہ تجاوز کر سکتا ہے نہ مکان، بلکہ وہی ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہے اور جو اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس وقفے کے دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جانب خاص وحی فرمائی پھر آگے بڑھنے اور خاص مقامِ قرب میں داخل ہونے کی اجازت بخشی، اس وقت:

فَرَاٰى عَيْنَ مَا عَلِمَ لَا غَيْرُ وَمَا تَغَيَّرَتْ عَلَيْهِ صُوْرَةُ اِعْتِقَادِهٖ۔ (ص ۱۴۲)

''پس آپ نے عین ذاتِ باری کو دیکھا نہ کہ غیر کو، جسے جانتے تھے۔ اس سے آپ کے اعتقاد کی صورت میں کوئی فرق نہ آیا''۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے دوران روزانہ دن رات میں پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا۔ جب شبِ اسریٰ کا دولہا واپس لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے سوال کیا کہ آپ ﷺ سے کیا گفتگو ہوئی اور کیا فرض کیا گیا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر روزانہ

رات دن میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ میں اپنی امت کے ذریعے اس کا تجربہ کر چکا ہوں۔ میں نے اِسے اچھا ذوق شمار کیا تھا لیکن میری امت نے سخت پریشان کیا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ آپ ﷺ واپس لوٹ جائیں اور ان میں تخفیف کرائیں۔ نبی کریم ﷺ واپس لوٹ گئے اور تخفیف کی گزارش کی تو دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ آپ ﷺ نے اِس واقعے کی موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔ انہوں نے پھر مشورہ دیا کہ اپنے رب سے مزید تخفیف کرائیے۔ آپ ﷺ واپس لوٹے اور دس نمازوں کی اور کمی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اس دفعہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے اور کمی کروانے کا مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے کمی کی درخواست پیش کی تو مزید دس نمازیں چھوڑ دی گئیں۔ آپ ﷺ نے واپس آتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے کہا اور کمی کروائیے۔ چنانچہ واپس لوٹے اور آپ ﷺ کی درخواست پر صرف دس وقت کی نماز باقی رہ گئی۔ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے مزید تخفیف کے لیے کہا۔ آپ ﷺ نے تخفیف کی درخواست کی تو اللہ جل شانہٗ نے پانچ وقت کی نماز فرض کرتے ہوئے فرمایا کہ حبیب! تمہاری امت پانچ وقت کی نماز پڑھے گی اور میں اسے پچاس نمازوں کا ثواب عطا کروں گا کیونکہ میرے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے واپس لوٹتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں اس دفعہ بھی تخفیف کروانے کے لیے کہا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کیونکہ اُس نے ایسا اور ایسا فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ انہیں الوداع کہتے ہوئے واپس لوٹے اور طلوعِ فجر سے پہلے زمین پر تشریف لے آئے اور حجرِ اسود کے پاس اُترے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور دولت کدے پر رونق افروز ہوگئے (حالانکہ بستر اُسی طرح گرم تھا، وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی) صبح کے وقت آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کا ذکر کیا تو ایمان والوں نے بے چون وچرا اسے تسلیم کرلیا، منکروں نے جھوٹ قرار دیا اور شک کرنے والے شکوک وشبہات کی گھاٹیوں میں بھٹکنے لگے۔

سرورِ کون ومکاں ﷺ نے لوگوں کو قافلے کی خبر دی اور اُس شخص کا واقعہ سنایا جو وضو کر رہا تھا اور اُس کے پیالے کو براق نے الٹا دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے بتانے ہی کے مطابق قافلہ پہنچا اور جب اُس شخص سے پوچھا گیا جس کے پیالے کو براق نے بوقتِ وضو الٹ دیا تھا تو اُس نے بھی اس خبر کی تصدیق کر دی۔ آپ ﷺ کو جھٹلانے والوں میں سے ایک ایسے شخص نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کیے، جس نے بیت المقدس دیکھا تھا۔ حالانکہ فخرِ دوعالم ﷺ

نے تو اِس کے صرف اُسی حصے کو دیکھا تھا، جس میں ٹھہرے اور نماز ادا کی تھی۔ پس:

فَرَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ حَتّٰى نَظَرَ اِلَيْهِ فَاَخَذَ يَنْعَتُهٗ لِلْحَاضِرِيْنَ فَمَا اَنْكَرُوْا مِنْ نَعْتِهٖ شَيْئًا وَلَوْكَانَ الْاِسْرَآءُ بِرُوْحِهٖ وَتَكُوْنُ رُؤْيًا رَاٰهَا كَمَا يَرٰى النَّائِمُ فِىْ نَوْمِهٖ مَا اَنْكَرَهٗ اَحَدٌ وَلَا نَازِعَهٗ اَحَدٌ وَاِنَّمَا اَنْكَرُوْا عَلَيْهِ كَوْنُهٗ اَعْلَمَهُمْ اَنَّ الْاِسْرَآءَ كَانَ بِجِسْمِهٖ فِىْ هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا۔(ص ۱۴۳)

"اللہ تعالٰی نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے رکھ دیا، یہاں تک کہ آپ نے اُسے دیکھ کر حاضرین کے سامنے اُس کے حالات بیان کر دیے۔ آپ کے بیانات کو جھٹلانے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اگر معراج و اسراء کا واقعہ روحانی ہوتا اور صرف خواب ہوتا، جیسے سونے والا حالتِ خواب میں دیکھتا ہے تو کوئی انکار کرتا نہ جھگڑتا۔ اِس کا انکار اسی بنا پر کیا گیا، جبکہ آپ نے اُنہیں بتایا کہ اِن جملہ مقامات کی سیر جسمانی حالت میں کی ہے"۔

فخرِ دو عالم ﷺ نے چونتیس مرتبہ معراج کی۔ اُن میں سے ایک جسمانی اور باقی سب روحانی ہیں، جو خواب کی شکل میں ہوئیں۔ اولیائے کرام کو بھی روحانی برزخی سیر کرائی جاتی ہے۔ جن کے ذریعے وہ معانی و رموز کا ایسی شکل و صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ پردۂ خیال پر اُن کا اظہار محسوس صورتوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ پس ایسے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کو:

يُعْطُوْنَ الْعِلْمَ بِمَا تَتَضَمَّنَهٗ تِلْكَ الصُّوَرُ مِنَ الْمَعَانِىْ وَلَهُمُ الْاِسْرَآءُ فِى الْاَرْضِ وَفِى الْهَوَاءِ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَيْسَ لَهُمْ قَدَمٌ مَحْسُوْسَةٌ فِى السَّمَآءِ وَبِهٰذَا زَادَ عَلَى الْجَمَاعَةِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِسْرَاءِ الْجِسْمِ وَاِخْتِرَاقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَفْلَاكِ حِسًّا وَقَطْعَ مُسَافَاتِ حَقِيْقَةٍ مَحْسُوْسَةً وَذَالِكَ كُلُّهٗ لِوَرِثَتِهٖ مَعْنًى لَاحِسًّا مِنَ السَّمٰوٰتِ فَمَا فَوْقَهَا۔(ص ۱۴۳)

"اِن صورتوں کے ذریعے اُنہیں معانی کا علم عطا فرمایا جاتا ہے۔ اِن کی سیر زمین اور ہوا میں ہوتی ہے، لیکن اُن کے قدم آسمان پر محسوس نہیں ہوتے۔ اِسی لیے تمام سَیر کرنے والوں کی جماعت پر رسول اللہ ﷺ کو فوقیت ہے کہ آپ کی سیر جسمانی ہے، جس میں جسمانی طور پر آسمانوں سے گزرے اور محسوس حقیقت کے ساتھ فاصلے طے کیے۔ نبی

کریم ﷺ کے وارثوں کو حسی نہیں بلکہ معنوی سیر کروائی جاتی ہے جو آسمانوں تک ہو سکتی ہے بلکہ اُن سے بھی اوپر تک"۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا اِس سلسلے میں منظوم نغمۂ تہنیت ملاحظہ ہو:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ   مِنَ الْحَرَمِ الْاَوَّلِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى
اِلٰى اَنْ عَلَا السَّبْعَ السَّمٰوٰتِ قَاصِدًا   اِلٰى بَيْتِهِ الْمَعْمُوْرِ بِالْمَلَاْ الْاَعْلٰى
اِلٰى السِّدْرَةِ الْعُلْيَاءِ وَكُرْسِيِّهِ الْاَحْمٰى   اِلٰى عَرْشِهِ الْاَسْنٰى اِلَى الْمُسْتَوَى الْاَزْهٰى
اِلٰى سُبُحَاتِ الْوَجْهِ حَتّٰى تَقَشَّعَتْ   سَحَابُ الْعُمْيِ عَنْ عَيْنِ مُقْلَتِهِ النَّجَلَا
فَكَانَ تَدَلِّيْهِ عَلَى الْاَمْرِ اِذْ دَنَا   مِنَ اللّٰهِ قُرْبًا قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى
وَكَانَ عُيُوْنُ الْكَوْنِ عَنْهُ بِمَعْزِلٍ   تُلَاحِظُ مَا يَسْقِيْهِ بِالْمَوْرِدِ الْاَحْلٰى
فَخَاطَبَهٗ بِالْاُنْسِ صَوْتِ عَتِيْقِهٖ   تَوَقَّفَ فَرَبُّ الْعَرْشِ سُبْحَانَهٗ صَلّٰى
فَاَزْعَجَهٗ ذَاكَ الْخِطَابُ وَقَالَ هَلْ   يُصَلِّيْ اِلٰهِيْ مَا سَمِعْتُ بِهٖ يُتْلٰى
فَشَالَ حِجَابُ الْعِلْمِ عَنْ عَيْنِ قَلْبِهٖ   وَاَوْحٰى اِلَيْهِ فِي الْغُيُوْبِ الَّذِيْ اَوْحٰى
فَعَايَنَ مَا لَا يَقْدِرُ الْخَلْقُ قَدْرَهٗ   وَاَيَّدَهُ الرَّحْمٰنُ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
وَاَلْقَاهُ مُشْتَاقًا اِلٰى وَجْهِ رَبِّهٖ   فَاَكْرَمَهُ الرَّحْمٰنُ بِالْمَنْظِرِ الْاَجْلٰى
وَمِنْ قَبْلُ قَدْ كَانَ اَشْهَدَ قَلْبَهٗ
بِغَارِ حِرَآءَ قَبْلَ ذَالِكَ فِي النَّجْوٰى

۱۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے کو حرمِ اوّل سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی۔

۲۔ حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں کو پار کرتے ہوئے بیت المعمور اور ملاء اعلیٰ تک جا پہنچے۔

۳۔ بلند سدرۃ المنتہیٰ، محفوظ کرسی، باعظمت عرش اور روشن مستوی تک پہنچے۔

۴۔ ذاتِ الٰہیہ کے پردوں کی جانب قصد فرمایا تو روشن آنکھوں کے سامنے سے بصارت کی کوتاہی کے سیاہ بادل چھٹ گئے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہونا کہ دو ہاتھ کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ جانا۔ یہ بارغِ دنیٰ تک پہنچنا امرِ الٰہی سے حاصل ہوا تھا۔

۶۔ دنیا کی آنکھیں اُن انعامات وعطیات کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو آپ ﷺ کو بلند مقام پر بلا کر شیریں گھاٹ سے سیراب کیا جا رہا تھا۔

۷۔وہاں مانوس کرنے کے لیے آپ ﷺ کے یارِ عتیق (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی آواز میں مخاطب کیا آپ ﷺ ٹھہر گئے کہ رب العرش صلوٰۃ میں مشغول ہے۔

۸۔اس خطاب سے آپ ﷺ متعجب ہوئے اور فرمایا: کیا میرا رب صلوٰۃ میں مشغول ہوتا ہے؟ یہ جو کچھ میں نے سنا ہے، زبان زد خاص وعام ہو جائے گا۔

۹۔آپ ﷺ کے قلب مبارک کی آنکھ سے علم کا حجاب اٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف ایسے خاص غیوب کی وحی فرمائی جو اس نے وحی فرمانا چاہا۔

۱۰۔آپ ﷺ نے اس ذات کا مشاہدہ کیا جس کے دیکھنے کی مخلوق میں طاقت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضبوط رسی (اسلام) کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد فرمائی۔

۱۱۔ جب آپ ﷺ کو دیدارِ الٰہی کا انتہائی مشتاق دیکھا گیا تو اللہ رب العزت نے روشن منظر کے ساتھ آپ کو یہ کرامت بخشی۔

۱۲۔حالانکہ اس سے بھی پہلے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو غارِ حرا میں خاص سرگوشی پر گواہ بنایا گیا تھا۔

اس کے بعد شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بہت سے فوائد لکھے ہیں، ان میں روحانی معراج کے متعلق بڑے اہم فوائد ہیں اور طویل بحث کی ہے۔ خواہش رکھنے والے حضرات فتوحاتِ مکیہ کی طرف رجوع کریں۔

اوّل الخلق

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۸۲، صفحہ ۶۷۱ پر فرمایا ہے کہ فخرِ موجودات، آقائے کائنات ﷺ بشری نبوت سے پہلے بھی موجود تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا جسم تیار کیا جا رہا تھا اور آپ ﷺ ہی سب میں آخری نبی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (احزاب:40)

”ہاں وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں میں پچھلے ہیں“۔

جب یہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رفعِ مناسبت اور تمیزِ مرتبہ کی خاطر وضاحت فرما دی کہ میرا حبیب تمہارے کسی بھی مرد کا نسلی باپ نہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ فخرِ دو عالم ﷺ کا کوئی صاحبزادہ زیادہ عرصہ دنیا میں زندہ نہیں رہا۔ اس سے ایک جانب آپ ﷺ کی بزرگی وعظمت کا اظہار مقصود ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نظر

میں آپ ﷺ خاتم النبیین یعنی بلحاظ زمانہ آخری نبی ہیں۔ جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الرِّسَالَۃَ یَعْنِی الْبِعْثَۃَ اِلَی النَّاسِ بِالتَّشْرِیْعِ لَھُمْ وَالنُّبُوَّۃُ قَدْ اِنْقَطَعَتْ اَیْ مَا بَقِیَ مَنْ یُّشْرَعُ لَہٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ حُکْمٌ یَکُوْنُ عَلَیْہِ لَیْسَ ھُوَ شَرْعُنَا الَّذِیْ جِئْنَا بِہٖ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ یَاْتِیْ بِشَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیٌّ اِلَی النَّاسِ وَلَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یَنْفَرِدُ بِہٖ مِنْ عِنْدِ رَبِّہٖ یَکُوْنُ عَلَیْہِ فَصَرَّحَ اَنَّہٗ خَاتَمُ نُبُوَّۃِ التَّشْرِیْعِ وَلَوْ اَرَادَ غَیْرَ مَا ذَکَرْنَاہُ لَکَانَ مُعَارِضًا لِقَوْلِہٖ اِنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَنْزِلُ فِیْنَا حُکْمًا مُقْسِطًا یَؤُمُّنَا بِنَا اَیْ بِالشَّرْعِ الَّذِیْ نَحْنُ عَلَیْہِ وَلَا شَکَّ فِیْہِ اَنَّہٗ رَسُوْلٌ وَنَبِیٌّ فَعَلِمْنَا اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنَّہٗ لَا شَرْعَ بَعْدَہٗ یَنْسِخُ شَرْعَہٗ وَدَخَلَ بِھٰذَا الْقَوْلِ کُلُّ اِنْسَانٍ فِی الْعَالَمِ مِنْ زَمَانِ بَعْثِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فِیْ اُمَّتِہٖ فَالْخِضْرُ وَاِلْیَاسُ وَعِیْسٰی مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظَّاھِرَۃِ وَمِنْ اٰدَمَ اِلٰی زَمَنِ بِعْثَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اُمَّتِہٖ الْبَاطِنَۃِ فَھُوَ النَّبِیُّ بِالسَّابِقَۃِ وَھُوَ النَّبِیُّ بِالْخَاتِمَۃِ فَظَھَرَ مِنْ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ السَّابِقَۃَ عَیْنُ الْخَاتِمَۃِ فِی النُّبُوَّۃِ۔ (ص ۱۴۴)

"بیشک رسالت یعنی شریعت لے کر لوگوں کی طرف مبعوث ہونا اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے یعنی اب یہ گنجائش نہیں رہی کہ کسی حکم کے بارے میں کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ ہماری شریعتِ مطہرہ میں نہ ہو، جسے ہم لے کر آئے ہیں۔ پس ہمارے بعد کوئی رسول نہیں جو ہماری شرع کے خلاف شریعت لے کر آئے اور نہ لوگوں کی طرف کوئی نبی آئے گا جو ایسی شریعت پر عامل رہے جس میں متفرد ہو اور وہ اس پر عامل ہونے کا اپنے رب کی طرف سے دعویٰ کرے۔ پس آپ نے تصریح فرما دی کہ تشریعی نبوت آپ کے ذریعے ختم ہو گئی۔ اگر مذکورہ معانی کے علاوہ مفہوم لیا جائے تو اِس فرمانِ رسالت کے معارض ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہم میں عادل حاکم کے بطور نازل ہوں گے۔ وہ ہماری شریعت کے ساتھ امتِ محمدیہ کی امامت کا فریضہ ادا کریں گے، حالانکہ بیشک وہ نبی اور رسول ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ فخرِ دو عالم ﷺ کی مراد یہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی

شریعت نہیں جو شریعتِ محمدیہ کو منسوخ کرے۔ اِس ارشادِ گرامی کے مطابق آپ کے مبعوث ہونے کے وقت سے قیامت تک دنیا کے سارے انسان آپ کی امت میں شامل ہیں۔ پس حضرت خضر، حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی ظاہری امتِ محمدیہ میں شامل ہیں اور آدم علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک جتنے انسان ہوئے وہ آپ کی باطنی امت ہے۔ پس نبی کریم ﷺ پہلوں کے بھی نبی ہیں اور پچھلوں کے بھی۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کی پہلی نبوت (قبل از بعثت) بھی بالکل پچھلی نبوت کی طرح ہے"۔

مقامِ مصطفیٰ کا نرالا احترام

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، باب ۵۴۰، صفحہ ۲۳۴ پر لکھا ہے کہ پاکیزہ ناموں والے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ (بقرہ)

"بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے"۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ (بقرہ)

"اور خوشخبری سنا اُن صبر والوں کو، کہ جب اُن پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف پھرنا ہے"۔

اس معیت کا سارا دارومدار شہود پر ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی اور محسن ہوں۔ پس وہ صبر کرنے والوں، پرہیز گاروں اور احسان کرنے والوں کو اپنی معیت یعنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ یہاں جس معیت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ صرف صبر کرنے والوں سے متعلق ہے اور اس صبر سے رسول اللہ ﷺ کی خاطر صبر کرنا مراد ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اُن کے پاس تشریف لے آتے۔ پس جو اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کرے اُس کا حال کیا ہوگا؟

چونکہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اُس کے پاس ہوتا ہے جو اُس کا ذکر کرے۔ پس رسولِ اکرم ﷺ ہمیشہ حضرت حق سبحانہٗ کے جلیس رہے۔ پس جس کے پاس سرورِ کون و مکاں ﷺ تشریف لائیں تو اپنے رب کے پاس ہی سے تشریف لاتے ہیں اور اسے بشارت دیتے یا نصیحت فرماتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ لوگوں کے لیے باعثِ خیر و برکت ہیں۔ اِس

کے برعکس آپ ﷺ کی تشریف آوری اُنہیں آخرت میں مایوس کرنے والی ہوتی تو کب آپ ﷺ کو باعثِ خیر و برکت شمار کیا جاتا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے خیر ہونے کی گواہی دی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ یقیناً خیر ہیں اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ خبر ہونا نیک بختی کے قریب کرنے والی اچھی بشارت، وصیت اور نصیحت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جتنے احکام مشروع کروائے، جو اُن پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ضرور اپنے حبیب ﷺ کو بھیجے گا اور رسول اللہ ﷺ کی صورت دوسرا کوئی بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ پس جس کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی بے شک اُس نے حبیبِ پروردگار ﷺ ہی کو دیکھا لیکن خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ایسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہر چیز پر پڑتی ہیں اور ہر ایک چیز اسی کے سبب ظاہر ہوئی ہے۔ عارف باللہ جانتا ہے کہ ہر وہ شے جسے دیکھا جائے وہ وہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نیک بختی اور بد بختی دینے والا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ ایسے نہیں ہیں، اسی لیے آپ ﷺ کی رویت پر اعتماد کیا جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ کر یہ گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ واقعی اللہ جل شانہٗ ہی کو دیکھا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس انسان یا جن نے اُلوہیت کا دعویٰ کیا وہ اسی سبب سے ہے جس کی جانب ہم اشارہ کر چکے ہیں اور لوگوں نے اس کے دعوے کو قبول کر کے خدا کے سوا ان کی عبادت کی لیکن آج تک کوئی اس بات پر قادر نہیں ہو سکا کہ وہ محمد بن عبداللہ، رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ کر سکے، خواہ نبی ہونے کا دعویٰ کرتا پھرے لیکن محمد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکا اور نہ ایسے کسی دجال کو محمد کہا جائے گا۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ) بلکہ اُس سے اِس تلبیس کی وجہ دریافت کی جائے گی۔

پس محمد رسول اللہ ﷺ کے نامِ نامی و اسمِ گرامی کی عصمت سے خبردار رہنا چاہیے کہ کائناتِ ارضی و سماوی میں سے کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو کشف، نیند یا بیداری کی حالت میں آپ ﷺ کی جگہ متصور یا متشکل ہو سکے۔ پس جس شخص نے اُس راحتِ جان و قرارِ زمین و آسمان کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی یقیناً اُس نے آپ ﷺ ہی کو دیکھا ہے اور آپ ﷺ کا حسن و جمال اگر متغیر نظر آئے تو یہ دیکھنے والے کی اپنی حالتِ ایمانی کا قصور ہے اور یہ تغیر اُس مکان کے لحاظ سے بھی ہو سکتا ہے جس میں کوئی آپ ﷺ کو دیکھے یا دوسروں کے اختلاطِ امور کے باعث۔ یہ سب کچھ اُس کی شرعی صورت کی طرف لوٹتا ہے اور یہی حال قبح کا ہے جس میں تغیر واقع ہو پس حسن و قبح میں آپ ﷺ کی صورت کا متغیر ہونا دیکھنے والے کی حالت یا زمانے والوں کے حالات سے خبردار کرنا ہے یا اُس مکان کے لحاظ

سے ہے جس میں کوئی آپ ﷺ کو دیکھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس میں حسن یا قبح ہے وہ اس سے خارج نہیں ہے۔ اور ہر شے حسن ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے قباحت تو شریعت کے لحاظ سے ہے۔ غرض مندوں کی نظر میں غرض کے لحاظ سے، اصحابِ مزاج کی نظر میں مزاج کی ناموافقت کے باعث اور اہلِ فکر ونظر کی بارگاہ میں حکمت کے لحاظ سے اشیاء میں خوبی یا نقصان شمار کیا جاتا ہے۔ جس شخص میں یہ تغیر اور ہجران پایا جائے اُسے چاہیے کہ نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا کرے(1)۔

اہلِ محبت کو چاہیے کہ درود پاک کے ذکر پر صبر واستقلال کے ساتھ ہمیشگی کریں یہاں تک کہ بخت جاگیں اور وہ جانِ جہاں خود قدم رنجہ فرمائیں اور شرفِ زیارت سے نوازیں۔ میں نے اِس ذکر پر کماحقہٗ ہمیشگی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا سوائے ایک عظیم فرد کے۔ وہ اشبیلیہ کا ایک لوہار تھا اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے نام ہی سے مشہور ہو گیا تھا۔ اسے ہر ایک اسی نام سے جانتا تھا۔ جب میں اس سے ملا اور دعا کی درخواست کی تو اس نے میرے لیے دعا مانگی، جس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ وہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک ہمیشہ پڑھتے ہی رہنے کے باعث مشہور تھا اور بغیر کسی خاص ضرورت کے کسی سے گفتگو نہیں کرتا تھا۔ جب اس کے پاس کوئی شخص آتا کہ اسے لوہے کی کوئی چیز بنا کر دے تو وہ کام کو مشروط کر لیتا تھا کہ ویسی ہی چیز بنائے گا اور اس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کرے گا۔ اس کے پاس جو بھی مرد، عورت یا بچہ آ کر کھڑا ہوتا تو واپس لوٹنے تک اس کی زبان پر بھی درودِ پاک ہی جاری رہتا۔ پس وہ اپنے شہر میں اسی مقدس مشغلے کی وجہ سے ہر خاص وعام کے دِلوں اور دماغوں میں سمایا ہوا تھا اور حقیقت میں اس کا شمار اللہ والوں (اولیاء اللہ) میں تھا۔ اِس ذکر کرنے والے کے سامنے جو نوازشات کے طور پر نتیجہ سامنے آتا ہے وہ برحق علم ہے اور باطل کی آمیزش سے پاک صاف ہوتا ہے۔

1۔ اِسی لیے مولانا کفایت علی کافیؔ رام پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ۔

ہر مرض کی دوا درود شریف — دافعِ ہر بلا درود شریف
وِرد جس نے کیا درود شریف — اُور دل سے پڑھا درود شریف
حاجتیں سب روا ہوئیں اُس کی — ہے عجب کیمیا درود شریف
جو محبِّ جنابِ احمد ہے — اُس کا مونس ہوا درود شریف
اے صبا! تو ہی جا کے پہنچا دے — بر درِ مصطفیٰ درود شریف
آفتابِ سپہرِ ایماں ہے — گوہرِ پُر ضیا درود شریف
توشۂ راہِ آخرت کیجیے
کافیؔ بے نوا درود شریف

کیونکہ اُس کے پاس وہی چیز پہنچتی ہے جو سرورِ کون و مکاں ﷺ کے واسطے سے آئے۔ ایسے شخص پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود تجلی بار ہوتے اور خود اسے خبر دیتے ہیں۔

خواجہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ مبارک میں ایک شخص کسی سے ملا اور اس سے پوچھنے لگا کہ کیا آپ نے ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اللہ کو دیکھا ہوا ہے تو مجھے ابو یزید کو دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پہلے شخص نے کہا کہ اگر تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار بھی دیکھ لیتا تو اللہ تعالیٰ کو ہزار دفعہ دیکھنے سے یہ بہتر ہوتا۔ دوسرے نے جب یہ سنا تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب چل پڑا اور نزدیک پہنچنے پر اُسی شخص کے ہمراہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے راستے میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا اُس راستے سے گزر ہوا اور آپ کے بال کانوں کی لَو سے نیچے لٹک رہے تھے۔ پہلے شخص نے بتایا کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ یہی ہیں۔ دوسرے نے جب مردِ کامل کی طرف دیکھا تو دیکھتے ہی اُس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔

جب حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اِس واقعے کی خبر دی گئی آپ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے اعتبار سے دیکھتا تھا لیکن جب اُس نے ہمیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ ہماری طاقت کے اعتبار سے اس کے لیے ظاہر ہوا اور اس کی برداشت کی طاقت نہ رکھنے کے باعث دم توڑ گیا۔ اِس واقعے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کامل رویت وہی ہے جو صورتِ محمدیہ سے رویتِ محمدیہ میں حاصل ہو گی۔ ہم لوگوں کو زبانی اور یہ کتاب لکھ کر شوقِ درود شریف دلاتے ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان حق ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے اور سب تعریفیں ایک خدا کے لیے ہیں۔ صلوات اللّٰہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ۔

امام فخرالدین رازی

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرموداتِ گرامی

آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ) نے نبی کریم ﷺ کے فضائل اور حالات اپنی مایۂ ناز تفسیر قرآنِ کریم یعنی تفسیر کبیر میں متفرق اور متعدد مقامات پر بیان کیے ہیں یہاں موصوف کے چند جواہرات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ الامام الہمام، احد اعلام الاسلام، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾ (بقرہ)

”بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا“۔

کے تحت فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ فخرِ دو عالم ﷺ کے ساتھ جب آپ ﷺ کی قوم نے معاندانہ سلوک کرنا شروع کر دیا۔ بغیر کسی معقول وجہ کے آپ ﷺ سے جھگڑنا شعار بنا لیا اور آپ ﷺ کو نیچا دکھانے کی غرض سے معجزات طلب کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ مژدہ سنا کر تسلی دی کہ تم نے دینی مصالح کو دلائل کے ساتھ ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور جتنا رسول اللہ ﷺ نے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام کر دکھایا ہے اس سے زیادہ قطعاً ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا تسلی دی کہ قوم اگر کفر پر اصرار کرتی ہے تو تبلیغ میں کمی یا کوتاہی کے باعث نہیں ہے۔

آپ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہیں

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی آیت:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۭ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ (بقرہ)

”اے رب ہمارے! اور بھیج اُن میں ایک رسول، انہیں میں سے، اِن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے“۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اِس دعائے ابراہیمی میں رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اِس مراد پر کئی وجوہ دلالت کرتے ہیں:

پہلی وجہ

مفسرین کا اسی مفہوم پر اجماع ہے اور اجماعِ مفسرین حجت ہے۔

دوسری وجہ

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ دعائے ابراہیمی سے آپ کا اشارہ مذکورہ بالا آیۂ کریمہ کی جانب ہوتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کو سورۂ صف میں اللہ رب العزت نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط (الصف)

''اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور اُن کا نام احمد ہے''۔

تیسری وجہ

یہ ہے کہ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظّمہ میں اپنی اولاد کے لیے مانگی تھی جو مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد آباد تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مکہ معظّمہ اور اُس کے گردِ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے مبعوث نہیں فرمایا۔

فائدہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکرِ خیر کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے جبکہ یہ پڑھتے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ۔ اِس کا جواب کئی وجوہ سے دیا گیا ہے:

وجہ اوّل

چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں دعا مانگی تھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ (بقرہ)

''اے رب ہمارے! اور بھیج اِن میں ایک رسول اِنہیں میں سے، جو اِن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے''۔

جب خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف سے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دعا کرنے کا حق واجب ہو گیا تو اللہ

تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جانب سے اِس حق کو یوں ادا کردیا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اُمتِ محمدیہ کی زبانوں پر قیامت تک کے لیے جاری کردیا۔

وجہ دوم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کریم سے یہ سوال کیا تھا:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ (الشعرا:84)

''اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں''۔

یعنی اے پروردگارِ عالم! امتِ محمدیہ کی زبانوں پر میری تعریف جاری رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جاری کردیا تاکہ امتِ محمدیہ میں ان کا ذکرِ خیر باقی رہے۔

وجہ سوم

حضرت ابراہیم علیہ السلام ملّتِ اسلامیہ کے باپ تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج:78)

''تمہارے باپ ابراہیم کا دین''۔

اور نبی کریم ﷺ ابوالرحمۃ ہیں جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت میں ہے کہ:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ اور اللہ تعالیٰ نے فخرِ دوعالم ﷺ کی تعریف میں فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ (توبہ)

''مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان ہیں''۔

اور سرورِ کون ومکاں ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں یعنی شفقت اور مہربانی کرنے میں۔ جب نبی کریم ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ابوّت واجب اور ثابت ہے، اِس وجہ سے دونوں کے ذکر کو مدح وثنا اور درود شریف میں جمع کردیا گیا ہے۔

وجہ چہارم

حضرت ابراہیم علیہ السلام شریعت سے حج کے منادی تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج:27)

''اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے''۔

اور فخرِ دو عالم ﷺ دین کے منادی تھے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران)

''اے رب ہمارے! ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لیے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے''۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اور خلیل علیہما السلام کے ذکرِ جمیل کو یہاں جمع فرما دیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے رسول کی دعا کی جو ان میں سے ہو اور ان کی طرف رسول بن کر آئے تو انہوں نے اس عظیم الشان رسول کے چند اوصاف بھی بیان فرمائے مثلاً يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ یعنی اے اللہ! وہ ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے۔ اِس مفہوم کو اختیار کرنے کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ

یہی قرآنِ مجید و فرقانِ حمید ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ پس جس کی آپ قوم پر تلاوت کرتے تھے وہ اس کے علاوہ کوئی دوسری کتاب یا کلام نہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ تلاوت کو اِسی پر محمول کیا جائے۔

دوسری وجہ

جائز ہے کہ مذکورہ آیات صانع کے وجود پر دلالت کرنے والی ہوں اور اُن کی تلاوت کرنے سے مقصود یہی ہو کہ وہ اِن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کریں۔ آیات تلاوت کر کے قرآنِ کریم کی جانب لوگوں کو بلائیں اور ایمان جیسی متاعِ عزیز سے انہیں مالا مال کر دیں۔ دوسرے رسول اللہ ﷺ کی توصیف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (اور وہ انہیں کتاب سکھائے)۔ اس سے مراد یہی ہے کہ وہ رسول لوگوں کو کتاب کی تلاوت کرنے کا حکم دے گا اور اس کے معانی اور حقائق کی تعلیم دے گا۔ کیونکہ تلاوت کئی وجہ سے مطلوب و مقصود ہے:

وجہ اوّل

اہلِ تواتر کی زبانوں پر اِس کے الفاظ کو باقی رکھنے کی غرض سے تا کہ اِس کے الفاظ تحریف اور تبدیل ہونے سے بچے رہیں۔

وجہ دوم

یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے الفاظ اور حسنِ ترتیب و نظم وغیرہ آپ کا معجزہ ہو۔ اِس تلاوت میں عبادت و اطاعت پائی جائے۔ اس لیے قرآنِ کریم کی قرأت و تلاوت کا نمازوں اور دیگر عبادتوں میں عبادت کا

مقام ہو۔ یہ تلاوت کا حکم ہے لیکن سب سے بڑی حکمت اور اعلیٰ مقصد اس کے ذریعے دلائل اور احکام کی تعلیم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور نور کے ساتھ قرآنِ کریم کی تعریف کی ہے، کیونکہ اِس میں معانی، حکمتیں اور اسرار و رموز ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے اِس کی تعلیم کا ذکر کیا اور اس کے بعد اس کے حقائق و اسرار کا تذکرہ فرمایا۔

وجہ سوم

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سے تیسری صفت یہاں حکمت بیان فرمائی ہے یعنی آپ لوگوں کو حکمت بھی سکھائیں اور یہ جاننا ضروری ہے کہ قول اور فعل کی اصلاح کو حکمت کہتے ہیں اور جس شخص کے اندر یہ دونوں اوصاف پائیں جائیں اسے حکیم (دانا) کہا جائے گا۔

حکمت کے مفہوم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ حکمت کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ دین کی معرفت اور اس کی فقاہت کا ادراک وفہم اور اِن کے مطابق اتباع کرنے کا نام حکمَت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سنتِ رسول اللہ ﷺ کو حکمت قرار دیا ہے۔ یہی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ لیکن انہوں نے حکمت کے مرادی معنی میں اور بھی کئی اقوال نقل کیے ہیں۔

وجہ چہارم

کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ وَيُزَكِّيهِمْ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی یہاں یہ چوتھی صفت مذکور ہوئی ہے۔ تزکیہ کی دو تفسیریں منقول ہیں:

پہلی تفسیر

اس سے ایسا فعل مراد ہے جو تلاوتِ قرآنِ کریم اور تعلیمِ کتاب وحکمت کے علاوہ ہے اور اُن کی پاکیزگی کے لیے سبب کا حکم رکھتا ہو اور وہ ایسے امور ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے واقع ہوا کرتے تھے جیسے وعدہ، وعید، پند و موعظت، وعظ و نصیحت وغیرہ کا تکرار کرنا اور لوگوں کی دنیاوی امور میں اس طرح رہنمائی فرمانا کہ وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے اور نیک اعمال کرنے کے پابند بن جاتے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس طریقے سے کوشاں رہتے اور انہیں ایمان کی طرف بلانے اور اعمالِ صالحہ کا پابند کرنے کی خاطر اپنی دعوت کو تقویت پہنچانے والے نیک کاموں کا سہارا بھی لیتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف وتوصیف میں فرمایا ہے کہ میرا حبیب خلقِ عظیم کا مالک ہے اور خود سرورِ کون ومکاں، تاجدارِ دوجہاں ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

دوسری تفسیر

قیامت میں جب ہر شخص کے اعمال پر گواہی ہوگی تو نبی کریم ﷺ اپنی امت کے عادل اور پاکباز ہونے کی شہادت دیں گے۔ مُزَکِّی سے مراد صفائی بیان کرنے والا بھی ہے یعنی آپ اپنی امت کی صفائی کے لیے گواہی دیں گے۔

پہلی تفسیر زیادہ عمدہ ہے کیونکہ فخرِ دو عالم ﷺ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ امتِ محمدیہ جنت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہ مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم دینے، نیک اعمال کی پوری تن دہی سے رغبت دلانے اور برے کاموں کے مآل سے ڈرانے کے باعث ہی پورا ہو سکتا ہے اور یہی تزکیہ ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے میں پہلی تفسیر کو بڑا دخل ہے۔ اِس آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہی ہے۔

افضلیتِ مصطفیٰ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:253)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ گروہِ انبیائے کرام علیہم السلام میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن نبی کریم ﷺ سب سے افضل ہیں۔ اس افضلیت کی متعدد وجوہات ہیں مثلاً:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔

(امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:)

فَلَمَّا كَانَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِكُلِّ الْعَالَمِيْنَ لَزِمَ اَنْ يَّكُوْنَ اَفْضَلَ مِنْ كُلِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (ص ۱۴۸)

"جب رسول اللہ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کائنات کے جملہ افراد سے افضل ہوں"۔

دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَقِيْلَ فِيْهِ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى قَرَنَ ذِكْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِكْرِهٖ فِيْ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ وَفِي الْاَذَانِ وَفِي

التَّشَهُّدِ وَلَمْ يَكُنْ ذِكْرُ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ كَذَالِكَ۔(ص ۱۴۸)

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت، اذان اور تشہد میں اپنے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو ملایا ہے جبکہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا اِس طرح ذکر نہیں کیا''۔

تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے مثلاً:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

اور آپ کی بیعت کو اپنی بیعت کے ساتھ ملایا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (الفتح:10)

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔

اور اپنی عزت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی عزت کو وابستہ کیا ہے، مثلاً:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ (منافقون:8)

''اور عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی''۔

اور اپنے حبیب ﷺ کی رضا سے اپنی رضا کو ملحق کیا ہے، جیسا کہ خود فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (توبہ:62)

''اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرے''۔

اور اپنے حکم کی تعمیل کو اپنے محبوب ﷺ کے حکم کی تعمیل سے ملاتے ہوئے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (انفال:24)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ''۔

چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ قرآنِ کریم کی جس سُورت سے چاہو کفار کو مقابلے کا چیلنج دو، جیسا کہ فرمایا ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (بقرہ:23)

”تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ“۔

قرآن کریم کی تین آیات والی سب سے چھوٹی سورۂ کوثر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی ہر تین آیات سے مقابلے کی دعوت دی۔ چونکہ قرآنِ کریم کی چھ ہزار سے بھی زائد آیات ہیں تو اس لحاظ سے یہ ایک ہی معجزہ نہیں بلکہ دو ہزار سے زیادہ معجزات کا مجموعہ ہے۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو آیاتِ بینات (معجزات) کے ساتھ مشرف و مکرم فرمایا تھا، پس جس کو قرآنِ کریم کے ذریعے اتنی کثیر آیات بینات (دو ہزار سے زائد معجزات) سے نوازا ہو اس کے شرف اور بزرگی کی کیا حد ہو گی؟

پانچویں دلیل

جب ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا یہی ایک معجزہ دیگر ہر نبی کے سارے معجزات سے افضل ہے تو ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ دیگر جملہ انبیائے کرام سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اس سلسلے میں سرورِ کون و مکاں ﷺ کا ایک تو یہ ارشاد ہے: تمام کلاموں میں قرآن کریم ایسا ہے جیسے جملہ موجودات میں بنی نوع انسان۔ دوسرا ارشاد یہ ہے کہ: خلعت جس قدر اشرف و اعلیٰ ہو، اس کا پہننے والا بادشاہ کے نزدیک اتنا ہی معزز و مکرم ہوتا ہے۔

چھٹی دلیل

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآنِ کریم ہے، جو حروف اور اصوات کی جنس سے ہے اور یہ اعراض ہیں، جو باقی رہنے والے نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس دیگر انبیائے کرام کے معجزات امورِ باقیہ کی جنس سے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے معجزے کو آخر زمانے تک باقی رکھا اور دیگر انبیائے کرام کے سارے معجزے ختم بھی ہو چکے، جن کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔

ساتویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ (انعام:90)

”یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم اُنہیں کی راہ چلو“۔

فخرِ دو عالم ﷺ کو یہاں انبیائے ماسبق کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ آپ اصولِ دین میں ان کی اقتداء پر مامور تھے تو آپ ﷺ کے حق میں یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ تو تقلید ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دین کے فروع میں اُن کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست

نہیں کیونکہ شریعتِ محمدیہ نے پہلی تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔پس باقی یہی رہا کہ اس سے مراد اخلاقِ حسنہ ہوں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیگر انبیائے کرام کے حالات اور ان کے پاکیزہ اخلاق سے مطلع کر کے یہی فرمایا ہوگا کہ مذکورہ اچھی عادتوں میں ان کی اقتداء کرو۔اس کا مقتضٰی یہ ہوا کہ جو اچھی عادات ان حضرات میں الگ الگ پائی جاتی تھیں وہ آپ کی تنہا ذات میں جمع ہو گئیں۔پس یہ ضروری ہوا کہ سب کے کمالات کا مجموعہ ہونے کے باعث نبی کریم ﷺ ہی سب سے افضل ہیں۔

آٹھویں دلیل:

نبی آخرالزماں ﷺ ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری سب سے زیادہ اور دوسرے انبیائے کرام کی نسبت مشقت بھی زیادہ اٹھائی۔پس آپ ﷺ کا سب افضل ہونا ضروری ہوا۔سارے انسانوں کی طرف نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

"اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے"۔

اِس کا مقتضٰی یہی ہے کہ آپ ﷺ کی مشقت دوسرے انبیائے کرام سے زیادہ تھی کیونکہ آپ ﷺ تنِ تنہا تھے،وہ بھی اس حالت میں کہ پاس نہ مال خزانے تھے اور نہ اعیان وانصار۔ایسے حالات میں آپ ﷺ نے جب اُنہیں یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ٥ (اے کافرو!) کے الفاظ سے مخاطب کیا تو سب آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور ان کی جانب سے ہر وقت خطرہ رہنے لگا کیونکہ سارے درپے آزار تھے اِس لحاظ سے آپ ﷺ کی مشقت سب سے زیادہ ہے۔اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تو اُنہیں صرف فرعون اور اُس کی قوم سے خطرہ تھا،لیکن سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تو سب ہی دشمن ہو گئے تھے۔اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اگر کسی شخص سے کہا جائے کہ یہ شہر دوستوں اور رفیقوں سے بالکل خالی ہے،لیکن اس میں صرف ایک آدمی ہی ایسا ہے جو طاقت اور جنگی ساز وسامان رکھتا ہے۔اس کے پاس تنہا جاؤ اور اسے ایسی خبر دو جو اسے گھبراہٹ میں ڈال دے اور تکلیف دِہ ہو،تو وہ شخص وہاں جانے سے شاید ہی پس وپیش کرے حالانکہ وہ تنہا ہے۔لیکن اُس سے اگر کہا جائے کہ فلاں دور دراز جنگل کی طرف جاؤ،جہاں کوئی دوست اور ہمنوا نہ ہو اور

وہاں کے رہنے والوں کو ایسی خبر پہنچا دو جس سے وہ بھڑک اٹھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اس کے لیے پہلے کی نسبت انتہائی مشکل ہے۔ پس نبیِ آخرالزماں ﷺ ایسے ہی مشکل ترین فریضے پر مامور تھے۔ چنانچہ یہی کام آپ ﷺ کے سپرد ہوا کہ رات دن جنوں اور انسانوں کے پاس جائیں، جن کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا، بلکہ عادۃً ان سے یہی متوقع تھا کہ دشمنی سے پیش آئیں گے، اذیت پہنچائیں گے اور تحقیر کریں گے۔ اِس کے باوجود فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہو گئے اور نہ بددل ہو کر رکے۔ ان حالات کا مقتضیٰ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں آپ ﷺ کو سخت پریشانیوں اور مشقتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ (الحدید:10)

''تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبے میں ان سے بڑے ہیں، جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا''۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ حقیقت میں یہ مشقت رسول اللہ ﷺ پر تھی۔ جب پیروی کے باعث صحابہ کرام بھی اِس سے دوچار ہوئے تو مشقت کے سبب انہیں باقی صحابہ پر اتنی بڑی فضیلت ملی تو نبی کریم ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ جب یہ امر ثابت ہو چکا کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ مشقت اٹھانی پڑی تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کو فضیلت بھی سب سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ عبادتوں میں سے افضل وہ عبادت ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔

نویں دلیل

چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دین دیگر تمام ادیان سے افضل ہے لہٰذا لازم آتا ہے کہ فخرِ دوعالم ﷺ دیگر انبیائے کرام سے اِفضل ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام ادیان کا ناسخ بنایا ہے اور ناسخ منسوخ سے افضل ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا اسے اُن سب کے برابر اجر ملے گا جتنا قیامت تک اُس پر عمل کرنے والوں کو ملنا ہے۔ جب یہ دین دیگر ادیان سے افضل اور زیادہ ثواب والا ہے تو اس دین کے لانے والے کو دیگر ادیان کے لانے والوں سے زیادہ ثواب ملے گا۔ اِس سے لازم آیا کہ سرورِ کون ومکاں ﷺ دیگر انبیائے کرام سے افضل ہوں۔

دسویں دلیل

چونکہ نبی آخرالزماں ﷺ کی امت دوسری تمام امتوں سے افضل ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا دیگر انبیائے کرام سے افضل ہونا ضروری ہوا۔ پہلی بات کا قرآنی ثبوت یہ آیت ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110)

''تم بہتر ہو اِن سب امتوں میں، جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں''۔

دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ اس امت کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے کے باعث یہ فضیلت ملی ہے، جیسا کہ خود اللہ جل شانہٗ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:31)

''اے محبوب! تم فرما دو، لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ''۔

تابع کی فضیلت سے متبوع کی فضیلت لازم آتی ہے۔ علاوہ بریں سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروکار دیگر تمام انبیائے کرام سے زیادہ ہیں کیونکہ آپ ﷺ انسانوں اور جنوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کا ثواب سب سے زیادہ ہوا، کیونکہ تابعداروں کی کثرت متبوع کے رتبۂ عالی کی دلیل ہے۔

گیارہویں دلیل

نبی کریم ﷺ خاتم النبیین یعنی سب سے آخری نبی ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کا افضل ہونا ضروری ہوا، کیونکہ مفضول سے فاضل کے منسوخ ہونے میں عقلی لحاظ سے بھی قباحت ہے۔

بارہویں دلیل

انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت کئی وجہ سے ہے، اُن میں سے ایک وجہ کثرتِ معجزات بھی ہے، جو اُن کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں اور ہمارے نبی محترم سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات تین ہزار سے بھی متجاوز ہیں جن کی مختلف قسمیں ہیں، یعنی:

مِنْهَا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْقُدْرَةِ كَاِشْبَاعِ الْخَلْقِ الْكَثِيْرِ مِنَ الطَّعَامِ الْقَلِيْلِ وَاِرْوَائِهِمْ مِنَ الْمَآءِ الْقَلِيْلِ وَمِنْهَا مَا يَتَعَلَّقُ بِالْعُلُوْمِ كَالْاَخْبَارِ عَنِ الْغُيُوْبِ وَفَصَاحَةِ الْقُرْاٰنِ وَمِنْهَا اِخْتِصَاصُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذَاتِهٖ بِالْفَضَائِلِ نَحْوُ كَوْنِهٖ اَشْرَفَ نَسَبًا مِّنْ اَشْرَافِ الْعَرَبِ۔ (ص ۱۵۰)

''اُن میں سے بعض معجزات ایسے ہیں جن کا تعلق قدرت وتصرف سے ہے، جیسے تھوڑے

کھانے سے بہت سارے آدمیوں کو شکم سیر کر دینا یا ذرا سے پانی سے اُنہیں سیراب کر دینا۔ بعض وہ معجزات ہیں، جن کا تعلق علوم سے ہے، جیسے آپ کا غیب کی خبریں بتانا اور فصاحتِ قرآنِ کریم اور بعض معجزات کا تعلق آپ کے ذاتی خصائص وفضائل سے ہے، جیسے تمام اشرافِ عرب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریف النسب ہونا۔"

بعض معجزات کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے انتہا شجاعت سے ہے اور بعض معجزات کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، حلم، وفا، فصاحت اور سخاوت سے ہے۔ کتبِ احادیث میں ان امور کا تفصیلی بیان موجود ہے۔

تیرہویں دلیل

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام اور اُن کے علاوہ سارے انسان قیامت کے روز میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ یہ حدیث اِس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد سے افضل ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں۔ یہ بھی فرمایا ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ حَتّٰى اَدْخُلَهَا اَنَا وَلَا يَدْخُلُهَا اَحَدٌ مِّنَ الْاُمَمِ حَتّٰى تَدْخُلَهَا اُمَّتِيْ۔ (ص ۱۵۰)

"جنت میں اس وقت تک کوئی نبی داخل نہیں ہوگا جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں اور نہ کوئی امت داخل ہو سکے گی جب تک میری امت نہ داخل ہو جائے"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور جب وہ وفد کی صورت میں پیش ہوں گے تو ان کا خطیب میں ہوں گا، لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جملہ بنی آدم سے مکرم ومعزز ہوں اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ چند صحابۂ کرام بیٹھے ہوئے انبیائے کرام کا ذکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی گفتگو سن رہے تھے۔ اُن میں سے کسی نے کہا کہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کسی اور نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ اور اس کی طرف کی روح ہیں۔ چوتھے صاحب کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے

آدم علیہ السلام کو چن لیا تھا (پہلا مقرر کرنے یا تمام انسانوں کا باپ بنانے کے لیے) تو رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو اور دلائل کو سن لیا ہے۔ واقعی ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ واقعی موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں۔ واقعی عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں اور واقعی آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں، لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ اور میں بروزِ قیامت سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا میں ہوں، پس میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا، تو میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا اور میں سب اگلے اور پچھلوں سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

چودہویں دلیل

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل الصحابہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: یہ عرب کا سردار ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گزارش کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا عرب کے سردار آپ ﷺ نہیں ہیں؟ فخرِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: میں تمام جہانوں کا سردار ہوں اور یہ عرب کا سردار ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں (1)۔

پندرہویں دلیل

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی مرحمت فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ (۱) میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جبکہ مجھ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ (۲) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔ (۳) میرے سامنے ایک ماہ کی مسافت تک رعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے۔ (۴) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہیں تھیں۔ (۵) مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی ہے، جو میں نے اپنی امت کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔ پس انشاء اللہ تعالیٰ اس سے ہر اس

1۔ مجددِ مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے اسی لیے لکھا ہے:۔

طیبہ کے ماہِ تمام، جملہ رُسل کے امام　　نوشہ ملکِ خدا ہم پر کروڑوں درود

شخص کو حصہ ملے گا جس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا۔ اس استدلال سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ فضائل کے ساتھ دوسرے انبیائے کرام پر سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت دی ہے۔

سولہویں دلیل

امام محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کی وضاحت یوں کی ہے کہ ہر حکمران کی مشقت اس کی رعایا کی تعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ جس کی حکمرانی صرف ایک گاؤں پر ہو اُسے صرف ایک گاؤں کی ضروریات کے مطابق مشقت ہوگی لیکن جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں ہو، وہ مال اور ذخیروں کے لحاظ سے ایک گاؤں کے حکمران کی نسبت بہت زیادہ ضرورت مند ہے۔ پس آپ ﷺ سے پہلے ہر ایک رسول اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا گیا، لہٰذا انہیں توحید کے خزانوں اور معرفت کے جواہرات سے اُتنا ہی حصہ ملا جتنا کہ بارِ رسالت اُن کے سپرد کیا گیا تھا۔ پس جو رسول اپنی قوم کی طرف یعنی زمین کے ایک قطعے میں بھیجا گیا اسے خزانوں سے اس قطعے کی ضروریات کے مطابق روحانیت دی گئی، لیکن جو فردِ کامل مشرق سے مغرب تک بسنے والے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہو، تو ضروری ہوا کہ اسے معرفت سے اسی قدر حصہ ملا ہوگا، جو مشرق سے مغرب تک بسنے والوں کے امور کو سرانجام دینے کے لیے کافی ہو سکے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کو وہی نسبت ہوگی جو مشرق سے مغرب تک حکمرانی کرنے والے سے بعض شہروں پر حکمرانی کرنے والوں کی ہو سکتی ہے۔ دریں حالات سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم و حکمت کے خزانوں سے اتنا وافر حصہ ملا ہوگا جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا ہوگا۔ لہٰذا علم میں آپ ﷺ اُس درجے تک یقیناً پہنچے ہوں گے جہاں تک کسی بشر کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿١٠﴾ (النجم)

"اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی"۔

اور فصاحت میں آپ ﷺ اس مقام تک پہنچے جس کے بارے میں خود یوں فرمایا ہے کہ میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں اور آپ کی کتاب (قرآنِ کریم) تمام کتابوں کی محافظ اور جامع ہے اور امتِ محمدیہ ساری امتوں سے بہتر قرار دی گئی۔

اٹھارویں دلیل

صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہمام بن منبہ کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا اور اس کے حسن و جمال کو خوب سنوارا اور ہر لحاظ سے اسے مکمل کیا لیکن کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ جب اس عمارت کو دیکھتے ہیں تو بناوٹ اور سجاوٹ کے پیشِ نظر عش عش کر اٹھتے لیکن ساتھ ہی کہتے کہ آپ نے اس خالی جگہ میں اینٹ کیوں نہیں لگائی؟ (تا کہ مکان واقعی مکمل ہو جاتا)۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں۔

انیسویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے جب دیگر انبیائے کرام کو قرآنِ کریم میں پکارا تو اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ۔ مثلاً یَآدَمُ اسْكُنْ، یَآاِبْرَاهِیْمُ، یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پکارا تو یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ، یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ وغیرہ پیارے پیارے القاب کے ساتھ ہی پکارا اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کی دلیل ہے۔

ایک مخالف نے ہمارے مذکورہ دعوے سے اختلاف کیا ہے اور فخرِ دو عالم ﷺ کی دیگر انبیائے کرام پر فضیلت کا اقرار کیا حتیٰ کہ امت کا اس امر پر اجماع و اتفاق بھی تسلیم کیا باوجود اس کے اختلاف کرتا ہے لیکن نہ ایسی مخالفت کا شرعاً کوئی اعتبار ہے اور نہ اس سے امتِ محمدیہ کے اجماع و اتفاق میں کوئی نقص واقع ہوتا ہے۔ اس نے نبی کریم ﷺ پر دیگر انبیائے کرام کی فضیلت کا کئی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

پہلی وجہِ اختلاف

دیگر انبیائے کرام کے معجزات فخرِ دو عالم ﷺ کے معجزات سے بڑے ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے سجدہ نہیں کروایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑی آگ میں ڈالے گئے اور وہ ان کے لیے گلزار بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے گئے جبکہ سرورِ کون و مکاں ﷺ کو اُن کی مانند کوئی معجزہ نہیں ملا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں، انسانوں، پرندوں، وحشی جانوروں اور ہواؤں پر قبضہ و تسلط دے دیا گیا تھا جبکہ نبی کریم ﷺ کو ایسا قبضہ نہیں دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپن میں بولنے کی طاقت دی اور مردوں کو زندہ کرنے، بہروں، گونگوں

اور کوڑھیوں کو شفا دینے کی قدرت عطا فرمائی جبکہ فخرِ دو عالم ﷺ کو ایسا مقام حاصل نہیں تھا۔

دوسری وجہِ اختلاف

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآنِ کریم میں خلیل کہا ہے، چنانچہ فرمایا:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ (النساء)

''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا''۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ (النساء)

''اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا''۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے۔

فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (انبیاء)

''تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی''۔

اور ان میں سے کسی فضیلت کا حصول فخرِ دو عالم ﷺ کے لیے ثابت نہیں ہے۔

تیسری وجہِ اختلاف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے یونس بن متی پر بھی فضیلت نہ دو۔ نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

چوتھی وجہِ اختلاف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم مسجد میں انبیائے کرام کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہ عبادت بہت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اور ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ سب سے افضل ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو ساری مخلوق کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں۔ اچانک نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے ساری باتیں بیان کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے بہتر ہو کیونکہ اُنہوں نے کوئی برا کام نہیں کیا تھا، بلکہ کبھی برائی کا قصد تک نہیں کیا تھا۔

مخالف کے چاروں دلائل کا جواب

حضرت آدم علیہ السلام کے مسجودِ ملائکہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ہوں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم اور اُن کے سوا سارے انسان بروزِ قیامت میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے (یعنی مٹی اور پانی سے اُن کا پتلا تیار کیا جا رہا تھا) اور یہ بھی منقول ہے کہ معراج کی رات میں نبی آخرالزماں ﷺ کے براق کی رکاب جبرئیل علیہ السلام نے تھامی ہوئی تھی اور سجدے کی نسبت اِس میں زیادہ عظمت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ خود بھی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ نازل فرماتا ہے نیز فرشتوں اور انسانوں کو بھی اپنے حبیب پر درود وصلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ یہ مسجودِ ملائکہ ہونے سے فضیلت میں زیادہ ہے کیونکہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے جو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا یہ انہیں ادب سکھانے کے لیے تھا لیکن ملائکہ کو نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم اِس لیے دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے مرتبے کو پہچانیں۔

۲۔ فخرِ دوعالم ﷺ پر قیامت تک ہر وقت اور ہر آن کے لیے درود بھیجنے کا حکم ہے جبکہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ تو صرف ایک ہی دفعہ کیا تھا۔

۳۔ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنا صرف فرشتوں پر لازم کیا گیا لیکن نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اٹھائی کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خود صلوٰۃ بھیجتا ہے اور ساتھ ہی فرشتوں اور ایمان والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی درود پاک کا بارگاہِ رسالت میں ہدیہ پیش کیا کریں۔

۴۔ فرشتوں کو اس لیے سجدے کا حکم فرمایا گیا تھا کہ نبیِ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم ﷺ کا نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ افروز تھا۔

سوال: ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم کے ساتھ خاص فرمایا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ:31)

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے"۔

لیکن نبی کریم ﷺ کے بارے میں اپنے کلام معجز نظام میں فرمایا ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔

"اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع کی تفصیل"۔

نیز دوسری جگہ یوں فرمایا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ (الضحیٰ)

"اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا"۔

علاوہ بریں آدم علیہ السلام کو سکھانے والا اللہ ہے، جیسا کہ فرمایا ہے: آدم کو تمام نام سکھا دیے۔

لیکن سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبریئل علیہ السلام تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿٥﴾ (النجم)

"انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے"۔

جواب:۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ نے نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے آخری کلام معجز نظام کے ذریعے یوں خبردار فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾ (النساء)

"اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے ادب کی تعلیم دی اور خوب تعلیم دی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اسی بارے میں یوں فرمایا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾ (الرحمٰن)

"رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا"۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں اشیاء کی اصلی حقیقت دکھا۔ بلکہ خود اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم کی دعا مانگنے کا یوں حکم دیا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ (طٰہٰ)

"اور عرض کرو، اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے"۔

مذکورہ آیات اور مخالف کی پیش کردہ آیت علمه شديد القوى میں مطابقت بلحاظ تلقین اور تعلیم ہے (یعنی پیش کردہ آیات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی اور اس آیت کے بموجب تلقین جبریئل علیہ السلام بھی کرتے رہے) اس فرق کو مندرجہ ذیل دو آیتوں سے سمجھنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (السجدہ:11)

"تم فرماؤ، تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ"۔

لیکن دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (زمر:42)

"اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے اُن کی موت کے وقت"۔

سوال:۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ (الشعراء)

"اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں"۔

لیکن نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ (انعام:52)

"اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں"۔

مذکورہ آیات اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ اخلاق میں نوح علیہ السلام آپ سے اعلیٰ ہیں۔ کیا صورتِ حال یہی ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾ (نوح)

"بے شک ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اُن کو ڈرا اِس سے پہلے کہ اُن پر دردناک عذاب آئے"۔

تو اُنہیں سب سے پہلی خبر عذاب کے بارے میں دی گئی اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔

نیز دوسرے مقام پر آپ ﷺ کے متعلق یوں فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:128)

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان"۔

حضرت نوح علیہ السلام کا آخری سلوک اپنی قوم کے ساتھ یہ تھا:

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ (نوح)

''اور نوح نے عرض کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ''۔

اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمت سے آخری سلوک شفاعت کی صورت میں ہوگا، جیسا کہ فرمایا ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ (بنی اسرائیل)

''قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں''۔

باقی رہے انبیائے کرام کے معجزات تو کتاب دلائل النبوۃ (مصنفہ حافظ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ) میں اُن کے بالمقابل نبی کریم ﷺ کے معجزات کا ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ پیارے مصطفیٰ ﷺ کے معجزات دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات سے افضل ہیں۔ طوالت کے پیشِ نظر یہ کتاب (تفسیر کبیر) اِس سے زیادہ کی متحمل نہیں۔ (واللہ اعلم)

اِس کے بعد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ بحث آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ فرمایا ہے۔ اِس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ اِس آیت میں انبیائے کرام کے مراتب کا بیان کرنا مقصود ہے، جو ایک دوسرے سے نرالے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا جبکہ دوسروں کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بادشاہی اور نبوت دونوں کو اکٹھا کر دیا جبکہ دیگر انبیائے کرام کو یہ چیز حاصل نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے انسان، جنات، پرندے اور ہوا تابع کر دی گئی جبکہ ایسی بادشاہی تو ان کے والدِ محترم، حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی حاصل نہیں تھی اور سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو دیگر کسی نبی کو حاصل نہیں، نیز آپ ﷺ کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے۔ مذکورہ تقریر اِس لحاظ سے ہے جبکہ درجات کو مراتب و مناصب پر محمول کریں، لیکن اِسے اگر معجزات پر محمول کیا جائے تو اِس لحاظ سے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کو دیگر تمام انبیائے کرام پر فضیلت ہے، کیونکہ ہر نبی کو ایسے معجزے دیے گئے جو اُن کے زمانے کے مناسب تھے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھیے کہ عصا کا سانپ بننا، یدِ بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا اس زمانے والوں کے ان کاموں کا توڑ ہیں جنہیں وہ لوگ جادو کے ذریعے کیا کرتے

تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کہ بہروں، گونگوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا یا مُردوں کو زندہ کرنا، اُس زمانے والوں کے کسب کے مطابق تھا جو وہ طب کے ذریعے کرتے تھے لیکن نبی آخرالزماں ﷺ کا معجزہ قرآنِ کریم ہے، جو فصاحت و بلاغت اور خطبات و اشعار کے مشابہ ہے۔ معجزات قلت و کثرت کے لحاظ سے، مدتوں باقی رہنے اور جلد ختم ہو جانے کے باعث نیز ایک دوسرے سے قوی ہونے کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ فضیلت کی تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ درجات کے تفاوت سے وہ امور بھی ہوں جن کا تعلق دنیا سے ہے یعنی امت اور صحابہ کی کثرت نیز شہنشاہی کا جاہ و جلال۔

اگر ان تینوں وجوہات پر غور کیا جائے تو صاف نظر آ جائے گا کہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ تینوں قسم کی خوبیوں کے جامع ہیں، کیونکہ:

فَمَنْصَبُهٗ اَعْلٰى وَمُعْجِزَاتُهٗ اَبْقٰى وَاَقْوٰى وَقَوْمُهٗ اَكْثَرُ وَدَوْلَتُهٗ اَعْظَمُ وَاَوْفَرُ
اَلْقَوْلُ الثَّانِيْ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
لِاَنَّهٗ هُوَ الْمُفَضَّلُ عَلَى الْكُلِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ص ۱۵۴)

"آپ کا منصب سب سے بلند، معجزات ہمیشہ باقی رہنے والے اور سب سے قوی اور آپ کی امت سب سے زیادہ اور شہنشاہی سب سے عظیم اور بڑی۔
دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت سے مراد سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، کیونکہ آپ کو سب پر فضیلت دی گئی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"۔

میثاق انبیائے کرام

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کی اس آیت:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ
ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ
فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲ (آل عمران)

"اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو ضرور بضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور بضرور اُس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور

اِس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اِس کے بعد پھرے تو وہی فاسق ہے"۔

جاننا چاہیے کہ مندرجہ بالا آیات سے اُن امور کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اہل کتاب میں مشہور و معروف تھے اور فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کے عذر کی بیخ کنی ہو اور اُن کا بغض وعناد صاف ظاہر ہو جائے۔ اُن امور سے بعض کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کر دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن انبیائے کرام سے عہد لیا جنہیں کتاب اور حکمت مرحمت فرمائی تھی کہ جب تمہارے پاس ایسا رسول آئے، جو تمہاری شریعتوں کی تصدیق کرتا ہو، تو اُس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد کرنا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ جملہ انبیائے کرام نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس معصوم گروہ کو یہ تحدید سنا دی تھی کہ جو اس حکم سے پھرے گا وہ نافرمان شمار ہوگا۔ اس آیت کا مقصود یہی ہے۔ گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام پر یہ واجب کیا ہے کہ اُس رسول پر ایمان لائیں جو اُن کی کتابوں کی تصدیق کرے۔ یہ تنہا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، جب تک اِس کے ساتھ دوسرا مقدمہ شامل نہ کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جو دیگر انبیائے کرام کی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے جلوہ آرائے گیتی ہوئے تھے لیکن ایسا کہنے پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس سے اِثْبَاتٌ لِلشَّیْءِ بِنَفْسِہٖ لازم آتا ہے کیونکہ اس طرح ایک کی رسالت سے دوسرے کی رسالت ثابت کی جا رہی ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت سے یہاں اظہارِ معجزہ مراد ہے اور اس صورت میں اعتراض ہی ساقط ہو جاتا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مذکور ہے:

اِنَّ هٰذَا الْمِیْثَاقَ مُخْتَصٌّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"یہ میثاق سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے"۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے پاس روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں۔ خدا کی قسم، اگر آج موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) بھی زندہ موجود ہوتے تو اُنہیں میرا اتباع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور اُن کے بعد والے سارے انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کی ظاہری حیات میں مبعوث ہوں تو اُن پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور

ضرور اُن کی مدد کرنی پڑے گی(1)۔

وَيَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاٰيَةِ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانُوْا يَأْخُذُوْنَ الْمِيْثَاقَ مِنْ اُمَمِهِمْ بِاَنَّهُ اِذَا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِمْ اَنْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ وَاَنْ يَنْصُرُوْهُ وَهٰذَا قَوْلُ كَثِيْرٍ مِّنَ الْعُلَمَآءِ وَاللَّفْظُ مُحْتَمَلٌ لَهٗ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَنْ يُؤْمِنُوْا الَّذِيْنَ كَانُوْا فِيْ زَمَانِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِذَا كَانَ الْمِيْثَاقُ مَأْخُوْذًا عَلَيْهِمْ كَانَ ذٰلِكَ اَبْلَغَ فِيْ تَحْصِيْلِ هٰذَا الْمَقْصُوْدِ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ مَأْخُوْذًا عَلَى الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَقَدْ اُجِيْبَ عَنْ ذٰلِكَ بِاَنَّ دَرَجَاتِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَعْلٰى وَاَشْرَفُ مِنْ دَرَجَاتِ الْاُمَمِ فَاِذَا دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَوْجَبَ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ اَنْ يُؤْمِنُوْا بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَوْ كَانُوْا فِي الْاَحْيَاءِ وَاِنَّهُمْ لَوْ تَرَكُوْا ذٰلِكَ لَصَارُوْا مِنْ زُمْرَةِ الْفَاسِقِيْنَ فَلِاَنْ يَكُوْنَ الْاِيْمَانُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجِبًا عَلٰى اُمَمِهِمْ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ اَوْلٰى فَكَانَ صَرْفُ هٰذَا الْمِيْثَاقِ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ اَقْوٰى فِيْ تَحْصِيْلِ الْمَطْلُوْبِ۔(ص ۱۵۴-۱۵۵)

"اور احتمال ہے کہ آیت سے یہ بھی مراد ہو کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں سے یہ عہد لیں کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں تو اُن پر لازم ہے کہ وہ نبیِ آخرالزماں ﷺ پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں اور اکثر علمائے کرام یہی کہتے ہیں اور (آیت کے) لفظوں میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کیونکہ مقصود اِس آیت کا یہی ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں موجود ہوں وہ آپ پر ایمان لائیں اور یہ عہد امتوں سے جب لیا گیا تو (اِس کا تذکرہ) حصولِ مقصد کی زیادہ وضاحت کرتا ہے بہ نسبت اِس کے کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر فرمایا گیا تو اِس کا جواب ہماری (امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) کی جانب سے یہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات اُمتوں کے درجات کی نسبت بہت بلند و بالا ہیں، لیکن جب یہ آیت اس بات پر

1۔اسی لیے عشاق کا یہی کچھ مشغلہ رہتا ہے: ۔

ان کی دُھن، اُن کی لگن، اُن کی تمنا، اُن کی یاد　　مختصر سا ہے مگر کافی ہے سامانِ حیات (اخترالحامدی)

دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کے لیے ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں، خواہ وہ زندہ کیوں نہ موجود ہوں۔ اگر وہ اِس فرض کے تارک ہوئے تو نافرمانوں کے گروہ سے ہو جائیں گے پس سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ان حضرات کی امتوں پر تو اور زیادہ ضروری ہوا اور اَولیٰ بھی یہی ہے۔ پس صرف انبیائے کرام سے عہد لینے کا ذکر ہی تحصیلِ مقصد کے لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے (یعنی زیادہ مناسب ہے)''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سے فوائد بیان فرمائے ہیں جو تفصیل و تحقیق کا شائق ہے وہ اُن کی تفسیر کی جانب رجوع کرے۔

رحمت دو عالم ﷺ کا حلم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ (آل عمران)

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔ تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ کرو۔ اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو، تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں''۔

کے تحت فرمایا ہے، جاننا چاہیے کہ غزوہ احد میں جب اکثر حضرات آپ سے بچھڑ کر دور نکل گئے، تو جب وہ آپ کی جانب لوٹے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ساتھ ذرا بھی سخت کلامی سے پیش نہ آئے بلکہ نرمی کے ساتھ دلوں کو موہ لینے والے انداز ہی میں گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات کے ساتھ ان کی ایسی رہنمائی فرمائی جو انہیں دنیا اور آخرت میں نفع پہنچائے۔ منجملہ ان کے یہ بات بھی تھی کہ ان سب کو معاف فرما دیا اور کرم بالائے کرم فرماتے ہوئے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انہیں معاف کرنے اور سختی نہ فرمانے پر تعریف و توصیف کی۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ لوگوں کے ساتھ آپ کا نرمی اور عفو

ودرگزر سے پیش آنا آپ کے حسن خلق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ساتھ ہی باری تعالیٰ نے یہ حکم دیا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ (الشعراء)

''اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے''۔

نیز اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لفظوں میں بھی حکم دیا:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (اعراف)

''اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو''۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (القلم)

''اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے''۔

نیز دوسرے مقام پر ہمارے آقا و مولی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں مدح وثنا بیان فرمائی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام کا حلم اور نرمی سب سے زیادہ پسند ہے اور امام کی جہالت اور سختی سے زیادہ اور کوئی چیز ناپسند نہیں ہے جب سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے امام ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ ساری کائنات میں سب سے بڑھ کر حلیم اور اخلاق حسنہ والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ آل عمران کی آیت کریمہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

کے تحت فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ اس آیت میں مختلف وجوہ ہیں، مثلاً

پہلی وجہ

جب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی کور چشمی کا ذکر فرمایا جس نے نبی کریم ﷺ کی جانب بد دیانتی اور خیانت کی نسبت کی تھی تو اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس معاند کے الزام کی بیخ کنی فرمادی۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے شہر ہی میں پیدا ہوئے اور اسی میں ان کے سامنے پروان چڑھے۔ ساری عمر میں قوم نے آپ سے صدق و امانت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ اس کے سوا یہی تھا کہ آپ کی پاک اور شفاف ردائے عصمت پر خیانت کا دھبہ کیسے لگ سکتا تھا؟

دوسری وجہ

اللہ تعالیٰ نے جب اس معاند و معترض کی غلطی بیان فرمائی تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیانت سے بری ہونے کی شہادت دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ ان کا وجودِ مسعود تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ تمہیں طُرقِ باطلہ کی طرف مائل ہونے سے پاک کرتے اور ایسے علومِ نافعہ سے تمہارے دامنِ مراد کو بھرتے رہتے ہیں جو دنیا اور آخرت میں کامیابی کے ضامن ہیں۔ ان حالات میں کون سا صاحبِ عقل و دانش ہوگا جو ایسے خلاصہ روزگار فردِ کامل و مردِ اکمل کی جانب خیانت کو منسوب کرنے کا تصور بھی دل میں لائے گا؟

تیسری وجہ

گویا اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میرا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے ہے اور تمہارے شہر کا رہنے والا اور تمہارے خویش و اقارب سے ہے۔ اس کے باوجود، شرک کے باعث تم ذلت کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہو، جبکہ اسے بزرگی دی ہے اور فضل و احسان کے ساتھ ساری کائنات سے ممتاز کیا ہے۔ ان کا وجود تمہارے لیے باعث شرف و عظمت ہے۔ اس کے برعکس تمہارا ان پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کی جانب برائیوں کی نسبت کرنا عقل و دانش سے بعید ہے۔

چوتھی وجہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب فضل و کمال میں اس منصبِ رفیع پر فائز ہیں، جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان جتایا ہے، تو ہر صاحب عقل و دانش پر حتی المقدور آپ کی اعانت کرنا واجب ہے۔ پس اے معاندو! تمہیں تو چاہیے تھا کہ ان کے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہوتے اور نہ صرف دست و لسان سے بلکہ سیف و سنان کے ساتھ ان کی معاونت پر ہمہ وقت کمر بستہ

رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا ہے تو یہ اس وجہ سے فرمایا ہے کہ:

اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ وَاَحْسَنَ اِلَيْهِمْ بِبِعْثَةِ هٰذَا الرَّسُوْلِ فَاِنَّ بِعْثَتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِحْسَانٌ اِلٰى كُلِّ الْعَالَمِيْنَ وَ ذَالِكَ لِاَنَّ وَجْهَ الْاِحْسَانِ فِيْ بِعْثَتِهٖ كَوْنُهٗ دَاعِيًا لَّهُمْ اِلٰى مَا يُخَلِّصُهُمْ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ وَيُوْصِلُهُمْ اِلٰى ثَوَابِ اللّٰهِ وَ هٰذَا عَامٌّ فِيْ حَقِّ الْعَالَمِيْنَ لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَبْعُوْثٌ اِلٰى كُلِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (ص ۱۵۶)

"یہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے سبب احسان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ احسان تمام جہانوں (یعنی جہان والوں) پر ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ بعثت کا احسان ان کے لیے آپ کے داعی ہونے اور انہیں عذاب الٰہی سے نجات دلانے اور انہیں ثواب و اجر کی منزل مقصود تک پہنچانے کے باعث ہے اور یہ جملہ کائنات والوں کے حق میں عام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں"۔

چنانچہ آپ کی جہانگیر بعثت کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا:28)

"اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے"۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے اہل اسلام ہی نے فائدہ اٹھایا ہے لہٰذا آیت میں ایمان والوں کو اس احسان سے خاص کیا گیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے (یہ نفع حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے) حالانکہ قرآن کریم کی صفت یہ بتائی ہے هُدًى لِّلنَّاسِ کہ یہ سب لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے۔ دوسری نظیر مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ (النازعات)

"تو تم فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے"۔

جاننا چاہیے کہ انبیاء و مرسلین سے ہر ایک کی بعثت اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر احسان ہے، لیکن جس قدر کسی رسول سے مخلوق کو زیادہ نفع ہوگا، اسی قدر اس کی بعثت میں انعام زیادہ ہوگا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت میں دو قسم کی خصوصیات ہیں۔ایک وہ منافع جو آپ کی بعثت ہی سے حاصل ہوتا ہے، دوسرے وہ منافع جو آپ کے ان خصائل حمیدہ واخلاق محمودہ سے حاصل ہوتا ہے، جو دوسرے میں نہیں پائے جاتے۔ جو نفع آپ کی اصل بعثت سے حاصل ہوتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (النساء)

''رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے''۔

ابو عبداللہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء ومرسلین کی بعثت سے جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اس کا حصول دین کے راستے سے ہوتا ہے۔اس نفع حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔

اول:۔مخلوق جبلی طور پر نقصان کی طرف مائل ہے۔اس کا فہم قلیل اور درایت نہ ہونے کے برابر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے دلائل کے طریقے بیان فرمائے اور انہیں خوب واضح کیا اور جب ان کے دلوں میں کوئی خطرہ گزرا یا شبہ وارد ہوا، تو مناسب جواب سے اس کا ازالہ فرمایا۔

دوم:۔مخلوق یہ تو جانتی ہے کہ انہیں اپنے مالک کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں، لیکن وہ اطاعت کی کیفیت سے ناآشنا ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کیفیت کی وضاحت فرمائی تاکہ وہ طاعت گزاری میں غلطی نہ کریں اور نامناسب اقدام سے اجتناب کریں۔

سوم:۔مخلوق کی جبلت میں چونکہ کاہلی، غفلت، کمزوری اور تنگ دلی بھی موجود ہے اس لیے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سامنے احکام الٰہی کو ترغیب اور ترہیب کے طریقوں سے بیان فرمایا تاکہ تعمیل حکم میں سستی یا نقصان واقع ہونے کے بجائے طاعت گزاری کی طرف رغبت رہے۔

چہارم:۔مخلوق کا نور عقل آنکھوں کی روشنی کے مانند ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آنکھوں سے اس وقت تک کماحقہٗ دیکھنے کا کام نہیں لیا جا سکتا جب تک سورج کی جلوہ گری نہ ہو۔سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت عقل الٰہی سے ہے، جس نے سورج کی طرح دنیا کو جگمگا رکھا ہے۔پس اس نور عقل سے لوگوں کی عقل و دانش کو تقویت پہنچاتے اور ایسے غیبی امور کو ان کے لیے ظاہر فرماتے رہتے ہیں، جن پر آپ کے ظہور سے پہلے پردہ پڑا ہوا تھا۔حقیقت میں یہ اشارہ آپ کی بعثت کے اصل فوائد کی جانب ہے۔وہ فائدے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات جمیلہ کے سبب حاصل ہوتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے

بارے میں جاننا چاہیے کہ آپ سے متعدد طریقوں کے ساتھ فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً:

پہلی دلیل:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کے سامنے پروان چڑھے۔ وہ آپ کے حالات سے پوری طرح باخبر اور آپ کے تمام اقوال و احوال سے مطلع تھے۔ انہوں نے آپ کی ابتدائی عمر سے آخر تک سچائی، عفت، دنیا سے بے رغبتی، جھوٹ سے دوری اور صداقت پر ہیشگی کے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور اخلاق کریمہ میں اور کوئی چیز نہ دیکھی۔ جس کی عمر میں اول سے آخر تک یہی دیکھا گیا ہو کہ وہ ہمیشہ صداقت و امانت پر زندگی بسر کرتا رہا ہو نیز کذب و خیانت کے سائے تک کا اس کی بارگاہ میں گزر نہ ہوا ہو۔ ایسا شخص ایک مدّت کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے، جس کا جھوٹا دعویٰ کرنا کذب کی بدترین قسم ہے، اس کے متعلق ہر کسی کا غالب گمان یہی ہوگا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔

دوسری دلیل:۔ وہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی فرد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا، نہ کوئی کتاب پڑھی، نہ کسی سے سبق لیا جس کی تکرار کرتے اور پورے چالیس سال کی عمر تک آپ نے اپنی نبوت و رسالت کے بارے میں کبھی ذکر نہیں کیا۔ جب چالیس سال پورے ہونے کے بعد آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا اور آپ کی زبان مبارک سے ایسے علوم و معارف ظاہر ہونے لگے جو ابتدائے آفرینش سے اس کائنات میں کسی سے ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ پھر آپ نے اگلے لوگوں کے واقعات اور گزشتہ انبیائے کرام کے حالات اسی طرح بیان فرمادیے جیسے ان حضرات کی کتابوں میں مذکور ہوئے تھے۔ پس ہر وہ شخص جو عقل سلیم سے بہرہ ور ہے وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ایسا آسمانی وحی اور الہام الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

تیسری دلیل:۔ نبی آخرالزماں ﷺ کے دعویٰ نبوت کے بعد معاندین نے پیشکش کی کہ اپنی اس دعوت کو چھوڑ دیجیے اور اس کے معاوضے میں جتنی زیادہ سے زیادہ دولت آپ چاہیں وہ پیش کی جاسکتی ہے یا کسی عورت سے آپ شادی کرنے کے خواہشمند ہیں تو آپ کی ایسی خواہش بھی پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ نے ان کی پیشکش کو پرکاہ کے برابر حیثیت نہ دی بلکہ اپنے فقر پر قانع رہے اور مشقت کے مقابلے میں صبر کی ڈھال کو سنبھالے رکھا۔ جب اسلام کا بول بالا ہوا، آپ کی عظمتوں کے شادیانے بجنے لگے، کتنے ہی شہروں پر قبضہ ہوگیا اور مال غنیمت سے بیت المال بھرپور ہوگیا اور صحابہ کرام کو آسودہ حال فرمادیا ایسے حالات میں بھی آپ کی دنیا سے بے رغبتی مثل سابق رہی (1) اور اللہ تعالیٰ

1۔ یعنی۔ ہاتھ خالی، دل غنی، کون و مکاں پر اقتدار — دیکھنا یہ ساز و سامان حبیب کبریا (اختر الحامدی)

کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ حالانکہ جھوٹا آدمی دنیا کمانے کی خاطر بھاگ دوڑ کرتا ہے اور جب اسے دنیا حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے لطف اندوز ہونا شروع کر دیتا ہے اور اس کے دائرے کو مزید وسعت دینے میں کوشاں رہتا ہے۔ جب آپ نے دنیاوی آرام و راحت کی جانب توجہ بھی نہیں فرمائی تو اظہر من الشمس ہوا کہ آپ اس دعوے میں یقیناً سچے تھے۔

چوتھی دلیل:۔ جس نسخۂ کیمیا کو لے کر نبی آخر الزمان ﷺ جلوہ گر ہوئے اس میں توحید کا مفصل بیان، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، انصاف، نبوت، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا اثبات، عبادات کی تشریح اور اطاعت و فرمانبرداری کی پاکیزہ تعلیم ہی تو ہے اور یہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ انسان کامل کا کام بھلے برے کاموں میں تمیز کرنا ہے۔ جب فخر دو عالم ﷺ کی کتاب (قرآن کریم) ان دونوں راستوں کی مکمل وضاحت کرتی ہے تو ہر عقلمند انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی راستبازی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

پانچویں دلیل:۔ اس آخری شمع رسالت کے جلوہ آرائے گیتی ہونے سے قبل اہل عرب کا دین تمام رائج الوقت ادیان سے بھی گھٹیا تھا، کیونکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے اخلاق میں لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذلیل مشغلے بھی موجود تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو بھیجا، تو آپ نے انہیں اس قعر مذلت سے نکال کر ہمدوش ثریا کر دیا، حتیٰ کہ وہ علم، زہد، عبادت اور دنیاوی لذتوں اور آسائشوں میں بے رغبتی کے لحاظ سے ایسے راسخ ہوئے کہ امم سابقہ سے ممتاز اور افضل ہو گئے۔ ''وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ'' جب مذکورہ وجوہات کو جان لیا گیا تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں پیدا ہوئے اور ان میں ہی آپ نے پرورش پائی تھی جو شب و روز آپ کے حالات کا مشاہدہ کرتے اور مذکورہ دلائل پر مطلع تھے، جن کے سبب ان کا آپ پر ایمان لانا زیادہ آسان تھا ہر اس شخص کی نسبت جو آپ کے حالات سے بے خبر ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے ساتھ ان پر خاص احسان فرمایا ہے کہ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اس میں احسان کا یہ پہلو بھی تو موجود ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عربی ہونا اہل عرب کے لیے انتہائی شرف اور سرمایہ افتخار ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (زخرف)

''اور بے شک وہ شرف ہے تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے''۔

اس فخر کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فخر کرنا یہود، نصاریٰ اور اہل عرب

A

میں مشترک تھا، لیکن یہود و نصاری حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور توریت و انجیل کے باعث بھی فخر کرتے تھے اور اہل عرب کو ایسا کوئی شرف حاصل نہیں تھا جس سے یہود و نصاری محروم ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر قرآن مجید نازل کیا تو اہل عرب کو وہ کرامت اور بزرگی میسر آ گئی جیسی امم سابقہ میں سے کسی کے حصے میں نہیں آئی تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَنْفُسِهِمْ فرمایا ہے۔

اس کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ تو اس کے بارے میں جاننا ضروری ہے کہ انسان کا کمال دو باتوں میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اعمال صالحہ کو جاننے میں، تا کہ ان کے مطابق عمل کر سکے۔ بالفاظ دگر نفس انسانی کے لیے نظریاتی اور عملی دو طاقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اسی لیے نازل فرمایا ہے کہ مخلوق کی ان دونوں قوتوں کی اصلاح و تکمیل ہو جائے چنانچہ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ میں اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مخلوق خدا تک وحی الٰہی کو پہنچاتے ہیں وَيُزَكِّيْهِمْ میں معارف الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جس سے نظریاتی قوت کی تکمیل ہوتی ہے۔ تعلیم کتاب سے تاویل معرفت کی جانب اشارہ ہے یا بالفاظ دگر کتاب سے شریعت کے ظاہری احکام اور حکمت سے اس کے محاسن و اسرار اور اسباب و منافع مراد ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا ذکر فرمایا جس سے یہ نعمت کامل ہوتی ہے اور وہ اس بات کا اظہار ہے کہ پہلے یہی لوگ گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ جب مشقت اٹھانے اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد کسی نعمت یا راحت کا حصول ہوتا ہے تو اس کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔ چونکہ اس نعمت کا تعلق علم و اعلام سے ہے جو جہالت اور بے دینی کے بعد حاصل ہوئی تو اس طرح اس کی عظمت اور قدر و منزلت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کی نظیر یہ ارشاد ربانی ہے: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞

فترت کے بعد سید المرسلین کی آمد

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مائدہ کی آیت:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ (مائدہ)

''اے کتاب والو! بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے

پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ کو سب قدرت ہے"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ایام فترت کے بارے میں ہے یعنی رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت تک بند رہنے کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ رونق افزائے دہر ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فخر دو عالم ﷺ کے درمیان کچھ سو برس یا اس سے کچھ کم وبیش کا طویل وقفہ ہے۔ علامہ کلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان سترہ سو سالہ مدت ہے اور اس عرصے میں ایک ہزار انبیائے کرام خلق خدا کی ہدایت کے لیے تشریف لائے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سید المرسلین ﷺ کے درمیانی وقفے میں صرف چار نبی تشریف فرما ہوئے، جن میں سے تین نبی اسرائیل میں اور ایک اہل عرب سے، جن کا اسم گرامی خالد بن سنان عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

رسولوں کی آمد کا سلسلہ اتنے دنوں بند رہنے کے بعد فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے میں یہی مصلحت تھی کہ شرائع سابقہ میں اس طرح تحریف و تبدیل کرنے والے اپنے پورے جوہر دکھالیں اور اتنے عرصے میں حق و باطل اور سچ جھوٹ میں اس درجہ اختلاط ہو جائے اور کہ تمیز کرنا ممکن نہ رہے اور لوگوں کے لیے عبادات ترک کرنے کا واضح عذر ہو جائے اور وہ کہہ سکیں کہ اے پروردگار! یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تیری عبادت کرنی چاہیے کیونکہ بندوں کے لیے اس کے بغیر چارہ کار نہیں لیکن ہم عبادت کرنے کے طریقوں سے ناآشنا ہیں۔ چنانچہ ایسے حالات میں اللہ جل شانہ نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ لوگوں کا یہ عذر ختم ہو جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ۔ (یعنی یہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کون سا کوئی نبی آیا ہے؟) پس اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ یہ کہا جا سکے کہ اب تو تمہارے پاس نبی آ گیا۔ آپ کی بعثت کے سبب یہ علت زائل ہو گئی اور ان کا یہ عذر ختم ہو گیا(1)۔

النبی الامی ﷺ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اعراف کی آیت کریمہ:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

1۔ مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے — پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی — چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی

B

فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ﴿۱۵۷﴾ (اعراف)

"وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے، جو ان پر تھے، اتارے گا، تو وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: یہ جاننا ضروری ہے کہ رحمت خداوندی ان لوگوں کے لیے واجب ہو جاتی ہے جو تقوی کی دولت سے مالا مال ہوں، زکوۃ ادا کریں اور آیات الٰہیہ پر ایمان لائیں۔ اس آیت کے ذریعے یہ بات بھی ساتھ ملا دی گئی کہ اس امی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنا بھی ضروری ہے، جس کا تذکرہ وہ توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں

پہلا قول:۔ یہ ہے کہ جس حیثیت سے انہوں نے توریت میں آپ کا وصف پایا، اسی طرح وہ آپ کی نبوت پر ایمان لا کر پیروی کریں، کیونکہ آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے کی کسی شریعت کی پیروی کرنا اب جائز نہیں ہے۔

دوسرا قول:۔ وَالْاِنْجِیْل کے بارے میں یہ ہے انجیل میں یہ کچھ لکھا ہوا پائیں گے، کیونکہ انجیل کے نزول سے پہلے اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کا پایا جانا محال ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا مبارک زمانہ پایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ اس امی نبی (ﷺ) کی پیروی کریں تو دنیا و آخرت کے اندر بے پایاں رحمت سے نوازے جائیں گے۔ یہی قول زیادہ درست ہے کیونکہ بعثت سے پہلے تو آپ کی پیروی ممکن ہی نہ تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کا وہی فرد اس رحمت سے حصہ حاصل کر سکا، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا، زکوۃ ادا کی اور عہد موسوی کے دلائل پر ایمان لایا اور زمانہ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اس رحمت سے وہی

فیضیاب ہوگا جس میں مذکورہ صفات کے ساتھ یہ صفت بھی پائی جائے کہ وہ شریعت محمد یہ کا پیروکار ہو۔
جب یہ معلوم ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں سرورکون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نو اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

وصفِ اول

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آپ رسول ہیں۔ عرف عام کے لحاظ سے اس لفظ کے ساتھ وہی مخصوص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجے۔

وصف دوم

بتایا کہ آپ نبی بھی ہیں۔ یہ لفظ بھی دلالت کرتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں آپ عظیم المرتبت منصب پر فائز ہیں۔

وصف سوم

آپ کو امّی بتایا ہے۔ زجاج علیہ الرحمہ نے اس کا معنی یہ لکھا ہے کہ جو شخص اہل عرب کی صفت پر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان پڑھوں کی جماعت میں مبعوث فرمایا گیا ہوں، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ چونکہ اکثر اہل عرب پڑھنے لکھنے سے ناآشنا تھے لہٰذا فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی حال پر رہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو امّی ہونے کا لقب دیا ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ اس تفسیر کے لحاظ سے امّی ہونا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس اعجاز کی مختلف وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ

فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار قرآن کریم پڑھ کر سناتے رہے لیکن کبھی اس کے الفاظ یا کلمات میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی، حالانکہ عربی خطیب پہلی دفعہ خطبہ پڑھنے کے بعد جب بھی اسے دہراتے تو یقیناً اس کے الفاظ میں کمی یا بیشی ہو جاتی تھی۔ کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ ان پڑھ ہونے کے باوجود آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہے اور کسی دفعہ کے پڑھنے میں ذرا سا فرق بھی نہیں آیا۔ آخر اسے معجزے کے سوا اور کیا کہا جائے؟ اسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۙ﴿۶﴾ (الاعلیٰ)

''اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے''۔

دوسری وجہ

نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر پڑھے لکھے ہوتے تو آپ پر یہ اتہام لگایا جا سکتا تھا کہ

کتب سابقہ کے مطالعے سے یہ علوم حاصل کیے ہیں لیکن کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے اور مطالعے کے بغیر ہی جب آپ قرآن مجید جیسی کتاب لے کر آئے جو علوم کثیرہ کی جامع ہے تو اسے منجملہ آپ کے معجزات کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہی مراد اللہ جل شانہٗ کے اس ارشاد سے ہے:

وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸ (العنکبوت)

"اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے"۔

تیسری وجہ

لکھنا سیکھ لینا آسان ہے کیونکہ بعض کم پڑھے ہوئے جو ذکی و فہیم ہوں وہ معمولی سی کوشش سے لکھنا سیکھ لیتے ہیں۔ لکھنے سے محروم رہنا عقل و فہم میں کوتاہی کا باعث ہو کر رہ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود:

اِنَّهٗ تَعَالٰى اٰتَاهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُلُوْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ وَ اَعْطَاهُ مِنَ الْعُلُوْمِ وَ الْحَقَائِقِ مَا لَمْ يَصِلْ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِّنَ الْبَشَرِ وَ مَعَ تِلْكَ الْقُوَّةِ الْعَظِيْمَةِ فِي الْعَقْلِ وَ الْفَهْمِ جَعَلَهٗ بِحَيْثُ لَمْ يَتَعَلَّمِ الْخَطَّ الَّذِيْ يَسْهُلُ تَعَلُّمُهٗ عَلٰى اَقَلِّ الْخَلْقِ عَقْلًا وَّ فَهْمًا فَكَانَ الْجَمْعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الْحَالَتَيْنِ الْمُتَضَادَّتَيْنِ جَارِيًا مَجْرَى الْجَمْعِ بَيْنَ الضِّدَّيْنِ وَذٰلِكَ من الْاُمُوْرِ الْخَارِقَةِ لِلْعَادَةِ وَجَارٍ مَجْرَى الْمُعْجِزَاتِ۔ (ص ۱۶۰)

"اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب اگلے پچھلوں کے علوم مرحمت فرما دیئے اور آپ کو اتنے علوم و حقائق عطا فرمائے جن تک نوع انسانی کے کسی بھی فرد کی رسائی نہیں ہو سکی اور عقل و فہم کی آپ کو ایسی عظیم الشان قوت مرحمت فرمانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے سے محروم رکھا حالانکہ لکھنا تو ایک معمولی فہم و فراست والا انسان بھی سیکھ لیتا ہے۔ پس آپ کے اندر ان دونوں متضاد حالتوں کا جمع ہو جانا، صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ اجتماع ضدین کی طرح ہے اور دو متضاد حالتوں کا جمع ہونا عادت کے خلاف اور معجزے کا قائم مقام ہے"۔

وصف چہارم

فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس آیت کریمہ میں جو نو صفات بیان فرمائی گئی ہیں ان میں سے چوتھی صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: اَلَّذِی یَجِدُوْ نَہٗ مَکْتُوْ بًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْل۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور آپ کی نبوت کا سچا ہونا توریت اور انجیل میں بھی لکھا ہوا ہے۔ (والحمد للہ علیٰ ذٰلک) اگر توریت و انجیل میں ایسا لکھا ہوا نہ ہوتا تو آپ کا مذکورہ بالا اعلان یہود و نصاریٰ کو آپ سے از حد متنفر کر دیتا اور وہ آپ کی باتوں پر کبھی کان دھرنے کے لیے تیار نہ ہوتے کیونکہ کذب بیانی اور بہتان تراشی تو نفرت کا زبردست پیش خیمہ ہیں اور کوئی بھی عقل و فہم سے بہرہ ور شخص ایسے امور کی جسارت نہیں کرتا جو اس کی شہرت کو داغدار کریں اور لوگوں کو اس سے متنفر کر دیں تا کہ وہ اس کی بات تک سننا گوارا نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد و محاسن توریت و انجیل میں لکھے ہوئے تھے اور یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے کے عظیم الشان دلائل سے ہے۔

وصف پنجم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَیَأْمُرُ ھُمْ بِا لْمَعْرُوْ فِ۔ اس کے بارے میں زجاج علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو صفات توریت و انجیل میں لکھی ہوئی ہیں ممکن ہے یہ صفت ان کے علاوہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ معناً ایسا لکھا ہوا ہو کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھے کاموں کا حکم دینے والے ہیں۔

وصف ششم

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ اس سے مراد ہے۔

اَضْدَادُالْاُمُوْرِ الْمَذْکُوْرَۃِ وَھِیَ عِبَا دَۃُالْاَوْثَا نِ وَالْقَوْلُ فِی صِفَا تِ اللّٰہِ تَعَا لیٰ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَ الْکُفْرُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّیْنَ وَ قَطْعُ الرَّحِمِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ (ص ١٦٠)

"اس سے امور مذکورہ کی ضد مراد ہے یعنی بتوں کی پوجا کرنا، بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی صفات میں گفتگو کرنا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انبیائے کرام پر نازل کیا اس کا انکار کرنا، قطع رحمی کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا"۔

وصف ہفتم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طیبات سے مراد وہی چیزیں ہیں جن کی حلت کا باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے، لیکن یہ اصلی مفہوم سے بعید ہے بلکہ ضروری ہے کہ طیبات سے مراد وہ پاک اور ستھری چیزیں ہوں جنہیں طبع انسانی پسند کرتی ہے کیونکہ ستھری چیزوں کا کھانا ہی لذت بخش ہوتا ہے۔ پس نفع بخش ہونے کی اصل حلال ہونا ہے، ماسوائے اس کے جس کے خلاف کوئی علیحدہ دلیل ہو۔

وصف ہشتم

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ حضرت عطاء علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ خبائث سے مراد مردار اور خون وغیرہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں ذٰلِكُمْ فِسْقٌ تک کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ خبائث سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کے کھانے سے آدمی نفرت کرتا ہے اور طبع انسانی اسے پسند نہیں کرتی اور اس کا کھانا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مضر چیزوں کی اصل حرمت ہے، لہٰذا اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ جن چیزوں کا کھانا طبیعت برا جانے ان کی اصل حرمت ہے جبکہ کسی چیز کی حلت کے بارے میں کوئی علیحدہ دلیل نہ ہو۔

وصف نہم

ارشاد ربانی وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ میں اِصر سے مراد وہ بھاری بوجھ ہے جو اپنی ثقالت کے باعث حرکت کرنے سے روکے۔ یہ اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی جانب ہے جو بہت سخت تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو اَغْلَال فرمایا ہے اس سے مراد شریعت موسوی کے وہ سخت احکام ہیں جو ان کی شریعت میں شامل تھے، جیسے جس جگہ پیشاب لگ جائے اسے کاٹ ڈالنا، توبہ کی خاطر اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنا، جسم کے جس حصے سے کوئی گناہ سرزد ہوا سے کاٹ دینا اور گوشت میں عروق تلاش کرنا وغیرہ۔ ان احکام کو اَغْلَال (طوق) ان کی سختی کے باعث کہا گیا ہے کیونکہ حرمت فعل سے منع کرتی ہے جیسے طوق انسان کو فعل سے روکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بالوں سے بنے ہوئے موٹے کپڑے پہنتے اور اپنے ہاتھوں کو گردنوں میں باندھ لیتے تھے۔ نماز میں تواضع کے لیے انہیں ایسا کرنا پڑتا تھا۔ اس تقدیر پر اَغْلَال اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور اس میں کوئی استعارہ نہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ضرر رساں چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ

مشروع نہیں ہوتیں، کیونکہ مضر چیز اِصر ہوگی یا غل اور اس نص قرآنی کا ظاہر عدم مشروعیت کا مقتضی ہے، جیسا کہ سرور کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام میں کوئی ضرر یا مضرت نہیں ہے اور فرمایا کہ میں سہل اور نرم شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہوں اور یہ شریعت محمدیہ کی اصل کبیر ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مذکورہ نو صفات کے ساتھ توصیف فرمائی تو اس کے بعد حکم دیا: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو آپ پر ایمان لائے۔ عَزَّرُوْهُ سے مراد آپ کی تعظیم وتوقیر کرنا ہے۔ اور نَصَرُوْهُ سے مراد دشمنان دین کے خلاف آپ کی مدد کرنا ہے۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ کا اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی کامیاب ہونیوالے ایسے ہی لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت میں اپنے مطلوب کو پالیں گے۔ مذکورہ بالا آیت کے بعد ارشاد ربانی ہوا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (اعراف)

”تم فرماؤ! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جلائے اور مارے۔ تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول، بے پڑھے، غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ“۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (یعنی میں اسے پرہیزگاروں میں لکھ لوں گا) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس رحمت کو وہی متقی حاصل کرسکتے ہیں جو اس امی رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا اتباع کریں گے تو اس آیت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساری مخلوق کی جانب رسول بن کر آنا واضح طور پر بتادیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اور اس جملے میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ یہود سے عیسویہ کہتا تھا، جو عیسیٰ اصفہانی کے پیروکاروں پر مشتمل تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے نبی ہیں، لیکن صرف عرب والوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں، آپ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔ ان لوگوں کے ردّ و ابطال میں یہ آیت ہمارے لیے محکم دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یَآ اَیُّھَا النَّاسُ فرمایا ہے، یہ خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ اسکے بعد یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ اس کا واضح مقتضیٰ یہی ہے کہ آپ تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ نیز دینِ محمدی میں یہ بطریق تواتر معلوم ہے کہ آپ کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ آپ کو ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ پس آپ کا دعویٰ رسالت صداقت پر مبنی ہوگا یا بر عکس۔ پس آپ کو جب سچا رسول مانا جائے گا تو کذب آپ پر ممتنع ہوگا اور ہر دعوے میں آپ کو سچا ماننا لازم آئے گا۔ جب مذکورہ آیت اور تواتر کے طریق سے یہ ثابت ہو چکا کہ آپ تمام مخلوق کی جانب مبعوث ہوئے اور یہی آپ کا دعویٰ بھی تھا، تو اس دعوے میں بھی آپ کو سچا ماننا واجب ہوا اور اس سے عیسویہ کے قول کا بطلان واضح ہو گیا جو کہتے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی اسرائیل کی طرف نہیں بلکہ صرف اہلِ عرب کی جانب مبعوث فرمائے گئے ہیں۔

اگر وہ لوگ کہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا رسول نہیں مانتے، تو اس صورت میں آپ عرب یا غیر عرب کسی کے رسول نہ ہوئے (حالانکہ وہ اہلِ عرب کا رسول آپ کو مانتے تھے)۔ پس ثابت ہوا کہ ان لوگوں کا آپ کو بعض مخلوق کے لیے رسول ماننا اور دوسروں کے لیے نہ ماننا باطل اور ان کا کلام متناقض ہے۔

دوسرا مسئلہ

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق کی جانب مبعوث فرمائے گئے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دوسرا کوئی نبی بھی ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا تھا یا نہیں؟ واجب ہوا کہ یہ معلوم کرنے کی خاطر دلائل کی طرف رجوع کیا جائے اور تمام دلائل کو دیکھا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا دوسرا کوئی نبی ساری مخلوق کی جانب مبعوث نہیں ہوا اور انہوں نے از روئے دلائل اس بات کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دکھایا ہے، جیسا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

میں پانچ چیزیں ایسا عطا فرمایا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں فرمائی گئیں:

۱۔ میں سارے انسانوں (ہر گورے اور کالے) کا نبی ہوں۔

۲۔ تمام زمین میرے لیے پاک اور مسجد بنادی گئی ہے۔

۳۔ میری رعب کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے یہاں تک کہ میرا دشمن ایک ماہ کی مسافت پر مجھ سے دور رہتا ہوا بھی لرزاں وترساں رہتا ہے۔

۴۔ ہم غنیمت کا مال کھا سکتے ہیں جبکہ ہم سے پہلے کسی امت کے لیے غنیمت کا مال کھانا جائز نہیں تھا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ کوئی چیز مجھ سے مانگ لو، وہ مرحمت فرمائی جائے گی۔ میں نے یہ حق اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔

اگر قائل یہ کہے کہ یہ حدیث آپ کے مدعا پر صریح دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ بعید نہیں ہے کہ مذکورہ پانچوں امور کا مجموعہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو اور یہ پانچوں کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوں لیکن آپ کی خصوصیت کے اس مجموعے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی کسی کو حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اسی سلسلے میں وہ کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام اپنی ساری اولاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور اس لحاظ سے وہ بھی سارے انسانوں کے نبی ہوئے۔ اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو وہ ان لوگوں کے نبی تھے جو اس وقت ان کے ساتھ تھے اور اس وقت تمام انسانوں کا اطلاق صرف ان چند نفوس ہی پر منحصر تھا۔

اس کے بعد فخر الملت والدین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امر کا بیان فرمایا کہ انبیاء ومرسلین علیہ السلام کی بعثت ایک جائز اور ممکن چیز ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق رسول ہیں، کیونکہ جو مطلوب کو ثابت کرنے کا قصد کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کا جواز ثابت کرے، اس کے بعد حصول، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ سے حکم کی ابتداء فرمائی کیونکہ ذات باری تعالیٰ پر ایمان لانا اصل ہے اور نبوت ورسالت پر ایمان لانا اس کی فرع ہے اور اصل کا اپنی فرع سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ سے کلام کی ابتداء فرمائی، اس کے بعد وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ کا ذکر فرمایا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ كَلِمٰتِهٖ سے اشارہ آپ کے معجزات کی جانب ہے کیونکہ یہ نبوت کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کی تقریر یوں ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات دو قسم کے ہیں:

پہلی قسم

وہ معجزات جو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں ظاہر ہوئے۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے یعنی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا تھا، نہ کبھی کسی کتاب کا مطالعہ کیا، نہ علماء کی مجلس میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا کیونکہ مکہ مکرمہ میں کوئی عالم تھا ہی نہیں اور نہ کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے اتنی مدت غیر حاضر رہے جس میں علوم کثیرہ کی تحصیل ممکن ہو، اس کے باوجود آپ نے علم و تحقیق کے دریا بہائے اور وہ دروازے بھی کھول دیئے جو آج تک مقفل ہی چلے آتے تھے، ساتھ ہی آپ پر قرآن کریم کو ظاہر فرمایا جو اگلوں اور پچھلوں کے سارے علوم کا جامع ہے۔ امّی ہونے کے باوجود آپ سے ایسے علوم کثیرہ عظیمہ کا ظہور ہونا، جبکہ نہ کسی استاذ سے ملے، نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا، ایسے حالات میں یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اَلنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ کہہ کر آپ کی جانب ہی اشارہ فرمایا ہے۔

دوسری قسم

وہ معجزات جو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ظاہر ہوئے، جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا، ایسے معجزات کو کلمات اللہ کہا جاتا ہے جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش بھی عجیب و غریب طریقے سے ہوئی جو خلاف عادت ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کَلِمَۃُ اللّٰہِ کہا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات جبکہ عجیب و غریب بھی ہیں اور عادت کے خلاف بھی، تو انہیں کلمۃ اللّٰہ کیوں نہ کہا جائے؟ پس اس لحاظ سے یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمَاتِہٖ کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ان معجزات پر بھی ایمان لاتے ہیں جو فخر دو عالم سرور بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذات مقدسہ سے ظاہر ہوئے۔ اس طرح نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے نبی ہونے پر اتمام حجت ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب مضبوط دلائل کے ساتھ، جن کا ہم ذکر کر چکے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے تو ضروری ہوا کہ اس امر کا تذکرہ کیا جائے جس کے ذریعے تفصیل شریعت مطہرہ کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اور اس کا معلوم کرنا آپ کے اقوال و افعال سے واقفیت ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اسی کی جانب اللہ جل شانہٗ نے اس آیت میں لفظ وَاتَّبِعُوْا کے ذریعے اشارہ فرمایا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ پیروی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آپ کے اقوال و افعال کو معلوم کیا جائے۔ قول میں آپ کی پیروی اس طرح ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ امر و نہی اور ترغیب و

تربیت کے طور پر فرمایا ہے اسے بے چوں و چرا تسلیم کر لیا جائے اور فعل میں آپ کی پیروی اس طرح کی جائے گی کہ جو کام آپ نے جس طرح کیا ہم بھی اسی طرح کریں اور جس کام سے آپ نے اجتناب فرمایا ہو ہم بھی اس سے دور رہیں۔ معلوم ہوا کہ وَاتَّبِعُوْا کا حکم ان دونوں قسموں کو شامل ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ امر وجوب کو چاہتا ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا وَاتَّبِعُوْا فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر امر و نہی میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہم پر واجب ہے اور ہر فعل میں آپ کی اقتدا ضروری ہے ماسوائے ان افعال کے جن کے بارے میں دلیل سے یہ معلوم ہے کہ وہ آپ کی خصوصیت سے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ان کے ساتھ خاص ہونا تفصیلی دلائل سے ثابت ہے۔

اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ التوبہ کی آیت کریمہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (توبہ:33)

''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ پڑے برا مانیں مشرک''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اعدائے دین کا یہ حال بیان فرمایا کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو باطل ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ میں اس بطلان کا انکار کرتا ہوں اور یہ برحق دین مٹ نہیں سکتا بلکہ عروج و کمال تک پہنچے گا اور اس کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس آخری نبی کو ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے۔ جاننا چاہیے کہ انبیائے کرام کے کمالات کو اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک مندرجہ ذیل امور کو نہ سمجھ لیا جائے۔

اول:۔ ہدایت کے ساتھ بھیجنے کا مفہوم کثرت دلائل اور معجزات کثیرہ کے ساتھ بھیجنا ہے۔

دوم:۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین مختلف قسم کے امور پر مشتمل ہے، جن میں ہر ایک کے اندر بہتری، اصلاح و درستی، حکمت سے مطابقت اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔ اسی لیے اللہ جل شانہ نے اس برحق دین کو دِيْنِ الْحَقِّ فرمایا ہے۔

سوم:۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو دیگر تمام ادیان پر فوقیت اور غلبہ حاصل ہے، اسی لیے یہ منکرین اسلام کے ہر گروہ پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے

یہی مراد ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ایک چیز کا دوسری پر غلبہ کبھی دلائل کے لحاظ سے، کبھی بسبب کثرت اور علو و برتری کے باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر قسم کے غلبہ کی بشارت دی ہے اور خوشخبری اس چیز کی دی جاتی ہے جو مستقبل میں حاصل ہونے والی ہو۔ اس دین متین کا دلائل وبراہین کے ساتھ غلبہ تو ایک مسلّم امر ہے، پس واجب ہے کہ غلبہ کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے لازم آتا ہے کہ اسلام باقی تمام ادیان پر غالب ہو لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ ہندوستان (بھارت)، چین، روم (اٹلی) اور کفار کے دیگر ممالک میں اسلام باقی دینوں پر غالب نہیں ہے۔ (یہاں سائل نے اسلام کے غلبہ سے مدعیان اسلام کا غلبہ مراد لیا ہے) اس کے مختلف جواب ہیں:

پہلا جواب:۔ اسلام کے خلاف کوئی دین ایسا نہیں جس پر مسلمان غالب نہ آئے ہوں اور بعض ممالک پر مسلّط وقابض بھی رہے ہیں، اگرچہ تمام ممالک پر قابض نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہودیوں پر غالب آئے اور انہیں جزیرہ عرب سے باہر مار بھگایا تھا۔ ملک شام میں نصاریٰ پر غالب آئے اور اس کے گرد روم اور دیگر مغربی ممالک پر قابض ہوئے۔ مجوسیوں کے ملک پر قبضہ کیا اور بت پرستوں کے بیشتر علاقوں پر غالب آئے۔ اسی طرح ترکی اور بھارت میں بھی مسلمانوں کا غلبہ رہا۔ اس طرح بھی باقی ادیان پر اسلام کے غلبہ کی جو اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی تھی وہ واقع ہوگئی۔ چونکہ یہ غیب کی خبر ہے لہٰذا یہ آپ کا معجزہ ہوا۔

دوسرا جواب:۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو باقی ادیان پر غالب رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس وعدے کی تکمیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگی۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ہر شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا اور جو اسلام قبول نہیں کریں گے وہ مسلمانوں کے باجگزار ہوں گے۔

تیسرا جواب:۔ ہوسکتا ہے اس غلبہ سے جزیرہ عرب میں اسلام کا غلبہ مراد ہو۔ اگر مراد یہی ہے تو ایسا ہو چکا ہے کیونکہ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ عرب میں کوئی کافر نہیں رہا تھا۔

چوتھا جواب:۔ ہوسکتا ہے کہ دین سے مراد سرور کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہو، یعنی اللہ جل شانہٗ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین کے جملہ احکام پر مطلع کردے گا اور کوئی چیز آپ

پر مخفی نہ رہے گی تاکہ یہ دین بالکل مکمل ہو جائے۔ اس تقدیر پر لِیُظْھِرَہٗ کی ضمیر کا مرجع فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں گے نہ کہ دین۔

پانچواں جواب :۔ اس آیت سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ دلیل اور بیان سے آپ کے دین کو غلبہ دیا جائے گا، اگرچہ یہ وجہ کمزور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ مستقبل کے بارے میں فرمایا ہے اور دلائل و براہین کی قوت اور غلبہ تو اسلام کو شروع ہی سے حاصل ہے۔ ہاں اس کی یہ صورت ممکن ہے کہ شروع میں مسلمانوں کی قلت اور کفار کی کثرت کے باعث بہت سے شبہات وارد کیے جا رہے تھے اور کفار نے تمام لوگوں کو مسلمانوں کے دلائل میں غور و خوض کرنے سے منع کر رکھا تھا لیکن جب اسلام کو قوت اور شوکت حاصل ہوگئی تو کفار عاجز ہو گئے اور ان کے شکوک و شبہات بھی نڈھال ہو کر رہ گئے۔ اس طرح اسلام کو دلائل کے منظر عام پر آنے کے باعث تقویت پہنچی اور غلبہ حاصل ہو گیا۔

ہمارا غم خوار آقا

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ التوبہ کی آیت کریمہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں کئی مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سورت کی تبلیغ کا حکم دیا تو آپ نے مخلوق خدا تک اسے پہنچانے کی خاطر تکالیف شدیدہ برداشت کیں، جنہیں صرف وہی ہستی برداشت کر سکتی ہے جسے توفیق و کرامت کی خلعت سے نوازا گیا ہو۔ اس سورت کی اللہ تعالیٰ نے ایسے محبت آمیز لفظوں میں ختم کیا جو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تکالیف کی شدت میں تسکین و راحت کا سامان بنے ہوں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ سے فرمایا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم میں سے ہیں۔ پس انہیں دنیا میں جو عزت و شرافت حاصل ہے وہ تمہارے لیے بھی سرمایہ افتخار ہے۔ علاوہ بریں وہ تمہارے انتہائی خیر خواہ ہیں کہ تم محنت و مشقت میں پڑ جاؤ تو یہ صورت حال ان پر گراں گزرتی ہے اور وہ دنیا اور آخرت کی ہر ایک بھلائی کو تم لوگوں تک پہنچانے میں بڑے ہی کوشاں رہتے

ہیں۔ گویا وہ تمہارے حق میں ایک مہربان طبیب اور مشفق باپ کی طرح ہیں۔

مہربان طبیب کو کبھی اس طرح بھی علاج کرنا پڑ جاتا ہے جس کا برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے اور ایک مشفق باپ کو کبھی سختی کے ساتھ بھی ادب سکھانا پڑ جاتا ہے لیکن مستفید ہونے والا اگر اس حقیقت سے باخبر ہو کہ طبیب مہربان اور والد محترم شفیق ہے تو سخت علاج اور سخت آداب کو آسانی سے برداشت کرتا اور ان کی شدت کو لطف و کرم گردانتا ہے۔

پس جب تم نے جان لیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تو انکی وجہ سے تمہیں جن تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ان کا برضا و رغبت استقبال کرو تا کہ دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا کہ اگر یہ لوگ ان تکالیف کو قبول کرنے سے پس و پیش کریں تو ان سے منہ پھیرلو، ان کی جانب ذرا بھی توجہ نہ فرماؤ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے تمام امور کو اسی کے حوالے کر دو اور یہ اعلان فرما دو:

حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾ (توبہ)

''مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے''۔

یہ اس سورت کے آخری الفاظ ہیں۔ یہ اختتام معنوی لحاظ سے بڑا حسین و جمیل ہے کہ اس کمال منصب کی نشان دہی کرتا ہے جو بارگاہ الٰہی میں اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

دوسرا مسئلہ

جاننا چاہیے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پانچ قسم کے اوصاف بیان فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

پہلا وصف: اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَنْفُسِكُمْ فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔

ا۔ یعنی دیکھنے میں وہ بھی تمہاری طرح کے انسان معلوم ہوتے ہیں یا تمہاری طرح کے بشری تقاضے ان کے ساتھ بھی ہیں، جیسا کہ اسی سلسلے میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ (یونس:2)

''کیا لوگوں کو اس کا اچنبھا ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی''۔

یا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکھف:110)

''ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں''۔
اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اگر فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنس ملائکہ سے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان کی پیروی کر کے منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

۲۔ مِنۡ اَنۡفُسِكُمۡ میں خطاب اہل عرب سے ہے یعنی وہ تم سے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس سے وادیوں کے سبب آپ کا سلسلہ پیدائش نہ ملتا ہو۔ وہ فرماتے مضر، ربیعہ اور یمانی ہیں۔ چنانچہ مضر اور ربیعہ عدنانی ہیں اور یمانی قحطانی ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ۔ اس میں مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ فرما کر یہ ترغیب دینا مقصود ہے کہ اہل عرب ان کی نصرت واعانت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور گویا ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو دنیاوی حکومت اور رفعت حاصل ہو رہی ہے۔ یہ تمہارے لیے بھی تو باعث عزت اور سرمایہ افتخار ہے کیونکہ وہ تم میں سے ہیں اور نسب کے لحاظ سے وہ تم سے علیحدہ تو نہیں ہیں۔

۳۔ مِنۡ اَنۡفُسِكُمۡ میں خطاب اہل حرم سے ہے کیونکہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں اہل حرم کو اللہ والے کہا کرتے تھے، انہیں خاص سمجھتے اور ان کی خدمت بجالاتے تھے۔ اہل حرم بھی مشکل معاملات میں ان کی دستگیری کیا کرتے تھے۔ یہاں گویا اہل عرب سے کہا جا رہا ہے کہ تم نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گری سے پہلے ان کے اسلاف کی تعظیم وتوقیر اور خدمت گزاری میں پیش پیش رہتے تھے تو ان کی خدمت گزاری سے کیوں پہلو تہی کرتے ہو حالانکہ بزرگی اور شرافت میں وہ اسلاف تو ان کے پاسنگ بھی نہیں تھے۔

۴۔ اس وصف کے تذکرے سے آپ کی پاکدامنی اور طہارت سے لوگوں کو خبردار کرنا مقصود ہے۔ گویا فرمایا جا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے قبیلے سے ہیں۔ تم ان کے صدق وامانت اور عفت وصیانت سے اچھی طرح باخبر ہو۔ علاوہ بریں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ تم سے مصائب وآفات کو دفع کرنے اور ہر بھلائی سے تمہیں ہمکنار کرنے میں ہمہ وقت کوشاں رہے ہیں۔ جس کی یہ حالت اور ایسے اوصاف ہوں، اس کا تم میں سے ہونا، اللہ تعالیٰ کا تم پر کتنا بڑا انعام ہے۔

اس کی ایک قرأت میں مِنۡ اَنۡفَسِكُمۡ یعنی فائے مفتوحہ کے ساتھ بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ تم میں سب سے بزرگ اور افضل ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأت ہے۔

دوسرا وصف:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ۔ جاننا چاہیے عَزِيۡزٌ سے سخت غالب مراد

ہے اور عزت سے زیادہ سخت غلبہ اور کس چیز کا ہوسکتا ہے! عنت مصائب میں اس طرح گھرے ہوئے انسان کو کہتے ہیں جو بے بس ہو چکا ہو۔ امام فراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَا عَنِتُّمْ میں لفظ ما یہاں رفع کی جگہ ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ تمھارا مشکلات میں گرفتار رہنا ان پر گراں گزرتا ہے اور تمہیں نقصان پہنچانے والے امور سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے اور وہ انہیں دور کرنے کی پوری کوشش فرماتے رہتے ہیں۔

سب سے بڑی تکلیف دہ چیز اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور وہ اسی سے بچانے کی خاطر بھیجے گئے ہیں۔

تیسرا وصف:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ۔ حرص کا ذاتیات سے متعلق ہونا ممنوع ہے لیکن یہاں حریص سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں تمہیں بھلائیوں سے ہمکنار کرنے کے بڑے خواہشمند ہیں۔

چوتھا اور پانچواں وصف:۔ ارشادِ ربانی ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے اسمائے حُسنیٰ سے یہ دو نام فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائے ہیں یعنی رؤف اور رحیم۔ (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

حیاتِ مصطفیٰ کی قسم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الحجر کی آیت کریمہ:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾ (الحجر)

"اے محبوب! تمہاری جان کی قسم، بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں"۔

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے درجہ امامت کے مطابق یوں جواہر ریزی فرمائی ہے:

إِنَّ الْخِطَابَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ إِنَّهُ تَعَالٰى أَقْسَمَ بِحَيَاتِهِ وَمَا أَقْسَمَ بِحَيَاةِ أَحَدٍ وَ ذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْرَمُ الْخَلْقِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى، (ص١٦٦)

"یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات مقدسہ کی قسم کھائی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی دوسرے کی حیات کی قسم نہیں کھائی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ساری مخلوق سے بزرگ ترین ہیں" (1)۔

1۔ وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
(حدائق بخشش)

رحمت دو عالم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الانبیاء کی آیت کریمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین اور دنیا میں رحمت ہیں۔ دین میں رحمت اس لحاظ سے ہیں کہ جب آپ کی جلوہ گری ہوئی اس وقت لوگ جاہلیت اور گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور اہل کتاب بھی دین کے معاملے میں حیران اور سرگرداں تھے کیونکہ انبیائے کرام کے دور کو ایک عرصہ گزر چکا تھا، ان کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اور ان کی کتابوں میں تحریف کے باعث بہت زیادہ اختلاف واقع ہو گیا تھا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جبکہ ایک حق کے متلاشی کو سعی بسیار کے باوجود بھی راہ ہدایت نہ ملتی تھی۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلایا، کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح کا راستہ دکھایا، احکام مشروع فرمائے اور حلال و حرام کی تمیز سکھائی، لیکن اسی رحمت سے وہی مستفید ہو سکتا ہے جو حق کا متلاشی اور طلب گار رہو اور زمانہ جاہلیت والوں کی تقلید سے کنارہ کش ہو جائے بغض و عناد اور تکبر کو نزدیک نہ پھٹکنے دے، ایسے حالات میں توفیق اس کا ساتھ دیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ (حم السجدہ)

''ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے''۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں رحمت اس طرح ہیں کہ آپ کی وجہ سے لوگ انتہائی ذلت اور قتل و غارت گری سے نجات پا گئے اور آپ کے دین کی برکات سے انہوں نے مدد حاصل کی۔

اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت کس طرح ہیں جبکہ آپ نے تلوار کے ذریعے دوسری قوموں کو ہلاک کیا اور انکے اموال کو غنیمت قرار دے کر اس کا استعمال میں لانا مباح ٹھہرایا۔ اس کے مختلف جواب ہیں۔

وجہ اوّل: آپ نے تلوار صرف ان شخص کے خلاف اٹھائی جس نے تکبر اور سرکشی کا مظاہرہ کیا یا حق کے ساتھ بغض و عناد رکھنے کا راستہ اختیار کیا، عاقبت کو نظر انداز کر دیا اور حق و باطل میں تمیز نہ کی۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے لیکن نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے۔ نیز اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ق:9)

3

''اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا''۔

حالانکہ یہی پانی جس کے لیے مُبَارَ ک کا فرمایا ہے بعض اوقات تباہی و بربادی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

وجہ دوم:۔ ہمارے نبی سید محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جس نبی کو جھٹلایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو زمین میں دھنسا دیا، یا ان کی صورتیں مسخ کر دیں (بدل دیں) یا انہیں غرق کر دیا لیکن:

وَاِنَّهٗ تَعَالٰی اَخَّرَ عَذَابَ مَنْ كَذَّبَ رَسُوْلَنَا اِلَى الْمَوْتِ اَوْ اِلَى الْقِيَامَةِ وَقَالَ تَعَالٰی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ط(ص ۱۶۶)

''لیکن ہر اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے موت تک یا قیامت تک عذاب کو مؤخر فرما دیا ہے جس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم ان لوگوں کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک محبوب! تم ان میں جلوہ افروز ہو''۔

وجہ سوم:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن اخلاق کے پیکر تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم)

''اور بیشک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی ہلاکت کے لیے دعا فرمانے کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا: مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے میں عذاب لانے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا گیا ہوں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی آخر ایک بشر ہوں۔ میں بھی دوسرے انسانوں کی طرح غصّے میں آ جاتا ہوں، پس میں کسی کے لیے نامناسب الفاظ ادا کر بیٹھوں یا کسی پر لعنت کروں تو اے اللہ! قیامت کے دن ان لفظوں کو اس کے لیے رحمت بنا دینا۔

وجہ چہارم:۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان والوں کے لیے خاص طور پر رحمت ہیں۔ حضرت امام ابوالقاسم انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں اقوال ایک ہی مفہوم کی جانب راجع ہیں کیونکہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے لیے ہی رحمت ہیں اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نشانیوں میں غور و فکر کریں، لیکن جو اعراض کریں یا تکبر کے راستے پر گامزن ہو جائیں تو اپنے افعال کے باعث انہیں مبتلائے مشقت ہونا پڑے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ (حم السجدہ:44)

''اوران پر اندھاپن ہے''۔

مدارج تبلیغ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ صٓ کی آیت کریمہ:

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ۝٨٦ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝٨٧ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ۝٨٨ (صٓ)

''تم فرماؤ! میں اس قرآن پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اور میں بناوٹ والوں میں سے نہیں۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کے لیے اور ضرور ایک وقت کے بعد تم اس کی خبر جانو گے''۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو مذکورہ مبارک بیان سے پورا فرمایا ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے کتنے ہی ایسے طریقے بتائے ہیں جن کا طلب دین کے راستے میں احتیاط کے طور پر مدِ نظر رکھنا واجب ہوتا ہے۔ یہاں اس سورت کے اختتام پر فرمایا ہے کہ اے محبوب! انہیں دعوت غور وفکر بھی دو کہ جس ذات کی طرف میں بلاتا ہوں اس کے ساتھ ہی تم داعی اور دعوت کے حال پر بھی نظر ڈال لو تا کہ حق و باطل میں تمیز کر سکو۔ داعی تمہارے سامنے موجود ہے اور میں اس دعوت کا تم سے کوئی معاوضہ یا مال طلب نہیں کرتا اور یہ ظاہر بات ہے کہ جھوٹا آدمی کبھی مال کی حرص وطلب سے دست بردار نہیں ہوتا۔ لیکن یہ اظہر من الشّمس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے ہمیشہ دور رہے اور کبھی آپ دنیا کی جانب راغب نہیں ہوئے (جیسا کہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں ہر قوم ہے) جہاں تک دعوت کی کیفیت کا تعلق ہے تو آپ نے اعلان فرما دیا کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مفسرین کرام نے لفظ مُتَكَلِّف کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں:

ا۔ ظن غالب اسی مفہوم کی طرف ہے کہ میں تمہیں ایسے دین کی طرف بلاتا ہوں جو اپنے واضح دلائل کے باعث محتاج تعارف نہیں ہے، لہٰذا اس کی صحت ثابت کرنے کی خاطر مجھے تکلفات میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دین تو ایسا دین ہے جس کی صحت پر عقل بھی دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے میں سب سے پہلے تمہیں وجود باری کا اقرار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

۲۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقصان سے پاک ہے اور جملہ ایسے امور سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن کریم

یوں کرتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:11)

''اس جیسا کوئی نہیں''۔

اور بھی کتنی ہی آیات اس مفہوم پر صریح دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ اس کے بعد میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ علم وقدرت اور حکمت ورحمت کی صفات سے بالذات متصف ہے۔

۴۔ چوتھے مرحلے میں تمہیں یہ دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو یا اس کی ضد پائی جائے۔

۵۔ پانچویں مرحلے میں تمہیں ان بتوں کی پوجا کرنے سے منع کرتا ہوں کیونکہ یہ عبادت کے لائق نہیں بلکہ حقیر جمادات ہیں، جن کی عبادت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور نہ ان سے اعراض کرنے میں کسی قسم کا نقصان ہے۔

۶۔ اس کے بعد تمہیں انبیائے کرام وملائکہ عظام کی ارواح طاہرہ مقدسہ کی تعظیم وتوقیر کی دعوت دیتا ہوں۔

۷۔ ازاں بعد تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور قیامت یقینی ہے تاکہ:

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ (النجم)

''تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے''۔

۸۔ بعد ازیں دنیا سے منہ پھیرنے اور آخرت کو سنوارنے میں کوشاں رہنے کی دعوت دیتا ہوں۔

یہ آٹھوں اصول ایسے ہیں جو اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دین میں مستحکم اور معتبر ہیں نیز عقل بدیہی اور اوّلین قوتِ فکر یہ ان آٹھوں اصولوں کی صحت پر شاہد ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ جس شریعت کی طرف میں مخلوق خدا کو بلاتا ہوں اس کے بارے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا جا رہا بلکہ طبع مستقیم اور عقل سلیم بھی اس کی صحت وجلالت پر گواہ ہیں اور ان پر واضح ہے کہ باطل اور فساد سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں، اسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (یوسف)

"یہ تو نہیں مگر سارے جہان کو نصیحت"۔

ان مقدمات کی وضاحت کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آگے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ فرمایا ہے۔ اس کا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے جاہلیت پر اصرار کیا اور اپنے جاہل اسلاف کی تقلید کی اور حق کی دعوت کا انکار کیا تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دعوت سے اعراض کرنے میں تم حق بجانب تھے یا خطا کار۔ اس کے بعد امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوف دلانے اور ڈرانے کے بارے میں مذکورہ بالا بیانات کے مطابق اور بہت کچھ لکھا ہے۔

حضور کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے

امام فخر الدین والملت رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الضحیٰ کی مندرجہ ذیل آیات:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ (الضحیٰ)

"تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بیشک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب آیت مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ نازل ہوئی تو اس کے نزول سے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب رفیع کا اظہار اور عزت افزائی ہوئی اور اس عزّ وشرف کے پیش نظر آپ کی تعظیم وتوقیر پر لوگوں کو ابھارنے کی خاطر فرمایا کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ یعنی عزّ و شرف تو انتہائی آپ کو دنیا میں بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں جس طرح آپ کو نوازا جائے گا اور آپ کی رفعت کا اظہار ہوگا، اس کے پیش نظر دنیا سے آپ کے لیے آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ عظمت والی ہے۔ آگے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس آیت کا کلام ماسبق سے دو طرح اتصال ہے، جس سے باخبر رہنا چاہیے، چنانچہ:

پہلا:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے تو اس فرق کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی تھی، لیکن اس آیت کریمہ میں اس تفاوت کی مقدار بیان فرمادی اور مذکورہ بہتری کی غایت کو یوں واضح فرمایا کہ میرا محبوب وہاں نوازشات کی جتنی بارش پر راضی ہوگا اتنی برسا کر راضی کرلوں گا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (1)۔

1۔ مولانا حسن رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

فَتَرْضٰى نے ڈالی ہیں باہیں گلے میں — کہ ہو جائے راضی طبیعت کسی کی

دوسرا:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى تو اس سے ان معاندین کا منہ بند ہوگیا جو یہ کہتے تھے کہ آپ کس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں آخرت میں اسی طرح ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا کہ آخرت میں سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا اور اس دار فانی میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ یہاں سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام مرضیات کو پورا کیا جاسکے، چنانچہ اس لحاظ سے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ہم راضی کرنے کے وعدے کو آخرت پر محمول کریں تو اسے کبھی منافع پر محمول کرنا ہوگا اور کبھی تعظیم پر۔ منافع کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جنت میں ایک ہزار مکان سفید موتیوں کے ہیں۔ ان کی مٹی مشک ہے اور باقی سب کچھ اسی مناسبت سے ہے۔ تعظیم کے بارے میں حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد امت کی شفاعت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم بیکسوں کے آقا و والی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِىْ فِى النَّارِ۔ (ص ۱۶۸)

''اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا تو میں راضی نہیں ہوں گا''۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس وعدے کو شفاعت پر محمول کرنا کئی وجہ سے متعین ہے، مثلاً:

اوّل:۔ اللہ تعالیٰ نے سرور کون و مکان ﷺ کو حکم دیا کہ دنیا میں استغفار کرتے رہیں، چنانچہ فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ (محمد:19)

''اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو''۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کو استغفار کا حکم دیا ہے اور استغفار مغفرت طلب کرنے کو کہتے ہیں اور جب کوئی کسی چیز کا طلبگار رہتا ہے تو وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس کا سوال رد کردیا جائے اور نہ وہ اس سے خوش ہوگا بلکہ اسے تو خوشی اس وقت ہوگی جب اس کی طلب پوری ہوجائے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ جس سے رسول اللہ ﷺ راضی ہوسکتے ہیں وہ سوال کا پورا ہونا ہے نہ کہ اس کا رد کیا جانا۔ پس:

دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّهٗ تَعَالٰى يُعْطِيْهِ كُلَّ مَا يَرْتَضِيْهِ عَلِمْنَا اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ دَالَّةٌ عَلَى الشَّفَاعَةِ فِىْ حَقِّ الْمُذْنِبِيْنَ۔ (ص ۱۶۸)

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا فرمائے گا

جس سے آپ راضی ہوں گے۔ (اس سے) ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ آیت گنہگاروں کی شفاعت پر دلالت کرتی ہے"۔

دوم:۔ اس آیت کریمہ کا پہلا حصہ اس مفہوم سے مناسبت رکھتا ہے گویا:

اِنَّهٗ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَا اُوَدِّعُکَ وَلَا اُبْغِضُکَ بَلْ لَّا اَغْضِبُ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِکَ وَ اَتْبَاعِکَ وَ اَشْیَاعِکَ طَلَبًا لِمَرْ ضَا تِکَ وَتَطْیِیبًا لِقَلْبِکَ فَھٰذَا التَّفْسِیْرُ اَوْ فَقُ لِمُقَدِّمَةِ الْاٰیَةِ۔ (ص ۱۶۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! نہ تمہیں چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا بلکہ تمہارے کسی صحابی سے بھی ناراض نہیں اور نہ تمہارے کسی پیروکار اور ساتھ دینے والے ہی سے ناراض ہے، جو تمہاری رضا کا طلبگار ہے اور تمہارے دل کو راحت پہنچاتا ہے۔ یہ تفسیر اس آیت کے مقدمے سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہے"۔

سوم:۔ شفاعت کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی چاہتے ہیں کہ گنہگاروں کی معافی ہو جائے اور یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ:

اِنَّهٗ تَعَالٰی یَفْعَلُ کُلَّ مَا یَرْ ضَاهُ الرَّسُوْلُ فَتَحَصَّلَ مِنْ مَجْمُوْ عِ الْاٰیَةِ الْخَبَرِ حُصُوْلُ الشَّفَا عَةِ۔ (ص ۱۶۸)

"اللہ تعالیٰ بیشک وہی کچھ کرے گا جو اس کا رسول چاہے گا۔ پس اس آیت اور حدیث کو جمع کرنے سے شفاعت کا حصول ثابت ہوتا ہے"۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میرے جدّ امجد (سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رضا اس میں ہے کہ ایک خدا کو ماننے والا کوئی جہنم میں داخل نہ ہو۔ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے مفہوم و معانی میں دسترس رکھنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں سب سے پر امید یہ آیت کریمہ ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ (زمر)

"اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو"۔

اور اہل بیت کہتے ہیں کہ سب سے امید افزا مندرجہ ذیل آیت ہے:

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ؕ﴿۵﴾ (الضحیٰ)

''اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے''۔

اللہ کی قسم یہ وہ شفاعت ہے جو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے کے لیے آپ کے راضی ہونے تک عطا فرمائی ہے (1)۔

مذکورہ تقریر اس صورت میں ہے کہ مذکورہ آیت کو احوال آخرت پر محمول کریں اور اگر اسے احوال دنیا پر محمول کیا جائے تو یہ اشارہ اس جانب ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں پر غزرہ بدر اور فتح مکہ میں فتح وظفر سے نوازا اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بنی قریظہ و بنی نضیر پر غلبہ دے کر انہیں جلاوطن کروایا اور آپ کی بڑی چھوٹی افواج کا بلادِ عرب میں پھیل جانا اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مختلف شہروں کو فتح کرنا اور جابر بادشاہوں کی مملکتوں کا ان کے ہاتھوں تباہ ہونا، کسریٰ کے خزانوں پر قابض ہونا اور مشرق سے مغرب تک ان کا رعب اور اسلام کی ہیبت کا چھا جانا اور اسلام کی دعوت کا دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جانا ہے۔ ہماری رائے میں دنیا اور آخرت دونوں ہی کی بھلائی پر اس آیت کو محمول کرنا اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس آیت کریمہ میں یُعۡطِیۡکُمۡ نہیں فرمایا لیکن فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل یہ سعادتیں غلامان مصطفیٰ کو بھی علیٰ قدر مراتب حاصل ہیں اور اس بشارت میں شمولیت اہل ایمان کی مختلف وجوہات ہیں مثلاً:

پہلی وجہ:۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اگرچہ مقصود اصلی ہیں لیکن مومن آپ کے تابع ہیں۔

دوسری وجہ: جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو عزت وفضیلت سے نوازا تو حقیقت میں یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے باعث تھا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت ان پر اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ صحابہ کرام پر انعام واکرام کی بارش ہونے پر اتنی مسرت وشادمانی ہوتی تھی جتنی خود اپنی ذات کو نوازے جانے پر بھی نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے تو قیامت میں دیگر انبیائے کرام نفسی نفسی پکاریں گے یعنی اے اللہ! مجھے جزا اور ثواب امت سے پہلے عطا فرما کیونکہ میری اطاعت میری امت کی اطاعت سے پہلے ہے لیکن آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ

1۔ کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ، پرہیز گاری واہ واہ
اشک، شب بھر انتظارِ عفوِ اُمت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ
مجرموں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے رحمت کی نگاہ
طالع برگشتہ تیری سازگاری واہ واہ
عرض بیگی ہے شفاعت عفو کی سرکار میں
چھنٹ رہی ہے مجرموں کی فرد ساری واہ واہ
(کلام رضا)

تعالٰی علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہے ہوں گے: امتی۔ یعنی اے اللہ! میری امت کو پہلے بہتر جزا عطا فرما کیونکہ میری مسرت وشادمانی اسی میں ہے کہ اپنی امت کو ثواب میں کامران دیکھوں (1)۔

تیسری وجہ:۔ گویا اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میرے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میرے ساتھ اچھا معاملہ کیا ہے کہ جب لوگوں نے ان کے چہرہ انور کو زخمی کر دیا (اور دندان مبارک شہید کر دیے) اس وقت بھی ان کے لیے یہ دعا کی: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت مرحمت فرما، یہ جانتے نہیں ہیں۔ لیکن خندق کے روز جب انہیں نماز سے روک دیا گیا تو یوں دعا کی: اے اللہ! ان کے پیٹ آگ سے بھر دے۔ یعنی اپنے جسم پر زخم آیا تو اسے برداشت کیا لیکن جب دین کے چہرے پر زخم آیا تو اسے برداشت نہ کیا، کیونکہ نماز دین کا چہرہ ہے۔ یعنی میرے حبیب نے اپنے حق سے میرے حق کو مقدم رکھا۔ اسی لیے میں نے ان کو فضیلت دی اور:

فَقُلْتُ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ سِنِیْنَ اَوْحَبَسَ غَیْرَہٗ عَنِ الصَّلٰوۃِ سِنِیْنَ لَا اُکَفِّرُہٗ وَمَنْ اٰذٰی شَعْرَۃً مِّنْ شَعْرَتِکَ اَوْجُزْءًا مِنْ نَعْلِکَ اُکَفِّرُہٗ۔ (ص ۱۶۹)

"پس میں نے کہہ دیا کہ جو سالہا سال تک نماز نہ پڑھے یا دوسرے کو سالہا سال تک نماز پڑھنے سے روکے رکھے تب بھی اسے کافر شمار نہیں کروں گا لیکن جو میرے حبیب کے ایک بال کو یا ان کے نعلین مبارک کے کسی حصے کو بھی تکلیف دے اسے کافر شمار کروں گا"۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اور بھی اتنے ہی فوائد ذکر کیے ہیں، تحقیق کا شوق رکھنے والے حضرات ان کی تفسیر کبیر کی طرف رجوع کریں۔

رفعت ذکر مصطفٰی

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ الانشراح کی آیت کریمہ:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؁ (الانشراح)

"اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا"۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے: جاننا چاہیے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت اور شہرت کے ذکر میں عام ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے اسم مبارک کو عرش پر لکھا نیز شہادت اور تشہد (نماز، اذان واقامت) میں اپنے ذکر کے ساتھ اپنے حبیب کا ذکر رکھا اور پہلی کتابوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا

1۔ اعلٰحضرت نے فرمایا ہے:۔ غمزدوں کو رضا مژدہ دیجیے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

اور آپ کے ذکر کو شہرہ آفاق کیا اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا، علاوہ بریں خطبوں، اذانوں، صحائف اور کتب میں آپ کا ذکر کرنا اور قرآن کریم میں اپنے ساتھ فخر دو عالم ﷺ کے ذکر کو ملانا مثلاً:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (توبہ:62)

''اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے''۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (النساء)

''اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا''۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (محمد:33)

''اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو''۔

اور سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رسول اور نبی کے لفظوں سے بلانا جبکہ دوسرے انبیائے کرام کو نام لے کر مخاطب فرمایا تھا مثلاً یا موسیٰ، یا عیسیٰ وغیرہ اور دلوں کو آپ کی طرف مائل کر دیا کہ حسب استطاعت وہ آپ کے ذکر میں مشغول اور تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے:

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم)

''عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا''۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں تمہارے تابعداروں سے دنیا کو بھر دوں گا، جو تمہاری حمد وثنا کریں گے، تمہاری بارگاہ میں درود پاک کے نذرانے پیش کرتے رہیں گے، تمہاری سنتوں کی حفاظت کریں گے بلکہ کوئی فرض نماز ایسی نہیں ہوگی جس کے ساتھ سنتیں نہ ہوں۔ وہ فرض ادا کرنے میں میرے حکم کی تعمیل کریں گے اور سنتیں ادا کر کے تمہاری بارگاہ کے غلام ہونے کا ثبوت پیش کریں گے۔ میں نے تمہاری اطاعت کو اپنی اطاعت اور تمہاری بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (نساء:80)

''جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ (الفتح:10)

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں''۔

حتیٰ کہ بادشاہان ممالک بھی تمہارے در کی غلامی کو سرمایۂ افتخار سمجھیں گے۔ قاری حضرات

(محدثین) تمہارے منشور کے الفاظ کو محفوظ رکھیں گے، مفسرین تمہارے نسخۂ کیمیا (قرآن مجید) کے مفہوم ومعانی بیان کریں گے، واعظ تمہاری نصیحتوں کو دوسروں تک پہنچائیں گے، جتید اساطین علم اور سلاطین تمہارے دربارِ دُربار میں غلامانہ حاضر ہوا کریں گے اور تمہارے درِرحمت سے دور ہونے کے باوجود بھی سلام عرض کرتے رہیں گے اور تمہارے روضہ اطہر کی مٹی کو اپنے چہروں کی زیب وزینت بنائیں گے اور تمہاری شفاعت پر ہمیشہ بھروسہ کرتے رہیں گے اور تمہارا اعزّ وشرف تا قیامت اسی طرح باقی رہے گا۔

صاحب کوثر

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝٣ (1)

"اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے"۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورہ کوثر کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں دو مختلف فوائد ہیں:

پہلا فائدہ:۔ یہ سورت پہلی سورتوں کے لیے تتمہ اور بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی مانند ہے۔ پہلی سورتوں کے لیے تتمہ کی طرح اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور آپ کے حالات (فضائل وکمالات) کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سورت کی ابتدا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے:

ا۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝٣ (الضحیٰ)

"تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا"۔

۲۔ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ ٱلْأُولَىٰ ۝٤

"اور بیشک پچھلی تمہارے لیے پہلے سے بہتر ہے"۔

۳۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰٓ ۝٥

"اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"۔

پھر اس سورت کو ختم کرنے سے پہلے فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات سے تین احوال کا ذکر فرمایا جن کا تعلق دنیاوی حالات سے ہے۔ وہ تین احوال یہ ہیں:

1۔ اسی لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے:

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ   لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ

۱۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾

''کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا، پھر جگہ دی''۔

۲۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾۔

''اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

۳۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾

''اور تمہیں حاجت مند پایا، پھر غنی کر دیا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سرورکون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ کے اندر تین ایسی عنایات کا ذکر فرمایا، جن کے باعث آپ کو ممتاز فرمایا ہے:

۱۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ (انشراح)

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔''

۲۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾

''اور تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی''۔

۳۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾

''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا''۔

اس کے بعد سورہ وَالتِّيْنَ میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزّ وشرف کی تین اقسام بیان فرمائیں:

۱۔ اَوَّلُهَا اَنَّهٗ تَعَالٰى اَقْسَمَ بِبَلَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَقَوْلُهٗ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾

''پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم کھائی وہ ارشاد ربانی یہ ہے: اور اس امانت والے شہر کی قسم کھاتا ہوں''۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ امت محمدیہ کی دوزخ سے خلاصی کا مژدہ سنادیا گیا اور فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے''۔

۳۔ مومنوں کو ثواب اور عنایات سے نوازنے کی بشارت سنادی، جیسا کہ فرمایا ہے:

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾

"ان کے لیے بے حد ثواب ہے"۔

اس کے بعد سورہ علق میں فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تین عنایات فرمانے کا ذکر فرمایا:

۱۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ یعنی اپنے رب کے نام سے مدد حاصل کرتے ہوئے لوگوں کو قرآن کریم سناؤ۔

۲۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ:

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾

"اب پکارے اپنی مجلس کو، ابھی ہم سپاہیوں کو بلاتے ہیں"۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قربِ خاص سے نوازا ہے، جس کا یوں ذکر فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ (علق)

"(اس کی نہ سنو) اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ"۔

اور سورۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کا ذکر فرمایا ہے جو شب قدر کے ذریعے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ اس میں بھی تین طرح فضیلت کا اظہار فرمایا گیا ہے:

۱۔ یہ رات ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔

۲۔ اس میں فرشتے اور روحوں کا نزول ہوتا ہے۔

۳۔ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی والی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بینہ میں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل امت محمدیہ کو تین خصوصیات اور کرامتیں مرحمت فرمائی ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اَوَّلُهَا اَنَّهٗ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾۔ پہلی خصوصیت یہ کہ وہ ساری مخلوق سے بہتر ہے۔

۲۔ وَثَانِيْهَا اَنَّ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٍ۔ دوسری یہ کہ ان کے رب کے پاس ان کی جزا بہشتیں ہیں۔

۳۔ وَثَالِثُهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اور تیسری خصوصیت یہ کہ اللہ ان سے راضی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ زِلزَال میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین طرح عزّ و شرف سے نوازا ہے:

۱۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ "اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی"۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مقتضی یہ ہے کہ قیامت کے روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت

کے بارے میں طاعت اور عبودیت کی گواہی دے گی۔

۲۔ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۞ ۔ یہ ارشادِ الٰہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں پر ان کے اعمال پیش کیے جائیں گے اور نیک اعمال کو دیکھ کر انہیں مسرت و شادمانی ہوگی۔

۳۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ ۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے بڑی بھلائی ہے۔ پس یقیناً انہیں اس کا ثواب حاصل ہوگا۔

اس کے بعد سورۃ العادیات میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے غازیوں اور مجاہدوں کو سراہا اور ان کے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔ یہاں ان کے گھوڑوں کے تین اوصاف بیان فرمائے ہیں:

۱۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۞ "قسم ان کی جو دوڑتے ہیں، سینے سے آواز نکلتی ہوئی۔"

۲۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۞ "پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر۔"

۳۔ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۞ "پھر صبح ہوتے تاراج کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کو سورہ اَلْقَارِعَة میں تین چیزوں کے ساتھ شرف بخشا ہے:

۱۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ "تو جس کی تولیں بھاری ہوئیں۔"

۲۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞ "وہ تو من مانے عیش میں ہیں۔"

۳۔ وہ اپنے دشمنوں کو (نَارٌ حَامِيَةٌ) "بھڑکی ہوئی آگ میں دیکھیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورہ تکاثر میں یہ شرف بخشا کہ جو لوگ آپ کے دین متین اور آپ کی شریعت مطہرہ سے منہ پھیریں گے انہیں تین طرح عذاب(1) دیا جائے گا:

۱۔ وہ جہنم کو دیکھیں گے۔

۲۔ وہ اسے عین الیقین کے ساتھ دیکھیں گے۔

۳۔ ان سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اور فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورۃ العصر میں تین شرف عطا فرمائے کہ آپ کی امت پر

1۔ دشمن احمد پہ شدت کیجیے ملحدوں سے کیا مروت کیجیے
شرک فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیات ولادت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم نبی اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے
وَالضُّحٰی، حُجُرَات، اَلَمْ نَشْرَحْ سے پھر مومنو! اتمام حجت کیجیے
(حدائق بخشش)

یوں انعامات کی بارش ہوگی کہ:

۱۔وہ دولت ایمان سے مالا مال ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

۲۔وہ اعمال صالحہ سے مزین ہوگی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

۳۔وہ مخلوق خدا کو اعمال صالحہ کا راستہ دکھائے گی نیز انصاف اور صبر کی تلقین کرے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ همزه میں سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فضیلت عطا فرمائی کہ جو آپ کی بدگوئی کرتا پھرے اور پیٹھ پیچھے ناشائستہ الفاظ استعمال کرے اسے تین طرح عذاب دیا جائے گا:

۱۔دنیا میں اس کا مال کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا (یعنی مال کو نیک کاموں میں خرچ نہیں کرے گا یا اگر ایسی جگہ خرچ بھی کرے تو اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا) اس لیے یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾ فرمایا ہے۔

۲۔اسے دوزخ کے اس حصہ میں پھینکا جائے گا جسے حُطَمَہ کہتے ہیں۔

۳۔اسے دوزخ میں پھینک کر دروازے بند کر دیے جائیں گے اور اس سے نکلنے کی ہر امید منقطع ہو جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ (1)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورہ فیل میں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ کے دشمنوں کے مکر و فریب کو تین طرح خاک میں ملا کر رکھ دیا:

۱۔وہ مکر و فریب اور طاقت کے ذریعے جو مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے اسے خاک میں ملا دیا گیا۔

۲۔ان پر اڑتے ہوئے ابابیل بھیجے۔

۳۔ان کو ایسے ہلاک کیا کہ کھائی ہوئی گھاس کی طرح کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورہ قریش میں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ کے آبا و اجداد کی مصلحتوں کے پیش نظر

1۔ وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے
یہ ہے دیں کی تقویت اس کے گھر، یہ ہے مستقیم صراط شر
جو شقی کے دل میں ہے گاؤ خر تو زبان پہ چوہڑہ چمار ہے
وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر، تیرے دل میں کس سے بخار ہے

ان کی تین طرح رعایت فرمائی:

ا۔قریش کے دل موہ لینے کے لیے انھیں موافقت اور محبت کرنے والے بنایا۔

۲۔انہیں بھوک سے محفوظ رکھنے کے لیے بافراغت روزی دی۔

۳۔انہیں خوف سے امن میں رکھا۔

آپ کو سورہ ماعون میں یہ شرف عطا فرمائے گئے کہ آپ کے دین کی مخالفت کرنے والوں کی تین مذموم صفات (برائیاں) بیان فرمائیں:

ا۔ان کا کم ظرف اور ذلیل ہونا بیان فرمایا کہ

يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣

''جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہیں دیتا''۔

۲۔بتایا کہ انہوں نے خالق کی تعظیم کو چھوڑ دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝٦

''جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں، وہ جو دکھاوا کرتے ہیں''۔

۳۔وہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔اسی لیے فرمایا:

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧

''اور برتنے کی چیز مانگے نہیں دیتے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سورتوں میں مذکورہ بالا عظیم فضیلتیں عطا فرمائیں اور عزّ و شرف سے نوازا، تو ان تمام نوازشات کے بعد مژدہ سنایا کہ:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ط اَىْ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ هٰذِهِ الْمَنَا قِبَ الْمُتَكَا ثِرَةَ الْمَذْكُوْرَةَ فِى السُّوَرِ الْمُتَقَدِّمَةِ الَّتِىْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا اَعْظَمُ مِنْ مِلْكِ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا فَاشْتَغِلْ اَنْتَ لِعِبَا دَةِ هٰذَا الرَّبِّ وَ بِاِرْشَادِ عِبَا دِهٖ اِلٰى مَا هُوَ الْاَصْلَحُ لَهُمْ۔(ص۱۷۱)

''ہم نے تمہیں کوثر عطا فرما دیا یعنی ہم نے تمہیں یہ کثیر فضائل و مناقب مرحمت فرما دیے ہیں جن کا پہلی سورتوں میں ذکر موجود ہے۔ان میں سے ہر ایک کمال ساری دنیا کی بادشاہی سے بڑھ کر اور اعلیٰ ہے۔پس تمہیں چاہیے کہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہا کرو اور اس کے بندوں کو ہدایت کرتے رہو۔ان کی بھلائی اور بہتری اسی میں ہے(صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)''۔

اپنے رب کی بدنی عبادت بھی کرتے رہو، جس کے لیے حکم دیا گیا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ (پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو) یا مالی عبادت کرتے رہو جس کے لیے وَانْحَرْ فرمایا گیا ہے یا لوگوں کو ایسی باتوں کی طرف ہدایت کرتے رہنا جو انہیں دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائے، چنانچہ فرمایا ہے: قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ پس

فَثَبَتَ اَنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ يَعْنِىْ سُوْرَةَ الْكَوْثَرِ كَالتَّتِمَّةِ لِمَا قَبْلَهَا مِنَ السُّوَرِ وَاِمَّا اَنَّهَا كَالْاَصْلِ لِمَا بَعْدَهَا فَهُوَ اِنَّهٗ تَعَالٰى يَأْمُرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَعْدَ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بِاَنْ يُكَفِّرَ جَمِيْعُ اَهْلُ الدُّنْيَا بِقَوْلِهٖ قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْ نَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْا۔ (ص ۱۷۱)

''پس ثابت ہوا کہ سورہ کوثر پہلی سورتوں کے تتمے اور بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی مانند ہے اور جب یہ بعد والی سورتوں کے لیے اصل کی طرح ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تمام دنیا داروں (منکرین دین) کو کافر کہا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب! ان سے فرمادو کہ اے کافرو! میں ان (بتوں) کی پوجا نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو''۔

یہ یقینی بات ہے کہ لوگوں کے دین و مذہب میں طعن کرنا ان کی جانوں اور مالوں میں طعن کرنے سے زیادہ گراں گزرتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے باطل ادیان کی خاطر جان اور مال خرچ کردیتے ہیں۔ پس یہ لوگوں کے دین میں طعن کرنا بغض و عداوت کی آگ خوب بھڑکانے اور اس پر تیل چھڑکنے کی طرح تھا، جبکہ دیگر مطاعن سے اس قدر اشتعال پیدا نہ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ساری دنیا کے کافروں کو کافر کے لفظ سے مخاطب کرو اور ان کے ادیان کو باطل قرار دو تو اس کا لازمی ردِ عمل یہی تھا کہ پوری طرح وہ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور یہ ایسا مرحلہ تھا جس نے ہر غیر مسلم کو آپ سے دور کر دیا اور کوئی آپ کے قریب بھی پھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیجیے کہ وہ فرعون اور اس کے لشکر سے خائف تھے۔ لیکن یہاں صورت حال یہ ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے اور ہر دشمن دین و ایمان ہی فرعون ثانی نظر آرہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شدید خوف کے ازالے کی انتہائی لطیف تدبیر فرمائی کہ یہ چونکا دینے والا اعلان کروانے سے پہلے سورہ کوثر نازل فرمادی کیونکہ ارشادِ

ربانی اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ کا مژدہ اس خوف کو زائل کرتا ہے۔ یہ بشارت خوف کو کیسے دور کرتی ہے؟ اس کے مختلف جواب ہیں:

اوّل:۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ

اَيِ الْخَيْرَ كَثِيْرٌ فِي الدُّنْيَا وَ الدِّيْنَ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ وَعْدًا مِنَ اللّٰهِ اِيَّاهُ بِالنُّصْرَةِ وَالْحِفْظِ۔ (ص ۱۷۲)

''یعنی اس سے دین و دنیا کی خیر کثیر مراد ہیں، پس یہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے آپ کی نصرت و حفاظت کا وعدہ کرنا ہے''۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مژدہ سنایا تھا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ (انفال:64)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے''۔

یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ:67)

''اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے''۔

یا جیسے اللہ جل شانہٗ نے وعدہ فرمالیا ہے:

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ (توبہ:40)

''اور تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی''۔

وَمَنْ كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى ضَامِنًا لِحِفْظِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَخْشٰى اَحَدًا۔ (ص ۱۷۲)

''اور جس کی حفاظت کا ضامن اللہ جل شانہٗ ہو جائے وہ کسی سے نہیں ڈرتا''۔

دوم

اِنَّهٗ تَعَالٰى لَمَّا قَالَ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ وَهٰذَا اللَّفْظُ يَتَنَاوَلُ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَخَيْرَاتِ الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا خَيْرَاتُ الدُّنْيَا مَا كَانَتْ وَاصِلَةً اِلَيْهِ حِيْنَ كَانَ بِمَكَّةَ وَالْخُلْفُ فِي كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى مُحَالٌ فَوَجَبَ فِي حِكْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِبْقَائُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَارِ الدُّنْيَا اِلٰى حَيْثُ يَصِلُ اِلَيْهِ تِلْكَ الْخَيْرَاتُ فَكَانَ ذٰلِكَ كَالْبَشَارَةِ لَهٗ وَالْوَعْدِ بِاَنَّهٗ لَا يَقْتُلُوْنَهٗ وَلَا يَقْهَرُوْنَهٗ وَلَا يَصِلُ اِلَيْهِ مَكْرُهُمْ بَلْ

يَصِيْرُ اَمْرُهٗ كُلَّ يَوْمٍ فِي الْاِزْدِيَادِ وَالْقُوَّةِ۔ (ص ۱۷۲)

"جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ ہم نے تمہیں ہر چیز کی کثرت عطا فرمادی تو یہ لفظ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی پر محیط ہوگا۔ لیکن جب تک آپ مکہ معظمہ میں جلوہ افروز رہے اس وقت تک دنیوی بھلائیاں آپ تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور کلام خدا کے خلاف واقع ہوجانا محال ہے۔ پس واجب ہوا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت تک دنیا میں زندہ رکھے جب تک یہ بھلائیاں آپ تک پہنچ نہ جائیں۔ پس یہ آیت آپ کے لیے گویا بشارت ہے اور اس بات کا وعدہ ہے کہ دشمن نہ آپ کو قتل کر سکیں گے اور نہ آپ پر غالب آسکیں گے اور نہ ان کا کوئی مکروفریب آپ پر کارگر ثابت ہو سکے گا، بلکہ امت محمدیہ میں روز بروز اضافہ ہوگا اور جڑیں مضبوط ہوتی جائیں گی"۔

سوم

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ کافر ہیں اور ان کے ادیان کو باطل ٹھہرایا اور انہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو وہ اکٹھے ہوکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پیشکش کی کہ اگر آپ دولت جمع کرنے کی خاطر یہ کام کررہے ہیں تو ہم آپ کے قدموں میں مال ودولت کا اتنا انبار لگادیتے ہیں کہ آپ سب سے بڑے دولت مند ہوجائیں گے۔ اگر آپ کسی عورت سے شادی کرنے کے خواہشمند ہیں تو جس حسینہ وجمیلہ اور معزز ترین عورت کی آپ کو طلب ہو، اس سے ہم شادی کروادیتے ہیں۔ اگر حکومت قائم کرنا آپ کا مقصود ہے تو ہم آپ کو اپنا حکمران بنالینے کے لیے تیار ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اَىْ لَمَّا اَعْطَاكَ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَا تَغْتَرَّ بِمَا لَهُمْ وَ مُرَاعَاتِهِمْ۔ (ص ۱۷۲)

"بیشک ہم نے تمہیں ہر چیز کی کثرت عطا فرمادی یعنی آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے نے تمہیں دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی عنایت فرمادی ہے لہٰذا کفار کے مال ودولت یا مراعات کے جھانسے میں نہ آنا"۔

چہارم

ارشاد الٰہی اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے سرورکون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغیر کسی واسطے کے کلام فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَ كَلَّمَ

اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا کے قائم مقام ہے بلکہ یہ عزّ و شرف میں اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مالک جب اپنے غلام کی تربیت اور اس پر احسان کرنے کو اپنی ذمہ داری قرار دے کر بات کرے تو یہ اس کے علاوہ کلام کرنے کی دوسری صورت سے افضل و اعلیٰ صورت ہے بلکہ اس میں قلب کی تقویت اور بزدلی کو زائل کرنے کا فائدہ موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے مخاطب کرنا خوف کو دل سے زائل کرنے اور بزدلی کو پرے رکھنے کی خاطر تھا۔ اسی لیے سورہ کوثر کو سورہ کافرون سے مقدم رکھا گیا ہے۔ اس سے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس محنت شاقہ کے لیے تیار کرنا تھا جو اہل جہاں کی تکفیر کے اقدام اور ان کے معبودانِ باطل سے اظہار برأت کی صورت میں پیش آنے والی تھی۔ جب اے حبیب! تم نے میرے حکم کی تعمیل کی اور اسے عملی جامہ پہنایا تو ملاحظہ فرماؤ کہ میں نے اپنا وعدہ کس طرح پورا کر دکھایا ہے کہ اہل دنیا سے بکثرت تمہارے تابعدار اور مددگار بنا دیے ہیں، جو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

جب لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور شریعت کو ظاہر کرنے کے مراحل طے کر لیے گئے تو آپ ان احوال کی جانب متوجہ ہوئے جو قلب و باطن سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ طالب دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو صرف دنیا کا طالب ہے اور دوسرا وہ جو آخرت کا طلبگار ہے۔ دنیا کا طالب خسارے میں رہتا ہے۔ دنیا میں ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہو کر رہ جاتی ہے اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے اور سورہ لہب کا خلاصہ یہی ہے لیکن:

اَمَّا طَالِبُ الْاٰخِرَةِ فَاَعْظَمُ اَحْوَالِهٖ اَنْ تَصِيْرَنَفْسُهٗ كَالْمِرْاٰةِ الَّتِىْ يَتَنَقَّشُ فِيْهَا صُوَرُ الْمَوْجُوْدَاتِ وَقَدْ ثَبَتَ فِى الْعُلُوْمِ الْعَقْلِيَّةِ اِنَّ طَرِيْقَ الْخَلْقِ فِىْ مَعْرِفَةِ الصَّانِعِ عَلٰى وَجْهَيْنِ مِنْهُمْ مَنْ عَرَفَ الصَّانِعَ ثُمَّ تَوَصَّلَ بِمَعْرِفَتِهٖ اِلٰى مَعْرِفَةِ مَخْلُوْقَاتِهٖ وَهٰذَا هُوَ الطَّرِيْقُ الْاَشْرَفُ الْاَعْلٰى وَ مِنْهُم مَنْ عَكَسَ وَهُوَ طَرِيْقُ الْجَمْهُوْرِ۔ (ص ۱۷۳)

”جو آخرت کا طالب ہے اس کے احوال میں عظیم تر یہ حالت ہے کہ اس کا دل آئینے کی طرح ہو جاتا ہے جس میں موجودات کی صورتیں منقش ہو جاتی ہیں علوم عقلیہ میں یہ ثابت شدہ بات ہے کہ مخلوق کے لیے صانع کی معرفت کے دو طریقے ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے خالق کو پہچانا اور اس کی معرفت کے ذریعے مخلوقات کی معرفت تک ان کی رسائی ہوئی۔ یہی وہ طریقہ ہے جو سب میں اشرف و اعلیٰ ہے اور بعض نے اس کے برعکس معرفت

حاصل کی جیسا کہ جمہور کا طریقہ ہے"۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اس طریقے سے ختم کیا جو دونوں طریقوں سے اشرف و اعلیٰ ہے، یعنی اپنی صفات اور جلالت شان کا ذکر فرمایا اور اس بیان کا نام سورۂ اخلاص ہے۔ اس کے بعد سورۂ فلق میں اپنی مخلوقات کے مراتب کا ذکر فرمایا، پھر مراتب نفس انسانیہ کے ساتھ اس بیان کو ختم کیا اور یہاں پہنچ کر اس کتاب عزیز کے مضامین کو ختم کر دیا۔ یہ جملہ (فائدہ مذکورہ) اس سورت کی مفصل تفسیر کی مزید تفصیلی وضاحت ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے عقلوں کو شریعت کے ان اسرار کی معرفت بخشی جو اس نے اپنی اس مقدس کتاب میں ودیعت فرمائے ہیں۔

دوسرا فائدہ:۔ ارشاد ربانی إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ میں کلمہ إِنَّا کبھی جمع کے لیے آتا ہے اور کبھی تعظیم کے طور پر استعمال ہوتا ہے جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت محکم دلائل سے ثابت اور محل کلام نہیں۔ پس اس کا اطلاق جمع پر کرنا کسی طرح ممکن نہیں ماسوائے اس صورت کے جبکہ یہ ارادہ کیا جائے کہ اس عطیہ کی تحصیل میں ملائکہ، جبرئیل، میکائیل اور گزشتہ انبیائے کرام نے کوشش کی ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا تھا، یعنی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (بقرہ:129)

"اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے"۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی تھی:

رَبِّ اجْعَلْنِي مِنْ أُمَّةِ أَحْمَدَ وَهُوَ الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ (القصص:44)

"اے اللہ! مجھے امت احمد میں شمار فرما لے۔ اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ: اور تم طور کی جانب مغرب میں نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا۔ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام)"۔

اور جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف:6)

"اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا نام احمد ہے"۔

دوسری صورت یہ ہے کہ إِنَّا کو تعظیم پر محمول کریں تو یہ عطیہ کی عظمت پر خبردار کرنا ہے کیونکہ عطا فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور جس کو یہ عطیہ مرحمت فرمایا جا رہا ہے اس کی جانب إِنَّا

اَعْطَیْنٰکَ میں خطاب کے کاف سے اشارہ فرمایا گیا ہے اور جو چیز ہبہ فرمائی ہے اس کا نام کوثر ہے۔
معلوم ہونا چاہیے کہ:

وَھُوَ مَا یُفِیْدُ الْمُبَا لَغَۃَ فِی الْکَثْرَۃِ فَقَدْ اَشْعَرَ اللَّفْظُ بِعَظَمِ الْوَ اھِبِ وَالْمَوْ ھُوْ بِ لَہٗ وَالْمَوْھُوْبِ فَیَا لَھَا مِنْ نِعْمَۃٍ مَا اَعْظَمَھَا وَمَا اَجَلَّھَا وَیَا لَہٗ مِنْ تَشْرِیْفٍ مَا اَعْلَاہُ۔(ص ۱۷۳)

''اور وہ (لفظ کوثر) کثرت میں مبالغ کا فائدہ دیتا ہے پس اس لفظ سے یقیناً بخشش کرنے والے، بخشش لینے والے اور بخشش کی عظمت کا پتہ لگتا ہے۔ پس یہ نعمت کتنی عظمت والی اور عظیم الشان ہے اور وہ ذات کتنی عزّ وشرف والی ہے جس کو یہ علوّ خاص مرحمت ہوا''۔

تیسرا فائدہ:۔ ہدیہ خواہ قلیل ہو لیکن عطا فرمانے والے کی عظمت کے باعث وہ عظیم شمار ہوتا ہے۔ اگر کوئی بہت بڑا بادشاہ اپنے بعض نوکر چاکروں کو بطور انعام سیب عنایت فرمائے تو اسے بھی بہت بڑا انعام شمار کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ فی نفسہٖ وہ ہدیہ عظیم ہے بلکہ یہ عظمت اسے اس سبب سے حاصل ہوئی کہ عطا فرمانے والا عظیم ہے لیکن یہاں جو ہدیہ کوثر دیا گیا ہے وہ اپنی غایت کثرت کے لحاظ سے خود عظیم ہے لیکن خالقِ کائنات کی طرف سے ہونے کے باعث اس کی عظمت اور کمال میں اور بھی چار چاند لگ گئے۔

چوتھا فائدہ:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ ہم نے تمہیں فلاں چیز عطا فرما دی۔ قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اب وہ اسے واپس نہیں کرے گا اور یہ اس لیے ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں اجنبی کے لیے جائز ہے کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس کرے لیکن اس عطیہ کے بدلے میں اگر کچھ لے چکا ہے، خواہ وہ کتنا ہی قلیل معاوضہ کیوں نہ ہو، اس صورت حال میں عطیے کا واپس لینا جائز نہیں رہتا۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار دینار ہبہ کیے، پھر موہوب لہٗ سے کسی چیز کا مطالبہ کرے اگر چہ وہ ایک مٹھی بھر چیز ہو، تو واہب کا حقِ رجوع ساقط ہو جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ، اس کے بالمقابل نماز اور قربانی کا مطالبہ کیا تو اس صورت میں حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

پانچواں فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل (عطیہ) کی بنیاد مبتداء پر رکھی ہے، جس سے تاکید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تم ایسے اسم کا ذکر کرو جس کی خبر دینی ہو تو عقل اس بات کی متلاشی ہوگی کہ کس چیز کی خبر دی جانے والی ہے؟ سننے والا اس خبر کو معلوم کرنے کا خواہشمند ہو جاتا ہے

اور جب تم اس خبر کو بیان کر دو تو اسے ایسے قبول کر لیا جائے گا جیسے عاشق اپنے معشوق کی ہر بات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ایسی خبر انتہائی صداقت پر مبنی اور شک وشبہ سے قطعاً بالاتر ہوتی ہے۔ اس سے ارشاد ربانی لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ اگر اَلْاَبْصَارُ لَا تَعْمٰی کہا جاتا تو اس میں اتنی عظمت نہ ہوتی۔

ہمارے مذکورہ کلام کو یوں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ مثلاً ایک بہت بڑا بادشاہ ہے۔ وہ کسی چیز کا وعدہ کرتا ہے یا کسی چیز کی ضمانت دیتا ہے کہ میں دوں گا، میں تیری جانب سے کافی ہوں، تیرے معاملات و حالات کی نگرانی میں خود کروں گا اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ عظیم ہو، جس میں چشم پوشی کم ہو سکتی ہے کیونکہ اس چیز کا عظیم ہونا ایفائے عہد کے بارے میں شک پیدا کرتا ہے، لیکن اس کی جانب سے اگر کوئی عظیم ہستی ضامن ہو جائے تو ایسا کرنے سے شک زائل ہو جاتا ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ اسی باب سے ہے کیونکہ کوثر ایک عظیم الشان چیز ہے جس میں کم ہی چشم پوشی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب مبتدا کو مقدم کیا اور وہ لفظ اِنَّا ہے۔ یہ اسناد ایسے شک کو زائل کرتی اور شبہ کو دفع کرتی بلکہ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اس جملے کو حرف تاکید کے ساتھ صادر فرمایا ہے جو قسم کے قائم مقام ہے۔ سچے کے کلام کا خلاف تو ویسے بھی نہیں ہو سکتا لیکن جب وہ تاکید کے ساتھ ذکر کرے تو اس کا خلاف کب ہو سکتا ہے؟

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ (ہم نے تمہیں فلاں چیز عطا فرما دی) یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ سَنُعْطِيْكَ (کہ ہم تمہیں فلاں چیز عنقریب عطا فرمائیں گے) لہٰذا لفظ اَعْطَيْنٰكَ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عطا فرمانے کا معاملہ زمانہ ماضی میں ہو چکا۔ اس میں بھی کئی قسم کے فوائد ہیں۔

۱: جس کی زمانہ ماضی میں تائید فرمائی گئی، معزز کیا گیا، رعایت فرمائی گئی اور اس کی ضروریات کو پورا فرمایا گیا ہو، وہ اس شخص سے اعلیٰ واشرف ہوتا ہے جو مستقبل قریب میں نوازا جائے گا۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔

۲: مذکورہ الفاظ میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ نیک بخت یا بد بخت، غنی یا فقیر رکھنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اب نہیں کر رہا بلکہ وہ سارے فیصلے ازل میں کر چکا ہے۔

۳: گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب! ہم نے تمہارے عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی تمہارے لیے سعادت و نیک بختی کے اسباب مقرر فرما دیے تھے۔ اب تمہارے جلوہ آرائے گیتی ہونے

اور اللہ جل شانہٗ کی عبادت میں مشغول ہو جانے کے بعد کس طرح بے یار و مددگار چھوڑا جا سکتا ہے؟

۴:۔ گویا باری تعالیٰ شانہٗ فرماتا ہے کہ اے حبیب! ہم نے تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کے سبب یہ فضائل و کمالات عطا نہیں فرمائے ہیں ورنہ ضروری ہوتا کہ تمہاری اطاعت شعاری کے بعد یہ فضیلت و شرف مرحمت فرمائی جاتی، بلکہ ہم نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہارا ان فضائل و کمالات کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔ اس میں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کی طرف اشارہ ہے کہ: جس کو وہ قبول فرمائے تو بغیر کسی سبب اور علت کے قبول فرما لیتا ہے اور جس کو رد فرمائے تو بغیر کسی علت کے رد فرما دیتا ہے۔

آٹھواں فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ یہ تو فرماتا ہے کہ: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ۔ اور یہ نہیں فرماتا کہ ہم نے اپنے رسول کو، اپنے نبی کو، اپنے عالم کو یا اپنے مطیع کو فلاں چیز عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا تو سمجھا جاتا کہ یہ عطیہ اسی علت کے سبب مرحمت فرمایا گیا ہے۔ لیکن سب (بغیر کسی علت کا ذکر فرمائے) اَعۡطَیۡنٰکَ ارشاد فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ عطیہ کسی علت اور سبب کے باعث مرحمت نہیں فرمایا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت و مشیت سے مرحمت فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تقسیم ہم نے فرمائی ہے نیز ارشادِ ربانی ہے:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ (الحج:75)

''اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے''۔

نواں فائدہ:۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ۔ اس کے بعد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا توفیق و ارشاد کے لیے ہے جو ہماری اطاعت گزاری سے پہلے ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہمیں نعمتوں سے نوازنا اس کی صفت ہے اور اس کے لیے اطاعت شعار بندے بن کر رہنا ہماری صفت ہے۔ مخلوق کی صفت خالق کی صفات پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جبکہ خالق کی صفت مخلوق کی صفات میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لیے امام واسطی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ: ''میں ایسے رب کی اطاعت نہیں کرتا جس کو میری اطاعت راضی اور معصیت ناراض کر دے''۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضگی دونوں قدیم ہیں اور میرا اطاعت گزار یا عصیاں شعار ہونا محدث (نو پید) ہے حادث قدیم پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کی رضا بندے کو اطاعت پر ابھارتی ہے اور یہ ازل کے بعد کا معاملہ ہے۔ یہی صورت حال اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے اور بندوں کے معصیت کار ہونے کی ہے۔

دسواں فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ یعنی بیشک ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمایا اور یہ نہیں کہا کہ: اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ یعنی ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمایا (یعنی ذکر عطا سے پہلے لفظ اِنَّا کا اضافہ کرکے فرمایا گیا ہے) اس طرح بشارت دینے کی دو وجہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ عطا فرمانے میں دونوں احتمال ہوسکتے ہیں: (۱) عطا فرمانا اس پر واجب ہے۔ (۲) بطور احسان و اکرام عطا فرماتا ہے۔ چونکہ یہاں احسان و اکرام کے طور پر عطا فرمانے کے بارے میں شبہ ہوسکتا تھا، لہٰذا لفظ اِنَّا کا اضافہ کرکے شک وشبہ کا استیصال کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور کوثر سے مراد کیا ہے؟ تو:

هٰذِهِ الْخَيْرَا تُ الْكَثِيْرَةُ وَ هِيَ الْإِسْلَا مُ وَالْقُرْآنُ وَالنُّبُوَّةُ والذِّكْرَا لْجَمِيْلُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَحْضَ التَّفَضُّلِ مِنَّااِلَيْکَ وَلَيْسَ مِنْهُ شَيْئٌ عَلٰى سَبِيْلِ الْإِسْتِحْقَاقِ وَالْوُجُوْبِ وَفِيْهِ بَشَارَةٌ مِّنْ وَجْهَيْنِ۔ اَحَدُهُمَااَنَّ الْكَرِ يْمَ اِذَا شَرَ عَ فِيْ الْعَطِيَّةِ عَلٰى سَبِيْلِ التَّفَضُّلِ فَا لظَّا هِرِ اِنَّهٗ لَا يُبْطِلُهَا بَلْ كَانَ كُلَّ يَوْمٍ يَزِيْدُ فِيْهَا الثَّانِيْ اَنَّ مَا يَكُوْنُ سَبَبُ الْإِسْتِحْقَاقِ فَإِنَّهٗ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الْإِسْتِحْقَاقِ وَفِعْلُ الْعَبْدِ مُتَنَاهٍ فَيَكُوْنُ الْإِسْتِحْقَاقُ الْحَاصِلُ بِسَبَبِهٖ مُتَنَاهِيًااَمَّا التَّفَضُّلُ فَإِنَّهٗ نَتِيْجَةُ كَرَمِ اللّٰهِ وَكَرَمُ اللّٰهِ غَيْرُمُتَنَاهٍ فَيَكُوْنُ تَفَضُّلُهٗ اَيْضًاغَيْرَمُتَنَاهٍ فَلَمَّادَلَّ قَوْلُهٗ اَعْطَيْنٰکَ عَلٰى اَنَّهٗ تَفَضُّلٌ لَا اسْتِحْقَاقًااَشْعَرَذٰلِکَ بِالدَّوَامِ وَالتَّزَايُدِ اَبَدًا۔ (ص ۱۷۵)

"اس سے مراد بے شمار بھلائیاں ہیں یعنی اسلام، قرآن، نبوت اور دنیا و آخرت میں آپ کا ذکر جمیل۔ یہ عنایات ہماری طرف سے تم پر محض احسان و اکرام کے طور پر ہیں اور ان میں سے کوئی چیز استحقاق یا ہماری ذات پر واجب ہونے کے باعث عطا نہیں فرمائی جا رہی۔ اس میں دو طرح بشارت ہے۔ ایک یہ کہ محسن جب بطور احسان عطا فرمانا شروع کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے باطل نہیں کرتا بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہی کرتا رہتا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اگر ان عنایات کا سبب استحقاق ہوتا تو ان عنایات کی مقدار استحقاق کے برابر ہوتی حالانکہ بندوں کے جملہ افعال متناہی ہیں اور ان کے باعث جو استحقاق حاصل ہوتا اس کا متناہی ہونا ضروری ہے لیکن احسان و اکرام کا سبب تو اللہ تعالیٰ کی کرم

نوازی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کرم غیر متناہی ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ارشار باری تعالیٰ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ احسان بطور استحقاق نہیں، تو معلوم ہوا کہ اس میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا''۔

اب رہا لفظ کوثر کا معاملہ تو کَوْثَر لغت میں فَوْعَلَ کے وزن پر کثرت مادے سے ہے۔ یعنی وَھُوَ الْمُفْرِطُ فِی الْکَثْرَۃِ۔ (ص ۱۷۵) یہ افراط در کثرت ہے۔

ایک دیہاتی عورت کا لڑکا جب سفر سے واپس لوٹا تو کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تمہارا لڑکا کیا لے کر آیا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا: آبَ بِکَوْثَرٍ اَیْ بِالْعَدَدِ الْکَثِیْرِ یعنی کوثر لایا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بہت ساری چیزیں لے کر آیا ہے بہت زیادہ سخاوت کرنے والے شخص کو بھی کوثر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کمیت نے کہا ہے:

وَاَنْتَ کَثِیْرٌ یَاابْنَ مَرْوَانَ طَیِّبٌ
وَکَانَ اَبُوْکَ ابْنُ الْعَقَائِلِ کَوْثَرًا (1)

''اے ابن مروان! تم اگر چہ اچھے سخی ہو لیکن تمہارا جدّ اعلیٰ ابن عقائل تو بہت ہی سخی تھا''۔

گردوغبار جب بڑی کثرت سے آسمان کی جانب چڑھ جائے تو اسے بھی کوثر کہا جاتا ہے۔ یہ کوثر کے لغوی معانی ہیں لیکن مفسرین کرام نے بوجوہ ان سے اختلاف کیا ہے:

قول اوّل: سلف وخلف میں یہی مشہور و معروف رہا ہے کہ کوثر نامی جنت میں ایک نہر ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کنارے مجوف موتیوں کے قبوں سے بنائے گئے ہیں۔ میں نے اس کی گزرگاہ پر ہاتھ مارا تو اس میں مشک واذفر جیسی خوشبو پائی۔ جب پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا: یہ وہی کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس میں سبز پرندے ہیں، جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں جیسی تھیں۔ جو اس پرندے کا گوشت کھالے اور کوثر کا پانی پی لے، اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی۔ شاید اس نہر کو کوثر اس لیے کہا گیا ہے کہ جنت کی باقی نہروں سے اس میں پانی زیادہ اور بہتر ہے یا اس وجہ سے کہ جنت کی ساری نہریں اسی سے نکلتی ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ جنت کا کوئی باغ ایسا نہیں جس میں کوثر سے نکل کر کوئی نہر نہ پہنچتی ہو۔ یا اس وجہ سے کوثر کہتے ہیں کہ اس پر پانی پینے والے بکثرت ہوں گے۔ یا اس کے پانی میں نفع کثیر ہے، جیسا کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوثر ایک نہر ہے

جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے۔

قول دوم :۔ کوثر سے مراد حوض ہے اور اس بارے میں احادیث مشہور ہیں۔ پہلے قول اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (ماسوائے لفظی اختلاف کے) کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ نہر اس حوض میں گرتی ہو یا جملہ نہریں اسی حوض سے نکل کر بہتی ہوں اور یہ حوض ان کا منبع ہو۔

قول سوم :۔ کوثر سے مراد سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سورت اس شخص (عاص بن وائل) کے ردّ میں نازل ہوئی تھی، جس نے آپ کو یہ طعنہ دیا تھا کہ محمد کی نسل منقطع ہو چکی ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔ پس کوثر کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے حبیب کو اتنی اولاد مرحمت فرمائی ہے جو اس وقت تک باقی رہے گی جب تک زمانہ باقی ہے۔ جائے غور ہے کہ کتنے اہل بیت اطہار نے جام شہادت نوش کیا لیکن اس کے باوجود ساری دنیا ان حضرات سے بھری پڑی ہے۔ اس کے برعکس بنی اُمیہ سے کوئی ایک شخص بھی ایسا باقی نہیں رہا، جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ پھر ان کی طرف دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ ان میں امام باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا اور نفس زکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے کتنے ہی آسمان علم وعرفاں کے شمس وقمر ہو گزرے ہیں۔

قول چہارم

اَلْکَوْثَرُ عُلَمَاءُ اُمَّتِهٖ وَھُوَ لَعَمْرِیْ اَلْخَیْرُ الْکَثِیْرُ لِاَنَّھُمْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَھُمْ یُحْیُوْنَ ذِکْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَیَنْشُرُوْنَ اٰثَارَ دِیْنِهٖ وَ اَعْلَامَ شَرْعِهٖ وَوَجْهُ التَّشْبِیْهِ اَنَّ الْاَنْبِیَاءِ کَانُوْا مُتَّفِقِیْنَ عَلٰی اُصُوْلِ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ مُخْتَلِفِیْنَ فِیْ الشَّرِیْعَةِ رَحْمَةً عَلَی الْخَلْقِ لِیَصِلَ کُلَّ اَحَدٍ اِلٰی مَا ھُمْ صَلَاحُهٗ کَذَا عُلَمَآءُ اُمَّتِهٖ مُتَّفِقُوْنَ بِاَمْرِھِمْ عَلٰی اُصُوْلِ شَرْعِهٖ لٰکِنَّھُمْ مُخْتَلِفُوْنَ فِی فُرُوْعِ الشَّرِیْعَةِ رَحْمَةً عَلَی الْخَلْقِ ثُمَّ الْفَضِیْلَةُ مِنْ وَجْھَیْنِ۔ (ص ۱۷۶)

"کوثر سے علمائے امت محمد یہ مراد ہیں۔ خدا کی قسم یہ بہت بڑی خیر ہے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے انبیائے کرام کی طرح ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو زندہ اور باقی رکھتے ہیں اور دین مصطفوی کے آثار کی نشر و اشاعت کرتے اور شریعت مطہرہ کے اعلام کو بلند رکھتے ہیں۔ انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انبیائے کرام معرفت الٰہی کے اصولوں میں متفق اور شرعی احکام میں مختلف تھے۔ یہ

مخلوق پر رحمت ہے تا کہ ہر ایک اپنی صلاحیت کے اطابق حاصل کر لے جیسا کہ علمائے امت محمد یہ اصول شرع کے معاملے میں متفق ہیں لیکن شریعت مطہرہ کے فروعی مسائل میں مختلف ہیں۔ یہ مخلوق پر رحمت ہے اس (اختلاف) میں دو وجہ سے فضیلت ہے"۔

ا:۔ ایک وجہ ان میں سے یہ ہے، جیسا کہ روایت ہے:

اِنَّهُ يُجَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِكُلِّ نَبِيِّ وَيَتَّبِعُهُ اُمَّتُهُ فَرُبَّمَايُجَاءُ الرَّسُوْلُ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَا نِ وَيُجَاءَ بِكُلِّ عَالِمٍ مِّنْ عُلَمَاءِ اُمَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ الْاُلُوْفُ الْكَثِيْرَةُ فَيَجْتَمِعُوْنَ عِنْدَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُبَّمَا يَزِيْدُ عَدَدُ مُتَّبِعِي بَعْضَ الْعُلَمَاءِ عَلٰى عَدَدِ مُتَّبِعِي اَلْفِ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ۔(ص ١٧٦)

"بیشک بروز قیامت ہر نبی حاضر ہوگا اور پیچھے پیچھے اس کی امت ہوگی۔ بعض رسول ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ ایک دو آدمی ہوں گے۔ لیکن امت محمد یہ کے ہر عالم دین کے ساتھ ہزاروں افراد کا اژدحام ہوگا اور سارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوتے چلے جائیں گے۔ ایسا بھی ہوگا کہ بعض علمائے کرام کے متبعین کی تعداد ایک ہزار انبیائے کرام کے متبعین جتنی ہوگی"۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے انبیائے کرام یقینی امر تک نصوص کا اتباع کرنے کے باعث پہنچ جاتے تھے کیونکہ نصوص وحی سے ماخوذ ہوتے ہیں اور علمائے امت محمد یہ استنباط واجتہاد کی صلاحیت کے باعث صحیح حکم تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر بعض کے کہنے کے مطابق بعض علماء مخطی ہوں لیکن جو صحیح حکم تک نہ پہنچ سکے وہ بھی عنداللہ ماجور ہے۔

قول پنجم:۔ کوثر سے مراد نبوت ہے اور بیشک یہ خیر کثیر ہے کیونکہ ربوبیت کے بعد سب سے بڑا مرتبہ نبوت ہے۔ اسی لیے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

"اور جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا"۔

اور یہ بنیاد ایمان ہے بلکہ یہ شجر معرفت الٰہی کی شاخ کے مانند ہے، کیونکہ نبوت کی معرفت سے ذات الٰہی کی معرفت ہوتی ہے لہٰذا اس کے علم وقدرت وحکم کا مقدم ہونا ضروری ہے۔ جب نبوت کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے باعث باقی صفات یعنی سمع وبصر اور صفات خبریہ ووجدانیہ کی معرفت

بھی بقول بعض حاصل ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان مناقب وفضائل سے وافر حصہ ملا ہے کیونکہ آپ جملہ انبیائے کرام سے پہلے مذکور ہیں اگرچہ سب کے بعد مبعوث ہوئے اور جملہ جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ کا حشر جملہ انبیائے کرام سے پہلے ہوگا۔ آپ کی شریعت مطہرہ کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے اور آپ کے فضائل وکمالات حد وشمار سے باہر ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں یہاں بعض باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی کتاب کلمات تھے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (بقرہ:37)

''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے''۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب بھی کلمات تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (بقرہ:124)

''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب صحیفے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ (اعلیٰ)

''صحیفے ابراہیم اور موسیٰ کے''۔

لیکن فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب باقی جملہ آسمانی کتابوں کی محافظ اور نگران ہے جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدہ:48) ''اور ان پر محافظ وگواہ''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے تمام اسما کے ساتھ مقابلہ کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ (بقرہ:31) ''ان کے نام تو بتاؤ''۔

لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام کے ذریعے مقابلہ کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ (بنی اسرائیل:88)

''تم فرماؤ! اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں''۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ ان کی کشتی کو پانی پر ٹھہرائے رکھا، تو

سرورکون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بڑا معجزہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نہر کے کنارے تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگا: اے محمد! اگر آپ سچے ہیں تو وہ پتھر جو نہر کے دوسرے کنارے پر ہے، اسے بلائیے کہ وہ پانی پر تیرتا ہوا آپ کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ اس پتھر نے مختار دو جہاں سرورکون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اشارہ پاتے ہی حرکت شروع کی اور پانی پر تیرتا ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا اور آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عکرمہ! کیا یہ تیرے لیے کافی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت آپ کی تصدیق کروں گا جب یہ پتھر اسی طرح اپنی جگہ واپس چلا جائے۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پتھر کو واپس چلے جانے کا حکم فرمایا تو وہ پانی پر تیرتا ہوا اسی طرح اپنی جگہ واپس چلا گیا(1)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے آگ سلامتی والی ٹھنڈی کر دی تھی۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے عظیم معجزہ مرحمت ہوا۔ چنانچہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں چھوٹا سا بچہ تھا تو میرے اوپر کھولتی ہوئی ہانڈی گر گئی۔ میرے تمام جسم کی کھال اتر گئی۔ میری والدہ محترمہ مجھے لے کر فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہوگئیں۔ عرض کی: حضور! یہ حاطب کا بیٹا جل گیا ہے، جیسا کہ سرکار ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ تاجدار کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلے ہوئے جسم پر اپنا لعاب دہن لگایا، ازراہ شفقت اپنا دست مبارک پھیرا اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی: اے پروردگار عالم! اس کی تکلیف دور فرما۔ میں اسی وقت بالکل تندرست ہو گیا، گویا میرے ساتھ کوئی واقعہ گزرا ہی نہیں تھا(2)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بزرگی مرحمت فرمائی کہ ان کے لیے زمین پر سمندر میں راستہ بنا دیا لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارے سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کیا زمین اور آسمان کے معجزے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے پانی جاری ہوا تو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔

1۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

وَکَذَاکَ اَثَرُ مَشْیِکَ فِی الثَّرٰی   وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِہٖ قَدَمَاکَ

2۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

وَشَفَیْتَ ذَا لَعَابِکَ مِنْ اَمْرَاضِہٖ   وَمَلَأْتَ کُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاکَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا کہ ان پر بادلوں نے سایہ کیا تو فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا کا معجزہ ملا تو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم ملا جس کی نورانیت سے مشرق و مغرب بھی جگمگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا بنا دیا تھا، لیکن ابوجہل نے جب سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک بھاری پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تو اسے آپ کے دونوں کندھوں پر دو اژدہے نظر آئے اور وہ خوف کے مارے دم دبا کر بھاگ گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں نے تسبیح بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس میں اور آپ کے اصحاب کے مبارک ہاتھوں میں پتھر تسبیح بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب لوہے کو ہاتھ لگاتے تو ان کے لیے نرم ہو جاتا۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مریل بکری پر ہاتھ پھیرا تو دودھ دینے لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے گرد پرندے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے تو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا فرما کر آپ کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ شرف بخشا کہ وہ مردے زندہ کر دیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ معجزہ عطا فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت کے ساتھ آپ کی ضیافت کی اور اس میں زہر ملا رکھا تھا۔ جب آپ نے لقمہ دہن مبارک میں رکھا تو لقمے نے آپ کو خبر دی کہ وہ زہر آلود ہے۔ نیز آپ نے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفائے کاملہ سے ہمکنار کیا۔ روایت ہے کہ حضرت معاذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنے مرض برص (کوڑھ) میں مبتلا ہونے کا حال عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درخت کی ایک ٹہنی لے کر اس کے جسم پر پھیری تو اللہ تعالیٰ نے اس محترمہ سے برص کے مرض کو بالکل دور کر دیا۔

غزوۂ احد میں ایک شخص کی آنکھ (تیر لگنے سے) نکل گئی۔ وہ اسے اٹھا کر بارگاہ رسالت میں حضر ہو گیا۔ تاجدار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی آنکھ کو اس کے اصلی مقام پر رکھ دیا تو وہ ایسے درست ہو گئی کہ گویا کوئی حادثہ پیش آیا ہی نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان چیزوں کو بتا دیا کرتے تھے جو لوگوں نے اپنے گھروں میں چھپا کر رکھی ہوتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جان لیا تھا، جو آپ کے چچا عباس اور چچی ام الفضل نے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے اس کے بارے میں خبر دی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ واقعی معاملہ یہی کچھ ہے۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ سورج ڈوبے ہوئے کو واپس لوٹا دیا تھا تو ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی گود میں سر اقدس رکھ کر استراحت فرما رہے تھے اور جس وقت آپ بیدار ہوئے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج کو واپس لوٹایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو نماز عصر قضا ہو گئی تھی وہ انہوں نے وقت کے اندر ادا کر لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ کمال مرحمت فرمایا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ کوئی صحابی کسی پرندے کے بچے کو اٹھا لائے تھے۔ وہ پرندہ اڑتا ہوا آیا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک کے گرد اڑتا اور آپ سے اپنی زبان میں کچھ عرض کرتا رہا۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: اس پرندے کے بچے کو تم میں سے کون اٹھا کر لایا ہے؟ ایک صحابی عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! میں اٹھا کر لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس کا بچہ اسے واپس دے دو اور بھیڑیئے کا آپ سے گفتگو کرنا عام مشہور ہے (1)۔

حضرت سلمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کر لیا کرتے تھے تو شب اسرا کے دولھا نے ایک گھڑی میں بیت المقدس تک فاصلہ طے کر لیا تھا۔ سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کا یعفور نامی گدھا ایسا تھا کہ جس شخص کو بلوانا مطلوب ہوتا تو یعفور کو بھیج کر اسے بلوا لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے ایک سرکش اونٹ کی بارگاہ رسالت میں شکایت کی اور بتایا کہ سعی بسیار کے باوجود اس پر قابو نہیں پا سکے ہیں۔ شہنشاہ کونین اس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ آپ کی بارگاہ میں عاجزی پیش کرنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی جانب پیغام رساں بنا کر بھیجا۔ جب وہ کسی غار کے قریب پہنچے تو وہاں ایک شیر بیٹھا ہوا دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوئے لیکن یہ جانتے ہوئے کہ واپس لوٹنا بھی غیر محفوظ ہے، آگے بڑھے اور فرمایا: اے شیر! میں رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ یہ سن کر شیر مطیع ہو گیا۔ جس طرح جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں تھے اسی طرح وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھی تابع فرمان تھے۔ ایک دفعہ

1۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان معجزات کا ذکر یوں کیا ہے:

وَالذِّئْبُ جَآءَ کَ وَالْغَزَالَۃُ قَدْ اَتَتْ ۔۔۔ بِکَ تَسْتَجِیْرُ وَتَحْتَمِیْ بِحِمَا کَ

وَکَذَا لْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَیْکَ وَسَلَّمَتْ ۔۔۔ وَشَکَا الْبَعِیْرُ اِلَیْکَ حِیْنَ رَاٰ کَ

کوئی اعرابی ایک مری ہوئی گوہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لے آئے۔ گوہ زندہ ہو کر کلام کرنے لگی اور اس نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا برملا اعتراف کیا۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہرنی کی ضمانت دی (جو جال میں گرفتار تھی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئی کہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی اعرابی نے آپ کی ضمانت پر ہرنی کو چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں وہ ہرنی دوڑتی ہوئی حاضر ہوگئی اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضمانت سے بری الذمہ کر دیا۔

جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے منبر تیار ہو گیا اور آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے تو اس ستون (استن حنانہ) نے بچوں کی طرح گریہ وزاری شروع کر دی، جس سے ٹیک لگا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس کا رونا آپ کے فراق میں تھا(1)۔

غارِ ثور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کی ایڑی میں سانپ نے ڈنگ مارا اور عرض گزار ہوا کہ حضور! میں ایک مدت دراز سے حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے اشتیاق میں یہاں گن گن کر ساعتیں گزار رہا ہوں مجھے اس شرف سے محروم رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑے سے طعام سے کثیر خلقت کو شکم سیر کر دیا کرتے تھے۔ آپ کے معجزات حد و شمار سے باہر ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ترین بندوں میں سب سے مقدم فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رکھا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ (احزاب:7)

"اور اے محبوب! یاد کرو، جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے"۔

1۔ رلا دے جبکہ چوب خشک کو حضرت کی مہجوری
کہو پھر عین غیرت سے نہ کیونکہ ہر بشر روئے

سنی جب اس ستون عاشق بیتاب کی زاری
رسول اللہ کے اصحاب کیسے، کس قدر روئے

کوئی ایسا نہ تھا اس بزم میں جس پر نہ تھی رقت
بہت روئے، نپٹ روئے، تمامی بیشتر روئے

ادھر گرم فغاں تھا وہ ستوں صدمے سے فرقت کے
ادھر یہ شدت رقت سے با صد چشم تر روئے

ستوں خاموش ہوتا تھا، نہ یہ رونے سے چپتے تھے
وہ آہیں مار چلا یا، یہ دل کو کھول کر روئے

ستوں نے یہ کیے نالے کہ چشم حال سے اس دم
شجر روئے، حجر روئے، سبھی دیوار و در روئے

رسول اللہ کی الفت محبو! عین ایمان ہے
فراق مصطفیٰ میں اہل ایمان عمر بھر روئے

(دیوان کافی)

جب سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت ایسی ہے تو جائز ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کا نام کوثر رکھے اور فرمائے: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔

قول ششم: ۔کوثر سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کے فضائل بے شمار ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ (لقمان:27)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو، اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی''۔

نیز اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکہف:109)

''اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگر ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں''۔

قول ہفتم: ۔کوثر سے مراد اسلام ہے اور خدا کی قسم اسلام میں خیر کثیر ہے، کیونکہ اس کے ذریعے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور اسے چھوڑنا دارین کی بھلائی سے محروم رہنا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اسلام معرفت ہی کا نام یا معرفت کی ضروری باتوں کو اسلام کہتے ہیں۔ارشاد ربانی ہے:

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ (بقرہ:269)

''اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی''۔

جب اسلام خیر کثیر ہے تو ثابت ہوا کہ کوثر یہی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کے ساتھ خاص کیوں فرمایا گیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سب کیلئے ہیں ہم کہتے ہیں کہ فخر دو عالم ﷺ کے ذریعے ہی اسلام دوسرے تک پہنچا ہے پس آپ کی ذات مقدسہ اسلام کے لئے اصل کی مانند ہے۔

قول ہشتم: ۔کوثر سے مراد پیروکاروں اور ساتھیوں کی کثرت ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے پیروکار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا۔روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے خلیل یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔قیامت میں میری شفاعت قبول ہوگی۔ وہاں جب میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ہوں گا، تو لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ ظاہر ہوگا۔ہم

انہیں جلدی سے دیکھیں گے اور ہم میں سے ہر نبی یہی خواہش کرے گا کہ کاش! یہ میری امت ہو۔ وضو کا پانی لگنے کے باعث وہ پنج کلیاں نظر آ رہے ہوں گے یعنی ان کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ میں کہوں گا: رب کعبہ کی قسم یہ تو میری امت ہے۔ اس کے بعد ایسے ہی لوگوں کی ایک جماعت اور ظاہر ہو گی۔ ہم اسے بھی بغور دیکھیں گے اور ہم میں سے ہر نبی کی یہی خواہش ہو گی کہ یہ اسی کی امت ہو۔ ان کے اعضائے وضو بھی چمکتے ہوں گے اور میں کہوں گا: رب کعبہ کی قسم! یہ تو میری امت ہے۔ وہ بھی بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔ پھر ان جیسی تیسری جماعت ظاہر ہو گی۔ ہم انہیں بھی دیکھیں گے۔ ان کے متعلق بھی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی کچھ بتایا جو پہلی دونوں جماعتوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے بعد فرمایا: میری امت سے یہ تینوں جماعتیں تمام مخلوق سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ اور مسلمانوں میں عددی کثرت پیدا کرو تا کہ میں تمہاری کثرت کے باعث تمام امتوں پر فخر کروں(1)۔ خواہ کوئی بچہ حمل کی صورت میں ساقط ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے سبب بھی فخر فرمائیں گے جو سن بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، تو مسلمانوں کے حد وشمار سے باہر افراد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بہت بڑی نعمت کا ذکر کرنا پسند فرمایا ہو گا اور اسی لیے فرمایا ہے: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝

قول نہم:۔ کوثر سے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کثیرہ مراد ہیں۔ کیونکہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ حضرت مفضل بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بہت زیادہ سخی اور صاحب خیر کثیر ہو اسے کوثر کہا جاتا ہے۔ لغت کی کتاب صحاح میں ہے کہ جو سردار بہت زیادہ خوبیوں والا ہو اسے کوثر کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ایسے عظیم فضائل وکمالات سے نوازا ہے تو پسند فرمایا کہ بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمائے، اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۔

قول دہم:۔ کوثر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی رفعت ہے اور اس کی تفصیل آیت کریمہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

1۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو راہ ہدایت نصیب فرمائے کہ وہ اپنے نبی کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کی لعنت کو مسلمانوں پر مسلط کرنے سے باز آئیں۔ غیر مسلموں کی پٹی پڑھانے سے اپنے نبی کی مخالفت پر دن رات کمر بستہ رہنا کیسی مسلمانی اور کہاں کی عقلمندی ہے؟ یہ عیاشی کو فروغ دینے کا شیطانی منصوبہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے بے غیرتی کے کاموں سے بچائے جو محض جگ ہنسائی کا سامان ہیں۔

قول یازدہم:۔ کوثر سے مراد علم ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کوثر کو اس معنی پر محمول کرنا کئی وجہ سے اولی ہے۔ وہ وجوہات درج ذیل ہیں:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء)

''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دعا مانگنے کا حکم دیا، مثلاً فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ (طٰہٰ) ''اے میرے رب! مجھے زیادہ علم دے''۔

اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کو خیر کثیر بتایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ (البقرہ:269)

''اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی''۔

۲۔ کوثر کو یا ہم اخروی نعمتوں پر محمول کریں گے یا دنیاوی پر۔ اخروی پر محمول کرنا اس وجہ سے جائز نہیں ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں کوثر عطا فرما دیا (یعنی یہ کام زمانہ ماضی میں ہو چکا) اور جنت کی نعمتیں زمانہ مستقبل میں ملیں گی، ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مل چکی ہوں۔ پس کوثر کو ان نعمتوں پر ہی محمول کرنا ہوگا جو آپ کو دنیا میں مل چکی ہیں۔ لیکن جتنی نعمتیں آپ کو دنیا میں مرحمت فرمائی گئی ہیں، ان میں علم سب سے اعلیٰ واشرف ہے اور نبوت بھی علم میں داخل ہے (کیونکہ نبوت بھی کمالات علمیہ سے ہے) پس اس لفظ (کوثر) کو علم پر محمول کرنا واجب ہوا۔

۳:۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں کوثر مرحمت فرمائی تو اس کے بعد فرمایا کہ اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ لیکن جو چیز عبادات سے مقدم ہے وہ معرفت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل میں فرمایا ہے:

اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ (النحل)

''یہ ڈر سناؤ کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو مجھ سے ڈرو''۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ (طٰہٰ:14)

''بیشک میں ہی اللہ ہوں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں''۔

دونوں مقامات پر معرفت کا عبادت سے پہلے ذکر کیا ہے۔ نیز فَصَلِّ میں فا تعقیب کے لیے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ کوثر کا عطا فرمانا ان عبادات کے موجب کی طرح ہے اور یہ معلوم ہے کہ

عبادات کا موجب صرف علم ہے (لہٰذا کوثر کو علم پر محمول کرنا بھی مناسب ہے)۔

قول دوازدہم:۔ کوثر اخلاق حسنہ کو کہتے ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اخلاق کا نفع عام ہے، جس کا فائدہ ہر عالم اور جاہل، جانور اور عقلمند سب کو پہنچتا ہے۔ جہاں تک علم کے فائدے کا تعلق ہے اس سے عقلاء ہی مستفیض و مستفید ہوتے ہیں لیکن اخلاق حسنہ کا نفع ہر کسی کے لیے عام ہے۔ پس لفظ کوثر کو اسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفع عام پہنچانے والے تھے اور امت محمدیہ کے حق میں تو گویا والد کی طرح تھے کہ ان کے عقدے حل فرماتے، ان کے مشکل امور میں کفایت کرتے بلکہ خوش خلقی میں یہاں تک پہنچے ہوئے تھے کہ جب آپ کے دندان مبارک شہید کر دیے گئے تو اس وقت بھی آپ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

قول سیزدہم:۔ کوثر سے مراد محمود ہے، جو مقام شفاعت ہے۔ دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:33)

"اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو"۔

اور آخرت کے متعلق سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ (ص۱۷۹)

"میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَۃً مُّسْتَجَابَۃً وَاِنِّیْ خَبَأْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَۃً لِاُمَّتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (۱۷۹)

"ہر نبی ایک خاص دعا کی اجازت دیا گیا اور وہ دعا قبول فرمائی گئی۔ میں نے قیامت میں اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لیے اپنی دعا چھپا کر رکھی ہوئی ہے" (1)۔

قول چہاردہم:۔ لفظ کوثر سے یہی سورت مراد ہے، جسے سورہ کوثر کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ چھوٹی سی سورت (بظاہر قلت الفاظ و آیات) ہونے کے باوجود دنیا و آخرت کے ہر قسم کے منافع کی جامع اور کتنے ہی اعجاز پر مشتمل ہے:

1۔ اسی لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے:

فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّکًا بِعُرَاکَ فَعَسَاکَ تَشْفَعُ فِیْہِ عِنْدَ حِسَابِہٖ

۱۔ جب ہم لفظ کوثر کو پیروکاروں کی کثرت یا اولاد کی کثرت یا نسل کے منقطع نہ ہونے پر محمول کریں تو یہ غیب کی خبر ہے اور جیسی آپ نے خبر دی اسی کے مطابق واقع ہوا، لہٰذا یہ معجزہ ہے۔

۲۔ ارشاد ربانی ہوا: اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ اس حکم میں زوال فقر و فاقہ کی جانب اشارہ ہے کہ مسلمان مالدار ہونے کے باعث قربانی کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ اور یہ بھی غیب کی خبر ہونے کے باعث معجزہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا وہ دشمن (عاص بن وائل) جو تم پر عیب چسپاں کر رہا ہے، اسی کی نسل منقطع ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (یہ بھی غیب کی خبر ہونے کے سبب معجزہ ہے)۔

۴۔ اس سورت کے چھوٹا ہونے کے باوجود بھی مخالفین اس سے معارضہ نہ کر سکے۔ ثابت ہوا کہ قرآن کریم کا یہ کمال ہے کہ وہ اول سے آخر تک سراسر اعجاز ہے، جو اس میں رکھا گیا ہے، اسی لیے تو چھوٹی سورت ہونے کے باوجود معاندین اس سے معارضہ نہ کر سکے، تو سارے قرآن مجید کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہونا اور بھی واضح ہے۔ جب ان وجوہات کے تحت قرآن کا اعجاز ظاہر ہوا تو آپ کی نبوت ثابت ہو گئی۔ نبوت کے ثابت ہونے سے توحید باری تعالیٰ، معرفت صانع حقیقی، دین اسلام اور قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو گیا۔ اور جب یہ چیزیں ثابت ہو گئیں تو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں ثابت ہو گئیں۔ لہٰذا یہ سورت ایک مختصر نکتے کی مانند ہے، جو تمام مقاصد کو ثابت کرنے میں قوی اور کافی ہے۔ پس یہ (بلحاظ الفاظ) دیکھنے میں چھوٹی اور معانی و مطالب کے لحاظ سے بہت بڑی سورت ہے۔ پھر اس میں ایک خاصیت یہ بھی ہے جو دوسری کسی سورت میں نہیں پائی جاتی کہ اس کی تین آیتیں ہیں اور ان میں سے ہر آیت میں بھی معجزہ ہے اور یہ خاصیت تمام سورتوں میں نہیں پائی جاتی۔ بایں وجوہات یہ احتمال موجود ہے کہ لفظ کوثر سے یہی سورت مراد ہو۔

قول پانزدہم:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ کوثر سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی گئیں، کیونکہ لفظ کوثر کثیر نعمتوں کو شامل ہے لہٰذا اس لفظ کو بعض نعمتوں پر محمول کرنا اور باقی نعمتوں کو نظر انداز کر دینا اولیٰ نہیں ہے۔ پس واجب ہوا کہ اسے کل پر محمول کیا جائے۔

روایت ہے کہ جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قول کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے بیان کیا تو بعض حضرات کہنے لگے کہ عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی نہر کا نام ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہر جو جنت میں ہے وہ بھی

اسی خیر کثیر کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی ہے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ کا ظاہر مفہوم اس کا مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر مرحمت فرمایا ہے تو ضروری ہوا کہ اس کو قریبی مفہوم پر محمول کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت، قرآن، ذکر حکیم اور دشمنوں کے مقابلے میں نصرت سے نوازا ہے۔ علاوہ بریں حوض کوثر اور وہ تمام ثواب جو آپ کے لیے تیار کیا گیا ہے، اگر اسے بھی کوثر کے مفہوم میں داخل مانا جائے تو جائز ہے کیونکہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ ہو وہ واقع ہونے کی طرح ہے، لیکن حقیقت وہی ہے جو قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں اگر چہ رسول اللہ ﷺ کیلئے تیار فرمائی گئی ہیں لیکن یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ مکہ مکرمہ میں اس سورت کے نزول کے وقت وہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمادی گئی تھیں۔ ممکن ہے اس کا جواب دیا جائے کہ جو شخص اپنے چھوٹے بچے کے لیے کسی قسم کے سامان کا وعدہ کرتا ہے تو یہ کہنا صحیح تصور کیا جاتا ہے کہ اس نے سامان بچے کو دے دیا ہے، حالانکہ اس حالت میں بچہ تصرف کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہا ارشاد الٰہی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ تو اس میں کئی مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ

اللہ تعالیٰ کے حکم فَصَلِّ سے مختلف مفہوم مراد لیے گئے ہیں:

۱۔ اس سے مراد نماز کا حکم ہے۔

۲۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کا شکر ادا کرو۔ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب سے دعا کرو، کیونکہ نماز بھی دعا ہے۔

دوسرا مسئلہ

ارشاد الٰہی: وَانْحَرْ سے مراد نَحرَ البُدْنَ یعنی اونٹوں کی قربانی ہے۔ عام مفسرین کرام کا یہی قول ہے۔

تیسرا مسئلہ

جن حضرات نے فَصَلِّ سے نماز مراد لی ہے، ان سے اختلاف کیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نماز سے جنس نماز مراد لی ہے کیونکہ مشرکین مکہ خدا کے سوا فرضی معبودوں کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے لیے قربانی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

حکم دیا کہ خدا کے سوا کسی اور کے لیے نماز نہ پڑھو اور غیر اللہ کے لیے قربانی نہ کرو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے عید کی نماز اور قربانی مراد لی ہے، کیونکہ لوگ قربانی کو نماز پر مقدم رکھتے تھے لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

۳۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھو اور قربانی منیٰ میں کرو (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے یہی مراد ہے)۔

اس کے بعد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اور بھی فوائد ذکر کر کے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کی تفسیر بیان کی ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے کے فوت ہو جانے پر کافروں نے آپ پر طعن کیا کہ وہ اَبْتَرْ (مقطوع النسل) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے بغیر کسی واسطے کے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا دشمن و شاتم ہی مقطوع النسل ہے۔ دوستی کا وطیرہ یہی ہوتا ہے کہ جب ایک دوست یہ سنتا ہے کہ اس کے دوست کو گالی دی جا رہی ہے تو خود اس کی طرف سے جواب دیتا ہے۔ یہاں بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا ہے۔ قرآن کریم میں اور بھی کتنے ہی مواقع پر اس طرح جواب دینا مذکور ہے مثلاً ایک موقع پر کسی کافر نے اعتراض کیا جو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے:

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ (سبا:8)

"کیا ہم تمہیں ایسا مرد بتائیں جو تمہیں خبر دے کہ جب تم پرزہ ہو کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ تو پھر تمہیں نیا بننا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ پر اس نے جھوٹ باندھا یا اسے سودا ہے"۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ (سبا)

"بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں"۔

اور جس وقت کافروں نے اس معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ مجنوں (دیوانہ) استعمال کیا تو اللہ جل شانہٗ نے قسم کھا کر فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم)

"تم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں"۔

جس وقت کافروں نے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لَسْتَ مُرْسَلًا کہا تو اللہ تعالیٰ

نے جواباً فرمایا۔

يٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ﴿۴﴾ (يٰسٓ)

''حکمت والے قرآن کی قسم، بیشک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو''۔

جب کافروں نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا:

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ؕ﴿۳۶﴾ (الصافات)

''کیا ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے''۔

واللہ رب العزت نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ (الصافات)

''بلکہ وہ تو حق لائے ہیں اور انھوں نے رسولوں کی تصدیق فرمائی ہے''۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تصدیق فرمائی پھر آپ کے دشمنوں کو یوں وعید سنائی:

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۚ﴿۳۸﴾ (الصافات)

''بیشک تمہیں ضرور دکھ کی مار چکھنی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایک اعتراض کو یوں بیان کیا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ (الطور)

''یا کہتے ہیں، یہ شاعر ہیں۔ ہمیں ان پر حوادث زمانہ کا انتظار ہے''۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۹﴾

''اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ ان کی شان کے لائق ہے۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن''۔ (یٰسین)

اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک باطل قول کی یوں حکایت کی ہے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ (فرقان:4)

''یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنالیا ہے۔ اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے''۔

اللہ جل شانہٗ نے ان کے باطل قول کی تکذیب و تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ (فرقان:4)

''بیشک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے''۔

جب کافروں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان:7)

''اس رسول کو کیا ہوا، کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ان معترضین ومعاندین کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان:20)

''اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب ایسے ہی تھے کہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے''۔

اس میں فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کس درجہ بزرگی کا راز پنہاں ہے۔ اس کے بعد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور کتنے ہی فائدے بیان کیے ہیں اور ان کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس سورت کی خصوصیات اور لطائف میں سے ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر کافر نے کوئی نہ کوئی الزام لگایا، چنانچہ کسی نے کہا: ان کا بیٹا کوئی نہیں۔ کسی نے کہا: ان کا کوئی معین ومددگار نہیں۔ اور کوئی کہتا تھا کہ ان کا ذکر دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سرور کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسے لفظوں سے مدح فرمائی جن میں سارے فضائل وکمالات جمع ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ معلوم ہوا کہ:

لِاَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُقَيِّدْ ذٰلِكَ الْكَوْثَرُ بِشَيْئٍ دُوْنَ شَيْئٍ لَاجَرَمَ تَنَاوَلَ جَمِيْعَ خَيْرَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (ص ۱۸۱)

''کیونکہ جب لفظ کوثر کو کسی ایک شے کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو ضروری ہوا کہ یہ دنیا اور آخرت کی ہر ایک بھلائی کو شامل ہے''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ساری عمر اطاعت اور فرمانبرداری میں گزاریں۔ اطاعت یا بدنی ہوگی یا قلبی۔ بدنی اطاعت میں دو عبادتیں سب سے افضل ہیں، کیونکہ جسمانی اطاعت نماز اور مالی طاعت زکوۃ ہے۔ قلبی اطاعت یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے کیونکہ لفظ لِرَبِّكَ اس پر صریح دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی خبردار کر دیا کہ قلبی اطاعت کا حصول بدنی طاعت کے بعد ہوتا ہے کیونکہ بدنی طاعت کا ذکر پہلے ہے اور دوسرا لام قلبی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں اہل اباحت کے مذہب کا فساد بھی ظاہر فرما دیا گیا ہے، جو کہتے ہیں کہ انسان قلبی طاعت کے باعث بدنی عبادتوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ یہ لام اہل اباحت کے مذہب کو باطل قرار دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اخلاص نہایت ضروری ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لفظ رب کے ساتھ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب رفیع اور اعلیٰ حال سے خبردار کیا ہے جو آپ کو آخرت میں حاصل ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب! میں نے تمہارے دنیا میں موجود ہونے سے پہلے بھی تمہاری تربیت کی ہے تو اب جبکہ تمہارا ہر لمحہ ہماری اطاعت گزاری میں بسر ہو رہا ہے، بھلا ایسی حالت میں تمہیں بے یار و مددگار کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نعمتوں سے مالا مال رکھنے کا یقین دلایا اور سورۃ کے آخر میں اس بات کا ذمہ لیا کہ آپ کی طرف سے ہر ایک عیب لگانے والے، بدگوئی کرنے والے دشمن اور ان کے باطل اقوال سے اللہ جل شانہٗ، خود نبٹے گا۔ اس میں ادھر بھی اشارہ ہے کہ نعمتیں عطا فرمانے میں اللہ تعالیٰ ہی اول ہے اور دنیا و آخرت کی ہر نعمت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والی بھی اسی منعم حقیقی کی ذات ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

عارف کبیر حضرت عمر بن فارض

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

فرموداتِ گرامی

قصیدہ تائیۃ الکبریٰ مع شرح

حضرت عمر بن فارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۶۳۲ھ) اپنے قصیدہ تائیۃ الکبریٰ میں حضرات مرسلین عظام علیہم السلام کے بعض معجزات کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ یہ جملہ معجزات فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کو حاصل تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

بِذَالِکَ عَلَا الطُّوْفَانَ نُوْحٌ وَقَدْ نَجَا　　بِهٖ مَنْ نَجَامِنْ قَوْمِهٖ فِي السَّفِيْنَةِ
وَغَاضَ لَهٗ مَافَاضَ عَنْهُ اِسْتِجَادَةً　　وَجَدَالِي الْجُوْدِيّ بِهَافَاسْتَقَرَّتْ
وَسَارُوْا مَتْنَ الرِّيْحِ تَحْتَ بِسَاطِهٖ　　سُلَيْمَانُ بِالْجَيْشَيْنِ فَوْقَ بَسِيْطَةِ
وَقَبْلَ اِرْتِدَادِا لِطَّرْفِ اُحْضِرَمِنْ سَبَا　　لَهٗ عَرْ شُ بِلْقِيْسَ بَغَيْرِ مَشَقَّةِ
وَاَخْمَدَ اِبْرَاهِيْمُ نَارَعَدُوِّهٖ　　وَعَنْ نُوْرِهٖ عَادَتْ لَهٗ رَوْضَ جَنَّةِ
وَلَمَّادَعَا الْاَطْيَارَمِنْ كُلِّ شَاهِقٍ　　وَقَدْ ذُبِحَتْ جَآءَ تْهُ غَيْرَعَصِيَّةِ
وَمِنْ يَدِهٖ مُوْسٰى عَصَاهُ تَلَقَّفَتْ　　مِنَ السِّحْرِاَهْوَالًا عَلَى النَّفْسِ شَقَّتْ
وَمِنْ حَجَرٍ اَجْرٰى عُيُوْ نًا بِضَرْبَةٍ　　بِهَا دِيَماً سَقَّتْ وَلِلْبَحْرِ شَقَّتْ
وَيُوْسُفُ اِذْ اَلْقَى الْبَشِيْرُ قَمِيْصَهٗ　　عَلٰى وَجْهِ يَعْقُوْبَ اِلَيْهِ بِاَوْبَةِ
رَاٰهُ بِعَيْنٍ قَبْلَ مَقْدَمِهٖ بَكٰى　　عَلَيْهِ بِهَا شَوْقاً اِلَيْهِ فَكَفَّتْ
وَفِي اٰلِ اِسْرَائِيْلَ مَآئِدَةٌمِنَ　　السَّمَآءِ لِعِيْسٰي اُنْزِلَتْ ثُمَّ مُدَّتْ
وَمِنْ اَكْمَهٍ اَبْرَئ وَمِنْ وَضَحٍ عَدَا　　شَفٰى وَاَعَادَ الطِّيْنَ طَيْراً يَنْفُخُهٗ
وَسِرُّ اِنْفِعَالَاتِ الظَّوَاهِرِ بَاطِناً　　عَنِ الْاِذْنِ مَا اُلْقَتْ بِاُذْنِكَ صِيْغَتْ
وَجَاءَ بِاَسْرَارِ الْجَمِيْعِ مُفِيْضُهَا　　عَلَيْنَا لَهُمْ خَتْماً عَلٰى حِيْنِ فَتْرَةِ

۱۔ آپ کے سبب نوح علیہ السلام طوفان پر غالب رہے اور کشتی میں جو ان کے ساتھ رہا اسی نے نجات پائی۔

۲۔ اور وہ کثرت سے بہنے والا پانی ان کے لیے خشک ہو گیا وہ کشتی کو جودی پہاڑ کی جانب لے گئے جہاں وہ ٹھہر گئی۔

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دونوں لشکروں سمیت فضاؤں کی سیر کی اور ان کا بستر ہوا کی پشت پر ہوتا تھا۔

۴۔ان کے حضور بلقیس کا تخت، سبا قبیلے سے بغیر کسی مشقت کے چشم زدن میں حاضر کر دیا گیا۔

۵۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دشمن کی آگ کو بجھا دیا اور آپ کے نور سے وہ ان کے لیے جنت کا باغیچہ بن گئی۔

۶۔جب انہوں نے مذبوح پرندوں کو پہاڑ کی ہر چوٹی سے بلایا تو وہ نافرمانی کیے بغیر حاضر بارگاہ ہو گئے۔

۷۔اور آپ کے ہاتھ سے عصائے موسیٰ نے جادو کے ان سانپوں کو نگل لیا جو جان پر بنا دینے والے تھے۔

۸۔ایک ضرب کے ساتھ پتھر سے پانی کے چشمے بہہ نکلے گویا وہ سیراب کرنے والی بارش تھی اور ان کے لیے سمندر پھٹ گیا۔

۹۔اور بشارت دینے والے نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر پلٹ کر ڈالی۔

۱۰۔انہوں نے آنے سے پہلے اسے دیکھ لیا تھا، شوق ملاقات میں روتے رہے کہ آنکھ رک گئی۔

۱۱۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خاطر آل اسرائیل میں آسمان سے دستر خوان نازل ہوا اور وہ بچھایا گیا۔

۱۲۔پیدائشی نابینائی سے نجات دی اور بڑھنے والے مرض (کوڑھ) سے شفا دی اور مٹی کے پرندے کو پھونک مار کر اڑا دیتے۔

۱۳۔ان ظاہری معجزات کا باطنی بھید آپ (سید المرسلین) ہیں۔ جو بھی صورت آپ کے کان میں ڈالی گئی ہو۔

۱۴۔آپ (سارے انبیائے کرام کے) تمام اسرار لے کر تشریف لائے اور اس وقت ہمیں مستفیض فرمایا جبکہ انبیا کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا۔

ان اشعار کے شارح شیخ عبدالرزاق کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ معجزات اور ان کے مثل وہ دوسرے بے شمار جو دیگر انبیائے کرام سے ظاہر ہوئے، وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سارے پائے جاتے ہیں جیسا کہ شیخ عمر بن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے آخری شعر میں فرمایا ہے کہ: وَجَاءَ بِأَسْرَارِ الْجَمِيعِ مُفِيضُهَا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انفعالات کے اسرار لے کر جلوہ آرائے گیتی ہوئے اور وہ انفعالات ہی ان معجزات کے آثار ہیں جو انبیائے کرام کو حاصل تھے۔ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ خاتم ہونے کے سبب آپ نے یہ واضح فرما دیا کہ آپ نے انبیائے کرام کے ان تمام اسرار کو جمع کر لیا ہے

جوآثار کے مبادی اور انفعات ہیں کیونکہ:

جَمِیْعُ الْقُرْآنِ هُوَصُوْرَةُ تَفَاصِیْلِ اَحْوَالِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَمَاقَالَتْ عَا ئِشَةُ رضی الله عنهاحِیْنَ سُئِلَتْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ فَجَمِیْعُ الْاَنْبِیَآءِ مَظَاهِرُ تَفَاصِیْلِ اَحْوَالِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَدْبَدَ الِلْخَلْقِ فِی صُوْرَةِ كُلِّ نَبِیٍّ وَمُرْسَلٍ سِرٌّ مِّنْ اَسْرَارِهٖ صلی اللّٰه عَلَیْه وَسلّم وَكَانَ اَیْ ذٰلِكَ النَّبِیُّ دَاعِیاًاِلَی اللّٰهِ تَعَالیٰ قَوْ مَهٗ بِذٰلِكَ السِّرِّبِتَبْعِیَّةِالرَّسُوْلِ عَلَیْه الصَّلٰوة والسَّلا م كَمَاقَالَ اَیْ اِبْنُ فَارِضٍ رضی اللّٰه عنه۔(ص ۱۸۳)

”سارا قرآن کریم ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وکمالات کی تفصیلی صورت ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جبکہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا۔(انہوں نے فرمایا) قرآن آپ کا خلق تھا۔ پس سارے انبیائے کرام آپ کے حالات وکمالات کے تفصیلی مظاہر ہیں۔ علاوہ بریں ہر نبی اور رسول آپ کے اسرار میں سے کسی ایک سر کے ساتھ مخلوق کے لیے جلوہ گر ہوا (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) اور ہر نبی جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے دنیا میں تشریف لایا وہ اسی بھید کے باعث محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں اپنا فرض ادا کرتا رہا، جیسا کہ ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:“

وَمَامِنْهُمْ اِلَّا وَقَدْ كَانَ دَا عِیاً بِهٖ قَوْمَهٗ لِلْحَقِّ عَنْ تَبْعِیَّةٖ

یعنی کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا ہو مگر وہ آپ کا متبع ہو کر آیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جس طرح باقی انبیائے کرام آپ کے تفصیلی اسرار کے باعث اپنی اپنی قوم کی طرف رسول بن کر آئے تھے اسی طرح فخر دو عالم ﷺ کے بعد آپ کی امت کے علمائے کرام اس بات میں پہلے انبیائے کرام کی طرح ہیں کہ یہ بھی آپ کے اتباع میں مخلوق خدا کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات نے سرور کون ومکان ﷺ کے اسرار واحوال و اخلاق کی تفاصیل سے علیٰ قدر مراتب حصہ پالیا ہے، لیکن انہیں نبی ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے جبکہ باقی انبیائے کرام نبی کریم ﷺ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کی زبان میں فرمایا ہے:

وَاَهْلُ تَلَقِّي الرُّوْحِ بِاِسْمِيْ دَعَوْ اِلیٰ
سَبِيْلِيْ وَحَجُّوا الْمُلْحِدِيْنَ بِحُجَّتِيْ

اس کے شارح امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلقی سے مراد پکڑنا اور تلقی الروح سے انبیائے کرام مراد ہیں۔ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور سبیل سے مراد طریق توحید، اسم سے مراد اسمائے الٰہیہ ہیں جو ایک شے پر غالب ہیں، جس کے ساتھ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو دعوت حق دی اور اس نبی کا اعجاز اسی اسم کا نتیجہ ہوتا ہے، جیسے اسم مُحْيِي ہے جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا اور اپنی قوم کو اس معجزے کی مثل لانے سے عاجز کر دیا، جو ان کی نبوت وصداقت کی دلیل ہوا اور اس کے باعث منکرین پر غلبہ پایا اور حجت کے ساتھ غالب رہے۔ مُلْحِد وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ اور دین مستقیم سے پھرے ہوئے ہوں۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے جبرئیل علیہ السلام سے وحی حاصل کر کے مخلوق خدا کو راہ توحید کی جانب دعوت دی، جن اسمائے الٰہیہ کی خصوصیت انہیں مرحمت فرمائی گئی ہو، جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اسم الٰہی خالق، محیی اور مبرئی کے ذریعے قوم کو دعوت دی جیسا کہ یہ ارشاد الٰہی اس بات پر دلالت کرتا ہے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ (مائدہ:110)

''اور جب تو مٹی سے بناتا ہے''۔

اور میری حجت کے ساتھ منکرین پر غالب آئے اور عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے مطالبہ کیا کہ ان معجزات کی مثل پیش کریں۔ وہ سعی بسیار کے باوجود ان کی مثل لانے پر قادر نہ ہوئے۔ انبیائے کرام نے حجتوں کو صدور کے لحاظ سے اپنی جانب منسوب کیا اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب حکایت کی اس کے بعد امام ابن فارض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فرمایا ہے۔

وَكُلُّهُمْ عَنْ سَبْقِ مَعْنَايَ دَائِرٌ
بِدَائِرَتِيْ اَوْ وَارِدٌ مِّنْ شَرِيْعَتِيْ

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ كُلُّهُمْ سے دیگر سارے انبیائے کرام اور مَعْنَا سے حقیقت محمد یہ مراد ہے جو تمام انبیائے کرام کی روحوں سے مقدم ہے اور بِدَائِرَتِيْ سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا باقی تمام انبیائے کرام

سے مقدم ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یوں بیان کیا ہے:

وَاِنِّیْ وَاِنْ کُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَۃً
فَلِیْ فِیْہِ مَعْنًی شَاھِدٌ بِاُ بُوَّتِیْ

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ: میں (سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت آدم علیہ السلام کی اصل اور ان کا معنوی باپ ہوں۔ اگرچہ ظاہر صورت میں ان کی فرع اور بیٹا ہوں(1)۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ اور آپ کی معنویت وہ روح اضافی ہے جس سے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی روح اور معنویت یہی ہے۔ پس حقیقت محمدیہ ہی حقیقت آدم کی اصل ہے۔ اس کے بعد امام ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

وَنَفْسِیْ عَنْ حَجْرِ التَّحَلِّیْ بِرُشْدِھَا   وَتَخَلَّتْ وَفِیْ حَجْرِ التَّجَلِّیْ تَرِ بَتْ
وَفِی الْمَھْدِ حِزْبِی الْاَنْبِیَآءُ وَفِی عَنَا   صِرِیْ لَوْحِی الْمَحْفُوْظُ وَالْفَتْحُ سُبُوْرَتِیْ
وَقَبْلَ فِصَا لِیْ دُوْنَ تَکْلِیْفِ ظَاھِرِیْ   خَتَمْتُ بِشَرْعِی الْمُوْضِحِیْ کُلَّ شِرْعَۃٍ
فَھُمْ وَالْاُلٰی قَالُوْا بِقَوْلِھِمْ عَلٰی   صِرَاطِیْ لَمْ یَعْدُوْا مُوَاطِیْ مِشْیَتِیْ

۱۹۔ میرا نفس ہدایت یافتہ ہونے کے باعث زیب وزینت کی قید سے آزاد ہے اور تجلی کے گھیرے میں متواضع ہے۔

۲۰۔ گہوارے میں بھی میری جماعت انبیائے کرام پر مشتمل تھی اور میرے عناصر میں میری لوح محفوظ اور سورہ فتح ہے۔

۲۱۔ دودھ چھوڑنے اور تکلیف ظاہری سے قبل میں نے اپنی شریعت کے ساتھ ہر شریعت کو ختم کر دیا تھا۔

۲۲۔ پس وہ اور جنہوں نے ان جیسی بات کی (یعنی اولیاء) وہ میری راہ پر ہیں اور میرے قدموں کے نشانات سے آگے نہیں بڑھتے۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جن انبیائے کرام نے شریعتوں کو واضح طور پر بیان کیا اور جن حضرات نے ان کی نشر واشاعت کی اور اپنے نبی کی شریعت سے تمسک کیا، ایسے لوگ اولیاء اللہ اور میرے سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔ ایسے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ میرے نقوش قدم سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے اندر میں

1۔ اسی لیے امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

ظاہر میں میری نخل حقیقت میں میری اصل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

ایک معین وصف اور اسم خاص کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہوں۔ میں ان کے ذریعے اپنے اوصاف اور اسماء کا مظاہرہ کرتا رہتا ہوں۔ پس حقیقت میں صراط مستقیم پر چلنے والا میں ہوں اور باقی سب میرے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں۔ جب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات جو انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں منقسم ہو کر متفرق ہو چکے تھے۔ آپ کی ذات میں علیٰ وجہ الکمال جمع ہوئے، تو وہ تمام حضرات آپکے زیر تصرف آگئے (کیونکہ ان میں سے ہر ایک آپ کی فرع ہے اور ہر کوئی اسی آسمان کمال کے مہر درخشاں سے منور ہو کر اپنی تابانی دکھا تا رہا ہے)۔ اسی لیے امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں فرمایا ہے:

فَيُمْنُ الدُّعَاةِ السَّابِقِيْنَ عَلَيَّ فِيْ ... يَمِيْنِيْ وَيُسْرَاللَّا حِقِيْنَ بِيُسْرَتِيْ

فَلَا تَحْسَبَنَّ الْاَمْرَعَنِّيْ خَارِجًا ... فَمَا سَادَ اِلَّادَاخِلٌ فِيْ عُبُوْدَتِيْ

۲۳۔ مجھ سے پہلے اللہ کی طرف بلانے والوں کی برکت میرے دائیں ہاتھ میں ہے اور بعد والوں کی آسانی میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔

۲۴۔ حکم کو مجھ سے خارج شمار مت کرو، کیونکہ کوئی اس وقت تک سردار نہیں ہوسکتا جب تک میری تابعداری نہ کرے۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دعوت وتکمیل کے کام کو مجھ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے باہر گمان نہ کرنا کیونکہ جب تک کوئی میرا اطاعت گزار اور پیروکار نہیں بن جاتا اس وقت تک کسی قوم کا سردار نہیں ہوسکتا کیونکہ میں قطب وجود، اصل شہود اور ماخذ العہود ہوں، جیسا کہ امام ابن فارض علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

فَلَوْ لَایَ لَمْ یُوْجَدْ وُجُوْدٌ وَّلَمْ یَکُنْ

شُهُوْدٌ وَّلَمْ تُعْهَدْ عُهُوْدٌ بِذِمَّةٍ

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ موجودات کے ہر وجود کی اصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے کیونکہ آپ ساری کائنات کے لیے روح اعظم کی صورت میں ہیں اور آپ ہی رابطہ ایجاد ہیں۔

مکاشفہ والوں کی شہود کی نعمت عظمیٰ آپ ہی کے سبب ملتی ہے، کیونکہ شہود روح کی صفت اور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس تمام روحوں کی اصل ہے۔ اسی طرح معاہدوں کی رعایت اور ذمہ داری کا پورا کرنا بھی آپ کے باعث ہے، کیونکہ پہلے آپ کے لیے ہی روز میثاق میں وعدہ لیا گیا تھا، جو بعد میں پورا ہوا۔ پس یہ ہر عہد کرنے والے نے اپنے اس عہد کو پورا کیا جو روز اول اس سے عہد لیا

گیا تھا۔ یہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے مستفاد ہے پھر امام ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجمال کی تفصیل پیش کرنے کی خاطر شرح وبسط سے لکھا ہے۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فرماتے ہیں:

فَلَا حَيَّ اِلَّاعَنْ حَيَاتِیْ حَيَاتُهٗ　　وَطَوْعَ مُرَادِیْ كُلُّ نَفْسٍ مُّرِيْدَةٍ

وَلَا قَائِلٌ اِلَّابِلَفْظِیْ مُحَدِّثٌ　　وَلَا نَا ظِرٌ اِلَّا بِنَاظِرِ مُقْلَتِیْ

وَلَا مُنْصِتٌ اِلَّا بِسَمْعِیْ سَامِعٌ　　وَلَا بَا طِشٌ اِلَّابِاِذْنِیْ وَشِدَّتِیْ

وَلَا نَاطِقٌ غَيْرِیْ وَلَا نَاظِرٌ وَلَا　　سَمِيْعٌ سِوَائِیْ مِنْ جَمِيْعِ الْخَلِيْقَةِ

۲۶۔ کوئی زندہ نہیں مگر وہ میری حیات سے زندہ ہے اور ہر ایک صاحب ارادہ میرے ہی مقصد کی پیروی کرتا ہے۔

۲۷۔ کوئی بولنے والا نہیں مگر وہ میرے لفظوں سے بولتا ہے اور کوئی دیکھنے والا نہیں مگر میری آنکھ سے دیکھتا ہے۔

۲۸۔ ہر خاموشی سے سننے والا میرے ہی کان سے سنتا ہے اور ہر پکڑنے والا میرے ہی حکم سے پکڑتا ہے۔

۲۹۔ میرے سوا نہ کوئی بولنے والا ہے اور نہ دیکھنے والا اور نہ ساری مخلوق میں میرے سوا کوئی سننے والا ہے۔

شارح علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کا وجود پاک عالم شہادت، عالم غیب، عالم ملکوت اور عالم جبروت سب کو شامل ہے اور آپ کے ظہور کے عموم کو امام موصوف نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَفِیْ عَالَمِ التَّرْكِيْبِ وَفِیْ كُلِّ صُوْرَةٍ　　ظَهَرْتُ بِمَعْنًى عَنْهُ بِالْحُسْنِ زِيْنَتُ

وَفِیْ كُلِّ مَعْنًى لَمْ تُبِنْهُ مَظَاهِرِیْ　　تَصَوَّرْتُ لَا فِیْ هَيْئَةٍ هَيْكَلِيَّةٍ

وَفِيْمَا تَرَاهُ الرُّوْحُ كَشْفَ فِرَاسَةٍ　　خَفِيْتُ عَنِ الْمَعْنٰى الْمُعْنٰى بِدِقَّةٍ

۳۰۔ عالم ترکیب (عالم شہادت) کے اندر ہر صورت میں اس انداز سے ظہور پذیر ہوئی کہ میرے حسن نے سب کو مزین کر رکھا ہے۔

۳۱۔ میں ہر اس معنی میں جلوہ گر اور متصور ہوں جو میرے مظاہر ظاہر کرتے ہیں لیکن جسمانی ہیکل میں نہیں۔

۳۲۔اور روح جنہیں فراست کے کشف سے دیکھتی ہے میں لطیف ہونے کے باعث اس میں معانی کی طرح چھپا ہوا ہوں(1)۔

امام کاشانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ اشعار کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرما رہے ہیں کہ میں عالم شہادت کے اندر، جو ترکیب اور صورتوں کی دنیا ہے، ہر صورت میں اپنا حسن و جمال دکھا رہا ہوں، جس سے صورتیں مزین ہیں اور عالم غیب جو عالم شہادت کا باطن ہے، اس میں ہر معنی کا مقصود ہوں۔ ظاہری وجود جو میرے مظاہر ہیں وہ مقصود کو ظاہر نہیں کر سکتے، کیونکہ وہاں میں معنوی شکل سے متصور ہوں جسمانی ہیکل میں نہیں۔ اور عالم ملکوت و عالم جبروت جو باطن کا اور غیب کا غیب ہے وہاں فکری صورت سے اپنی لطافت کے باعث اسماء وصفات کی صورت میں چھپا ہوا ہوں، جس کو کشف، فراست اور بداہت کے طور پر روح دیکھتی ہے، جو محتاج فکر ونظر نہیں۔ یعنی میں وہ ذات ہوں جو حس کے لیے صورت حسیہ میں، عقل کے لیے صورت عقلیہ میں اور روح کے لیے روحانی صورت میں موجود ہوں۔ لیکن روحانی صورت میں عقل سے مخفی ہوں جو معانی مطلوبہ کا ادراک کرتی ہے جیسے صورت عقلیہ میں حواس سے پوشیدہ ہوں جو صورتوں کا ادراک کرتے ہیں(2)۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبه محمّد وعلیٰ اٰله وصحبه اجمعین۔

1۔ان مضامین کو مجدد مأتہ حاضرہ قدس سرہٗ نے یوں بیان کیا ہے:

زمین وزماں تمہارے لیے، مکین ومکاں تمہارے لیے — چنین وچناں تمہارے لیے، بنے دو جہاں تمہارے لیے

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے — ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم غلام کرم — وجود وعدم، حدوث وقدم جہاں میں عیاں تمہارے لیے

اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل — حکومت کل، ولایت کل، خدا کے یہاں تمہارے لیے

تمہاری چمک تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک — زمین وفلک سماک وسمک میں سکہ نشاں تمہارے لیے

وہ کنز نہاں یہ نور فشاں، وہ کن سے عیاں یہ بزم مکاں — یہ ہر تن وجاں، یہ باغ جناں، یہ سارا سماں تمہارے لیے

یہ شمس وقمر، یہ شام وسحر، یہ برگ وشجر، یہ باغ وثمر — یہ تیغ وسپر، یہ تاج وکمر، یہ حکم رواں تمہارے لیے

نہ درح امیں، نہ عرش بریں، نہ لوح مبیں، کوئی بھی کہیں — خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لیے

2۔ خدا بھی نہیں ہو جدا بھی نہیں ہو — نرالے ہو انسان مدینے کے والی

(اختر شاہجہانپوری)

امام عزّ الدین بن عبد السلام

رحمۃ اللہ علیہ

کے

فرموداتِ گرامی

افضلیتِ مصطفیٰ

امامِ کبیر، سلطان العلماء، مولانا عزّ الدین بن عبد السلام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۶۰ھ) نے اپنی تصنیفِ لطیف ہدایۃ السول فی تفضیل الرسول میں تسمیہ وتحمید کے بعد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان فرماتے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت اپنی بارگاہ میں دکھاتے ہوئے فرمایا:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء)

''اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:55)

''اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی''۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (بقرہ)

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا''۔

اِن آیات میں پہلی فضیلت یہ ہے کہ دوسروں پر فضیلت دینے سے مدح فرمائی ہے۔ دوسری یہ فضیلت کہ مفاضلت کو بدر جہا زیادہ بتایا اور درجات کو اسم نکرہ کے طور پر استعمال کیا جو تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ رفیع و منصبِ عظیم مرحمت فرمایا گیا ہے۔ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ومولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوجوہ افضلیت مرحمت فرمائی ہے:

وجہ نمبر ۱:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے سردار ہیں جیسا کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ سردار وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ صفات اور بلند اخلاق کے ساتھ متصف ہو۔ پس ظاہر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں جہانوں میں افضل ہیں۔ دنیا میں اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ اخلاق سے موصوف ہیں اور آخرت میں اس طرح کہ وہ جہان اوصاف و

اخلاق کی جزا پر مرکب ہے۔ جب محاسن ومحامد کے لحاظ سے آپ ﷺ کو دنیا میں فضیلت حاصل ہے تو مراتب ودرجات کے لحاظ سے آخرت میں فضیلت حاصل ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ اس لیے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں جو آپ ﷺ کی قدر ومنزلت ہے، اُس کو اپنی امت پر ظاہر فرمائیں۔ جب کوئی شخص اپنی تعریف خود کرے تو اس میں فخر وغرور کا عنصر کارفرما ہوتا ہے، بایں وجہ فخرِ دو عالم ﷺ نے اِس کا دفعیہ ضروری سمجھا کہ کوئی دوسروں پر آپ ﷺ کو قیاس کرکے جہالت کی رُو سے اِس وہم وگمان بد میں گرفتار نہ ہو جائے کہ آپ ﷺ نے بھی فخر وغرور کے طور پر فرمایا ہوگا، لہٰذا فرمانِ رسالت ہوا وَلَا فَخْرَ۔

وجہ نمبر ۲:۔ اسی سلسلے میں سرورِ کون ومکاں ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز لواءُ الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر وغرور کے طور پر نہیں کہتا۔

وجہ نمبر ۳:۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: آدم علیہ السلام اور اُن کے سوا سارے انسان قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔ یہ خصائص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر جملہ انبیائے کرام سے بلند وبالا ہے۔ یہاں تفضیل کا مطلب خصوصی مناقب ومراتب ہیں۔

وجہ نمبر ۴:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ خبر دی تھی کہ آپ ﷺ کی اگلی اور پچھلی لغزشیں (اگر ان کا کوئی وجود ہو تو) معاف فرمادی گئی ہیں۔ یہ کہیں منقول نہیں کہ کسی نبی نے اپنے متعلق اس قسم کی خبر دی ہو بلکہ یہ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے ایسی کوئی خبر نہیں دی، اسی لیے قیامت میں جب اُن سے شفاعت کرنے کی درخواست کی جائے گی تو ہر ایک اپنی لغزش (وہ افعال جو صورتاً ظاہری طور پر لغزش معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کے اندر لغزش کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا) کو یاد کرکے، جو سرزد ہوئی، نفسی نفسی پکارے گا۔ اگر اُن میں کسی کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ اُن کی لغزشیں معاف فرمادی گئی ہیں تو شفاعت کے نام سے جھجکنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جب نبی آخرالزماں ﷺ سے مخلوقِ خدا شفاعت کی درخواست کرے گی تو آپ اَنَا لَھَا فرمائیں گے یعنی شفاعت کے لائق میں ہو (کیونکہ شفیع المذنبین صرف آپ ﷺ ہیں)(1)۔

وجہ نمبر ۵:۔ رسول اللہ ﷺ ہی وہ فردِ واحد ہیں جو سب سے پہلے شفاعت فرمائیں گے اور

1۔ اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَلَمْ یَکُنْ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ (امامِ اعظم)
بخشوا ہی دیجیے بدکار اختؔر کے گناہ آپ کو دُشوار اے جانِ جہاں کچھ بھی نہیں (اختر شاہجہانپوری)

آپ ﷺ کی شفاعت پہلے قبول فرمائی جائے گی۔ اِس میں آپ ﷺ کی جملہ انبیائے کرام سے تخصیص اور افضلیت پائی جاتی ہے۔

وجہ نمبر ۶:۔ شفاعت سے آپ ﷺ کا ایثار ہے کہ اپنی ذات کے لیے دعا کرنے کی بجائے امت کی شفاعت کرنا پسند فرمایا۔ حالانکہ ہر نبی کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دعا کرلیں جو قبول فرمائی جائے گی۔ اُن حضرات نے جلدی کی اور دنیا ہی میں اپنی اپنی دعا کرلی اور وہ قبول ہوئیں۔ سرورِ کون ومکاں ﷺ نے اپنی دعا کو امت کی شفاعت کرنے کے لیے آخرت پر اٹھا رکھا تھا۔

وجہ نمبر ۷:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۷۲﴾ (الحجر)

"اے محبوب! تمہاری جان کی قسم، بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں"۔

آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھانا حیاتِ مصطفیٰ کی عزت وعظمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ قسم کھانے والے کو وہ سب سے عزیز ہیں اور فخرِ دوعالم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی اس لائق ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے کیونکہ عام اور خاص ہر قسم کی برکتیں اسی سے وابستہ ہیں اور یہ شرف کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت نہیں ہے۔

وجہ نمبر ۸:۔ اللہ تعالیٰ نے پکارنے میں نبی کریم ﷺ کو عزت وعظمت بخشی کہ آپ ﷺ کو پیارے ناموں اور اچھے اوصاف والے القاب سے مخاطب کیا مثلاً: يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ، يَآ أَيُّهَا الرَّسُوْلُ۔ اور یہ خصوصیت کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ باقی ہر نبی کو اُس کے نام سے مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مثلاً: يَآ اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ، يَآ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ، يَآ مُوْسٰى اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ ، يَآ نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا، يَآ دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ، يَآ يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔ وغیرہ

اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ آقا جب اپنے کسی غلام کو اُس کے اعلیٰ اوصاف اور بلند اخلاق کا ذکر کرکے بلائے لیکن دوسرے غلاموں کو اُن کے نام سے پکارے اور کسی وصف یا خلق کا ذکر نہ کرے تو ظاہر ہے جسے اعلیٰ اوصاف اور بلند اخلاق کے ذکر سے بلایا گیا، وہ ان سب سے افضل ہے جنہیں اُن کے ناموں اور اچھے اخلاق واوصاف سے منسوب کرکے پکارا جائے وہ زیادہ قابلِ قدر ومنزلت ہے۔
اسی لیے کسی کہنے والے نے کہا ہے:۔

لَا تَدْعُنِیْ اِلَّا بِیَا عَبْدَھَا! فَاِنَّہٗ اَشْرَفُ اَسْمَائِیْ

وجہ نمبر ۹:۔ ہر ایک نبی کا معجزہ ختم ہو گیا ہے (یعنی اب اُس کی کوئی نشانی پائی نہیں جاتی) لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ، جو قرآنِ عظیم کی صورت میں ہے، یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

وجہ نمبر ۱۰:۔ نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر بھی سلام عرض کرتے تھے۔ ستونِ حنانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں گریہ وزاری کی۔ ایسے امور کسی دوسرے نبی کے لیے ثابت نہیں ہیں۔

وجہ نمبر ۱۱:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے کتنے ہی معجزے ایسے ہیں جو دوسرے انبیائے کرام کے معجزات سے زیادہ واضح ہیں اور ان میں زیادہ اعجاز پایا جاتا ہے۔ مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کا جاری ہونا۔ یہ پتھر سے پانی بہہ نکلنے کی نسبت عادت کے زیادہ خلاف ہے کیونکہ بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن سے پانی نکلتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی بہہ نکلنے والا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے چشمے جاری ہونے والے معجزے سے زیادہ فضیلت و عظمت رکھتا ہے۔

وجہ نمبر ۱۲:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مادرزاد اندھوں کو شفا دی جبکہ اُن کی آنکھیں اپنے مقام پر قائم تھیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی آنکھ کو درست فرما دیا جو باہر نکل کر رخسار پر لٹک رہی تھی۔ اس میں دو طرح اعجاز ہے۔ ایک اپنی جگہ سے ہٹ جانے کے بعد آنکھ کو اصل جگہ پر لگا دینا۔ دوسرے بینائی کا ختم ہو جانے کے بعد واپس لوٹ آنا۔

وجہ نمبر ۱۳:۔ جن مُردوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندہ فرمایا یعنی کفر سے نکال کر ایمان کی دولت سے مالا مال کیا یہ اُس اعجاز پر فضیلت رکھتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جسمانی مُردوں کو زندہ کیا تھا، کیونکہ جسمانی زندگی اور ایمانی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

وجہ نمبر ۱۴:۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک نبی کے لیے اُس کی اُمت کے اعمال، اقوال اور احوال کے مطابق اجر و ثواب لکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت تمام اہل جنت کا نصف ہے۔ نیز اللہ جل شانہٗ نے یہ بتایا ہے کہ اُمتِ محمدیہ سب سے بہتر امت ہے جو لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہے۔ یہ باقی امم سے اس لیے بہتر ہے کہ معارفِ الٰہیہ اور اچھے احوال، اقوال اور اعمال سے متصف ہے۔ پس کوئی معرفت، کوئی حالت، کوئی عبادت، کوئی قول اور فعل جو قربِ الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے اور جس کا راستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا اور اُس کی دعوت دی، ایسا نہیں مگر اُس پر عمل کرنے والے کو جتنا ثواب ملتا ہے اُتنا ہی سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملتا رہتا ہے کیونکہ فرمانِ رسالت ہے:۔ جو ہدایت کی جانب لوگوں کو بلائے تو اُسے

اِس (تبلیغ وتذکیر) کا ثواب ملے گا اور جتنے اشخاص قیامت تک اُس پر عمل کریں گے اُن کے ثواب کے برابر بھی اُسے ثواب ملتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ کثرتِ ثواب کے لحاظ سے آپ جتنے مرتبے کوئی نبی نہیں پہنچ سکا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مخلوق ساری اللہ تعالیٰ کا عیال (بلحاظِ رحمت) ہے۔ اُسے سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو اُس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائے۔ جب رسولِ اکرم ﷺ نے آدھے جنتیوں کو نفع پہنچایا ہے اور دیگر تمام انبیائے کرام نے باقی نصف کو، تو بارگاہِ الٰہی میں آپ ﷺ کا مرتبہ آپ ﷺ کے نفع کے اعتبار سے ہوگا۔ نیز امتِ محمدیہ میں جتنے بھی عارف ہیں اُن کی معرفت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اجر ملے گا، جو آپ ﷺ کے معارف کی جانب منسوب ہوں گے اور امتِ محمدیہ کے ہر صاحبِ حال کے مطابق آپ ﷺ کو ثواب حاصل ہوگا جو آپ ﷺ کے ثواب میں ضم ہوتا رہے گا۔ نیز ہر صاحبِ کلام جو قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے اس کے ثواب کے مثل آپ ﷺ کو حاصل ہوگا، جو آپ ﷺ کے تبلیغِ رسالت کے کام میں شامل ہوتا رہے گا اور کوئی عمل ایسا نہیں جو قربِ الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے کیا جائے گا، خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، غلام آزاد کرنا، جہاد، بھلائی، نیکی، ذکرِ الٰہی، صبر، عفو اور درگزر کرنا وغیرہ اعمال ہوں، اُن کے ہر عمل کے برابر رسول اللہ ﷺ کو اجر ملتا رہے گا اور آپ ﷺ کے اپنے اعمال کے ساتھ شامل ہوتے رہیں گے۔

کوئی بلند درجہ اور رتبۂ عالی ایسا نہیں جو صرف کسی اور کو حاصل ہو۔ چونکہ وہ آپ ﷺ کے بتانے کے باعث حاصل ہوا ہے لہٰذا آپ ﷺ کو بھی اُس کے مثل ملے گا اور جو آپ ﷺ کے مرتبے میں ضم ہوتا رہے اور آپ ﷺ کے لیے دُگنا اِس طرح ہو جاتا ہے کہ اُمت سے جس کسی نے دوسرے کو ہدایت کی یا نیکی کا راستہ بتایا، تو اُس کے مثل آپ ﷺ کو بھی اجر ملے گا اور آپ ﷺ کے درجے و رتبے میں ضم فرمایا جائے گا اور یہ اجر آپ ﷺ کے لیے اس صورت میں دُگنا ہو جاتا ہے جب آپ ﷺ کا کوئی امتی راہِ ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے یا کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرتا تو جتنے آدمی اُس پر عمل کریں گے اُن کی مثل بتانے والے کو اجر ملے گا اور ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا اجر اِس طرح دُگنا ہو جائے گا کہ اُن سارے عمل کرنے والوں اور ہدایت و دلالت کرنے والوں کے برابر آپ ﷺ کو اجر ملے گا کیونکہ سب سے پہلے تو اُس پر آپ ﷺ نے دلالت فرمائی اور اُس مبلّغ تک وہ حکم آپ ﷺ کے ذریعے پہنچا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شبِ اسریٰ میں اِسی لیے تو گریہ فرمایا تھا کہ اُن کی اُمت سے نبی

کریم ﷺ کی اُمت زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہوگی۔ اُنہیں رشک آیا تھا، حسد کے طور پر نہیں روئے تھے جیسا کہ بعض جہلاء کو وہم ہے وہ سرورِ کون و مکاں ﷺ جیسا مرتبہ حاصل نہ کر سکے، اِس بات پر افسوس کیا اور رونے لگے۔

وجہ نمبر ۱۵:۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی کو خاص اُسی کی قوم کی جانب بھیجا لیکن ہمارے نبی محترم، نورِ مجسم، تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہر نبی کو اپنی اُمت کے مطابق تبلیغ کرنے کا ثواب ملے گا لیکن نبی کریم ﷺ کو اُن سب کے مطابق ثواب ملے گا جن کی جانب آپ ﷺ مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ کبھی آپ ﷺ کو تبلیغ کرنے کا ثواب ملے گا اور کبھی اُس کا سبب بننے پر۔ اِسی احسان وانعام کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ (فرقان:51)

''ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈر سنانے والا بھیجتے''۔

صورتِ احسان یہ ہے کہ اگر ہر گاؤں اور شہر میں ایک ایک نبی بھیج دیا جاتا تو نبی کریم ﷺ کو اپنی تبلیغ کے مطابق اجر اور مرتبہ ملتا کہ جتنا ایک گاؤں کی تبلیغ پر دوسروں کو ملا تھا۔

وجہ نمبر ۱۶:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور اور مقدس وادی میں کلام فرمایا لیکن نبی کریم ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ سے اُوپر مقامِ اعلیٰ میں ہمکلامی کا شرف بخشا۔

وجہ نمبر ۱۷:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم دنیا والوں میں سب سے آخری اور قیامت میں سب سے پہلے ہیں۔ ساری مخلوق سے پہلے ہمارا احساب ہوگا اور سب سے پہلے جنت میں ہم داخل ہوں گے۔

وجہ نمبر ۱۸:۔ نبی کریم ﷺ نے جیسے اپنی سیادت کا مطلق ذکر فرمایا ہے اُسی طرح قیامت کے ساتھ مقید بھی کیا ہے، مثلاً فرمایا: میں قیامت کے روز آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں اور سب سے پہلے میں روضۂ انور سے باہر تشریف لاؤں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

وجہ نمبر ۱۹:۔ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ساری مخلوق میری جانب راغب ہوگی، حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

وجہ نمبر ۲۰:۔ آپ ﷺ نے وسیلہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ جنت میں ایک مقام ہے۔ اُس کا حقدار اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ایک کو قرار دے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ پس جو میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اُس کے لیے میری شفاعت ضروری ہو جائے گی۔

وجہ نمبر ۲۱:۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ فضیلت کسی بھی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔

وجہ نمبر ۲۲:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت میں کوثر اور محشر میں حوض مرحمت فرمانے کا وعدہ ہو چکا ہے۔

وجہ نمبر ۲۳:۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ ہم زمانے کے لحاظ سے آخری اور مناقب ومحاسن کی رُو سے سب پر سبقت لے جانے والے ہیں۔

وجہ نمبر ۲۴:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے) غنیمت کا مال حلال ٹھہرایا گیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ٹھہرایا گیا۔ اُمتِ محمدیہ کی صفیں صفوفِ ملائکہ کی طرح بنائی جائیں گی۔ ساری زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی ہے۔ یہ فضائل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند وبالا قدر ومنزلت پر دلالت کرتے ہیں۔

وجہ نمبر ۲۵:۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کی مدح فرمائی ہے: کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍO (بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔) بڑوں کا کسی کو بڑا سمجھنا اُس کی انتہائی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو سب بڑوں سے بڑا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اگر وہ کسی چیز کی عظمت بیان کرے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ شے کس قدر عزت وعظمت کے لائق ہوگی۔

وجہ نمبر ۲۶:۔ اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وحی کی جملہ اقسام میں کلام فرمایا اور وہ قسمیں تین ہیں:

۱۔ رؤیائے صادقہ ۲۔ کلام بغیر واسطہ ۳۔ وحی بذریعہ جبرئیل علیہ السلام۔

وجہ نمبر ۲۷:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب (قرآنِ کریم) میں توریت، زبور اور انجیل کے تمام علوم موجود ہیں اور طوالِ مفصّل (لمبی سورتوں) کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضیلت دیے گئے ہیں۔

وجہ نمبر ۲۸:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے عمل پہلے لوگوں سے کم (عمریں کم ہونے کے باعث) اور ثواب زیادہ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔

وجہ نمبر ۲۹:۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائیں اور پوچھا کہ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہو یا نبی عبد؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے یہ مشورہ دیا کہ عاجزی اور تواضع اختیار فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے: اے پروردگار! میں نبی عبد رہنا چاہتا ہوں کہ ایک روز سیر ہو کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور جب سیر ہو کر کھاؤں تو اُس کا شکر ادا کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ایسی حالت میں رہنا پسند فرمایا جس کے ذریعے ہر وقت اور ہر حالت میں خواہ تنگی ہو یا آسائش، راحت ہو یا مصیبت، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف متوجہ رہیں۔

وجہ نمبر ۳۰:۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزماں ﷺ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ ﷺ کی اُمت کے نافرمانوں کو مُہلت دی اور اُن پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہ کی اور اُنہیں باقی رکھا۔ اِس کے برعکس دوسرے انبیائے کرام کی اُمتوں نے جب اپنے نبیوں کو جھٹلایا تو جلد ہی مبتلائے عذاب ہو جاتے تھے۔

فخرِ دوعالم ﷺ کا حِلم، عفو، صبر، درگزر، شکرگزاری اور نرمی میں اخلاقِ عالیہ بہت ہی بلند تھا۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے غصہ نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے رونق افزائے دہر ہوئے تھے۔ جو کچھ آپ ﷺ کے خشوع وخضوع کے بارے میں منقول ہے کہ: کھانے، پینے، پہننے، رہنے، سہنے، حسنِ معاشرت، پاکیزہ عادات، امت کی بھلائی چاہنا، اقرباً کے ایمان لانے کی حرص، رسالت کی ذمہ داریوں کو نبھانا، مسلمانوں پر مہربانیوں کا سلسلہ جاری رکھنا، کافروں پر سختی دکھانا، اللہ کے دین کی اعانت ونصرت کے لیے بھرپور کوشش کرنا، کلمۂ حق کا بلند کرنا، متوطن اور غریب الدیار ہونے کی صورتوں میں اپنی قوم اور دوسروں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا، اِن میں سے بعض مناقب کلامِ الٰہی میں مذکور ہیں اور بعض کتبِ سیر میں مرقوم ومحفوظ ہیں۔ آپ ﷺ کی نرمی کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ (آل عمران:159)

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے اے محبوب! کہ تم اُن کے لیے نرم دل ہوئے''۔

کافروں پر سختی فرمانے اور اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور اُن کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل''۔

آپ ﷺ اِس امر کے بے حد خواہشمند رہتے تھے کہ لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر امتِ محمدیہ کے زمرے میں شامل ہوتے چلے جائیں۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کے اِن جذبات کو سراہتے ہوئے یوں ذکر فرمایا ہے:

لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ)

''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے، تم میں سے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان''۔

آپ نے فریضۂ رسالت کو کماحقہٗ اور انتہائی خوش اسلوبی سے انجام کو پہنچایا، جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ (الذاریات)

''تو اے محبوب! تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ الزام نہیں''۔

اگر (بفرضِ محال) آپ ﷺ سے کوتاہی متصور ہوتی تو ملامت سے بری الذمہ قرار نہ دیئے جاتے۔

وجہ نمبر ۳۱:۔ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو عادل حکام کا مرتبہ مرحمت فرمایا ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا (بروزِ حشر) فیصلہ کرے گا اور پہلی امتیں تبلیغِ رسالت کا انکار کریں گی تو امتِ محمدیہ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ یہ گواہی دیں گے کہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اِن لوگوں تک احکامِ خداوندی پہنچا دیئے تھے۔ یہ خصوصیت کسی دوسرے نبی کے لیے ثابت نہیں ہوئی۔

وجہ نمبر ۳۲:۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ فرما دیا ہے۔ پس وہ گمراہی پر کسی بھی بنیادی یا فروعی بات میں اتفاق نہیں کر سکتے۔

وجہ نمبر ۳۳:۔ اللہ جل شانہٗ نے نبیِ آخر الزماں ﷺ کی کتاب (قرآنِ کریم) کو محفوظ فرما دیا ہے۔ سب اگلے اور پچھلے اکٹھے ہو کر بھی کوشش کریں کہ اِس میں ایک کلمے کی کمی یا زیادتی کرنی ہے تو یقیناً وہ ایسا کرنے سے عاجز رہیں گے حالانکہ توریت و انجیل میں جو تبدیلی واقع ہوئی وہ کسی پر مخفی نہیں۔

وجہ نمبر ۳۴:۔ فخرِ دو عالم ﷺ کی امت سے اگر کسی کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ پردہ اس پر بھی ڈالتا ہے۔ پہلی امتوں میں اگر قربِ الٰہی حاصل کرنے کی خاطر کوئی قربانی پیش کرتا، تو اس کی قبولیت کا ثبوت یہ ہوتا کہ آسمان سے ایک آگ ظاہر ہوتی اور اس قربانی کے گوشت کو کھا جاتی، لیکن جس کی قربانی نامنظور ہوتی اُسے آگ اُسی طرح چھوڑ جاتی اور وہ شخص سب کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتا۔ اسی لیے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (انبیاء)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے رحمت عطا فرمائی گئی ہے اور میں رحمتوں والا نبی ہوں۔

وجہ نمبر ۳۵:۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جوامع الکلم عطا کر کے مبعوث فرمایا تھا کہ تھوڑے سے لفظوں میں بڑی بڑی باتوں کو کوزے میں سمندر کی طرح سمو دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر فصحائے عرب کا اتفاق ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نوع بشر کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر فضیلت عطا فرمائی، اِسی طرح آسمانی مخلوق یعنی فرشتوں کے برگزیدہ مرسلین پر بھی آپ ﷺ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ افضل بشر ملائکہ سے افضل ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ (البینہ)

"بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں"۔

کیونکہ فرشتے بھی بَرِیَّہ کے زُمرے میں شامل ہیں اور اِس سے مراد مخلوق ہے۔ یہ لفظ بَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی اختراع کرنا یا ایجاد کرنا ہے، جبکہ فرشتے مذکورہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں شامل نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ بھی ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ لفظ لغت میں عرف کے طور پر نوع بشر سے ایمان لانے والوں کے ساتھ مختص ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ اِس لفظ کا اطلاق کرتے وقت ہر کسی کا ذہن اِسی طرف جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ اَلْبَرِیَّہ تو اَلْبَرَا سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی مٹی ہے۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ ساری خاکی مخلوق سے بہتر ہیں۔ اِس کا جواب دو طرح دیا جاتا ہے:

ا۔ ماہرینِ لغت نے لفظ اَلْبَرِیَّہ کو بغیر ہمزہ (مذکورہ) کے شمار کیا ہے۔ جیسا کہ اہلِ عرب کا دستور ہے۔

۲۔ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ نافع نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ لہٰذا دونوں قرأتوں کی صورت میں یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اگر ایک کی رو سے دیکھیں تو مومنین صالحین کی جملہ نوعِ بشر (ماسوائے انبیائے کرام) پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری قرأت کو اگر ترجیح دیں تو ساری مخلوق پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور جب یہ امر ثابت شدہ ہے کہ فضیلت والے بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام مومنین صالحین سے افضل ہیں جیسا کہ افضلیتِ انبیائے کرام کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (انعام:86)

''اور ہم نے ہر ایک کو اُس کے وقت میں سب پر فضیلت دی''۔

اِس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیائے کرام تمام انسانوں اور فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ فرشتے بھی عَالَمِینَ کے زُمرے میں آتے ہیں، خواہ اَلْعَالَمِینَ کو اَلْعَالَمُ سے مشتق مانا جائے، یا اَلْعَلَامَۃُ سے، دونوں صورتوں میں نتیجہ یہی سامنے آتا ہے اور جب انبیائے کرام تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ جملہ انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ اِس لحاظ سے ملائکہ پر انبیائے کرام کی برتری ہونے کے باعث فخرِ دوعالم ﷺ فرشتوں سے دو درجے افضل اور دو رُتبے اعلیٰ ہوئے۔ اِسی لیے آپ ﷺ کے منصبِ رفیع کی عظمتوں کا شناسا کوئی نہیں، ماسوائے اُس ذاتِ وحدہٗ لاشریک کے جس نے خاتم الانبیاء وسیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں اور جہان والوں پر فضیلتِ تامہ مرحمت فرمائی ہے۔ یہ صرف اشارے ہیں جو اہلِ عقل و دانش کے لیے کافی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اِس فضل و کرم کے طلبگار ہیں کہ ہمیں نبیِ آخرالزماں ﷺ کی سنت، طریقے اور ظاہری و باطنی اخلاق میں آپ ﷺ کے اتباع کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمیں اپنے حبیب کی جماعت میں اور مددگاروں میں شامل فرمائے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَصَلٰوتُہٗ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ۝ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝ یہاں امام عزالدین بن عبدالسلام کا رسالہ اُن کے لفظوں میں ختم ہوگیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

کچھ اِس ترجمے کے بارے میں

۱۔علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) اکابرِ امت کے جوفرمودات گرامی قارئین تک عربی زبان میں پہنچانا چاہتے تھے ہم نے اُس مفہوم کو سلیس اور عام فہم اُردو میں پیش کرنے کا بساط بھر اہتمام رکھا اور بلفظہ ترجمہ کرنے سے اجتناب کیا ہے۔

۲۔ہر زیرِ بحث آیت کا نیچے حاشیے میں حوالہ درج کر دیا ہے جبکہ اصل کتاب میں کوئی حوالہ نہیں ہے۔

۳۔آیات درج کر کے اُن کا ترجمہ مجدّدِ مأتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے ترجمۂ قرآنِ کریم یعنی کنزالایمان سے پیش کیا ہے کیونکہ اُردو زبان میں یہ سب سے صحیح اور عدیم النظیر ترجمہ ہے۔

۴۔جن عباراتِ جواہر البحار کی مناظرین اور واعظین کو ضرورت پڑتی ہے ایسی اکثر عبارتیں مِن وعَن نقل کر کے ان کا اردو ترجمہ پیش کر دیا ہے۔

۵۔مضامین کی مطابقت کے لحاظ سے حسبِ موقع حاشیے میں بعض نعتیہ اشعار پیش کر دیے ہیں۔

۶۔امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق حفظِ مراتب کا پورا لحاظ رکھنے کی کوشش کی ہے جبکہ معاصرین کی اکثر تصانیف اِس میدان میں افراط یا تفریط کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں۔

خادم العلم والعلماء: اختر شاہجہانپوری مظہری عفی عنہ

لاہور

قطعاتِ تاریخِ طباعت

(۱)

(از رشحاتِ خامہ، مولانا اختر الحامدی الرضوی مدظلہٗ العالی۔ حیدر آباد)

رُوئے کتابِ اختر تاباں ہے سامنے ۔۔۔ ذکرِ رُخِ حسینِ سحر ہے فضول آج
گلدستۂ جمیل ہے بے مثل ترجمہ ۔۔۔ غنچہ ہر ایک حرف ہے، ہر لفظ پھول آج
واللہ تیرے طرزِ نگارش کو دیکھ کر ۔۔۔ ہے سر بلند اہلِ قلم کا اصول آج
نکلا ہوا قلم سے ترے ایک ایک حرف ۔۔۔ اختر ہے ہمکنار عروسِ قبول آج
ہیں اِس کو پڑھ کے شاد غلامانِ مصطفیٰ ۔۔۔ نجدی کی ذریّت ہے نہایت ملول آج
کیا ساعتِ سرور ہے اختر زہے نصیب ۔۔۔ کس مصرعۂ حسین کا ہوا ہے نزول آج

تاریخِ طبع کتنی مبارک ہے دیکھنا
ہے آئی بادِ باغِ جمالِ رسول آج

۱۳۹۵ھ

(۲)

از نتیجۂ فکر جناب شریف احمد صاحب شرافتؔ نوشاہی
سجادہ نشین ساہن پال شریف۔ ضلع گجرات

ایں کتاب جواہر است بحار ۔۔۔ در کمالاتِ دیں بلند مقام
از مساعیِ حضرت اختر ۔۔۔ صاحب علم و فضل وا اسلام
ہست ایں گوہرِ گراں مایہ ۔۔۔ بہر طلّابِ حق خجستہ کلام

چوں شرافت زسالِ طبعش جُست
گفت ہاتف، کتابِ فخرِ انام

۱۳۹۵ھ